مجالس خطیب اعظم

(۲)

بانیٔ تنظیم خطیب اعظم

مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ

ناشر

تنظیم المکاتب

گولہ گنج ۔ لکھنؤ ۔ ہندوستان

مجالسِ خطیبِ اعظم

(حصہ دوم)

(قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَاراً)

بانیِ تنظیم خطیبِ اعظم

مولانا سیّد غلام عسکری طاب ثراہ

ناشر

تنظیم المکاتب

گولہ گنج، لکھنؤ ۱۸ (ہندوستان)

باسمہٖ سبحانہٗ

نام کتاب	مجالس خطیب اعظم (حصہ۔۲)
مجموعۂ تقاریر	مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ
کاتب	حسن اختر مرحوم
پہلا ایڈیشن	جولائی ۲۰۰۳ء
دوسرا ایڈیشن	اگست ۲۰۱۱ء
تعداد	ایک ہزار
مطبوعہ	اے۔ بی۔ سی۔ آفسیٹ پریس۔ دہلی
ناشر	تنظیم المکاتب، لکھنؤ۔ ۱۸ (ہندوستان)
ہدیہ	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ تنظیم

سرکار خطیبِ اعظمؒ کی تقریروں کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے خطیبِ اعظمؒ نے اپنی تقریروں کے ذریعہ دنیائے خطابت میں جو انقلاب پیدا کر دیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ انھوں نے تاریخِ خطابت کا رُخ ایک نئی منزل کی طرف موڑ دیا۔ ایک ایسی منزل کی طرف جس سے، ان سے پہلے عوام وخواص دونوں ناآشنا تھے۔

ان کی تقریروں کا ہدف سامعین کی خوشنودی کے بجائے رضائے پروردگار اور ان کا مقصد علمی مظاہروں کی جگہ تعمیرِ ملّت تھا۔ وہ بازارِ دنیا میں "متاعِ ہنر" کی نمائش کو ناجائز سمجھتے تھے۔ وہ بالائے منبر کچھ اور زیرِ منبر کچھ اور نہ تھے، بلکہ خلوت و جلوت، منظر و پس منظر، گھر میں اور باہر، عوام میں اور خواص میں — ہر جگہ ہم آہنگیٔ کردار کے مالک تھے۔ بلکہ ہم آہنگیٔ گفتار بھی ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ یعنی وہ جو بنگال میں پڑھتے تھے وہی پنجاب میں، جو مزدوروں کے درمیان کہتے تھے وہی سرمایہ داروں کے اجتماع میں بھی کہتے تھے۔ یعنی وہ کبھی بازار کا بھاؤ دیکھ کر "باٹ" بدلنے پر تیار نہ ہوئے۔

انھوں نے جو کچھ کہا، جو کچھ سوچا، جو کچھ کیا سب قربتِ الٰہی کی نیت سے، اللہ نے انھیں ترسیل و ابلاغ کی بے پناہ قوت ودیعت فرمائی تھی۔ اہم ترین

اور پیچیدہ ترین علمی موضوعات کو عام فہم اور سادہ اور با محاورہ زبان میں اس طرح بیان کر دیتے تھے کہ پوری بحث ذہن نشین ہو جاتی تھی۔ سامنے کی مثالوں سے الجھے ہوئے مسئلوں کو سلجھا دینا صرف ان کا کام تھا۔ علمی اصطلاحوں کے سنگلاخ الفاظ کی جگہ روزمرّہ استعمال ہونے والے لفظوں میں وہ "جہانِ معنی" آباد کر دیتے تھے۔ انھوں نے کبھی بھی بے مغز لفظوں کا گھروندا تعمیر کرنا گوارا نہیں کیا بلکہ کم سے کم لفظوں میں زیادہ بات کہنے کے عادی تھے۔

وہ عصری زبان کے نبض شناس اور زبان و بیان کی نزاکتوں کے مزاج داں تھے۔ آنے والی نسلیں اس عہد میں برصغیر پر بولی جانے والی اُردو زبان کا اصل چہرہ ان کی تقریروں کے آئینے میں دیکھ سکیں گی۔

لیکن ان کا مقصد زبان و بیان کی خدمت کبھی نہیں رہا بلکہ زبان و بیان کو انھوں نے دین و مذہب کی خدمت کے لیے استعمال کیا ہے۔ ان کی تقریروں کا خمیر قرآن و حدیث اور مستند تاریخی حوالوں سے تیار ہوتا تھا جسے خطیبِ اعظمؒ اپنی پرتاثیر آواز اور مخصوص لب و لہجہ میں اس طرح پیش کرتے تھے کہ پھول کی پتّی سے ہیرے کا جگر کٹ جانے والی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔

تحریکِ دینداری کے سلسلے میں آپ کی تقریریں مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں اسلئے ادارہ ان کی اشاعت کا فریضہ ادا کر رہا ہے۔ مستقبل کے محراب و منبر کی ذمّہ داریاں سنبھالنے والی نئی نسل کی خطابی تربیت کے لیے مجلسوں کا یہ مجموعہ منارۂ نور ہے۔ ان مجالس کے ذریعہ آپ نے ۱۴۰۳ھ (۱۹۸۲ء) میں سرزمینِ انگلینڈ پر مومنین سے خطاب فرمایا تھا۔

والسّلام

سید صفی حیدر
سکریٹری ادارہ

مجلس (۱)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ اللَّعِیْنِ الرَّجِیْمِ ه بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالْجَنَّۃُ لِلْمُوَحِّدِیْنَ وَالنَّارُ لِلْمُلْحِدِیْنَ ه
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ وَاللَّعْنَۃُ الدَّآئِمَۃُ عَلٰی قَاتِلِیْھِمْ وَغَاصِبِیْ
حُقُوْقِھِمْ وَاَعْدَآئِھِمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ه اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَ
ھُوَ اَصْدَقُ الْقَآئِلِیْنَ ه بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ه

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا ه ــــ صلوات

میں نے ابھی آپ کے سامنے سورہ تحریم کی ایک آیہ کریمہ کا ابتدائی فقرہ پڑھا۔ یہ سورہ آپ کو ۲۸ ویں پارے میں ملے گا اور سورہ تحریم کی چھٹی آیت ہے جس کے ابتدائی جملہ کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی۔ ارشاد ہوتا ہے:

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا ه "اے ایمان لانے والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ ــــ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ ــــ "اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہوں گے اور پتھر" ــــ

معمولی سمجھ والا اگر یہ بات جانتا ہے کہ پتھر میں قوت عمل نہیں، اس کے لئے نہ جزا ہے نہ سزا، تو اس آگ میں پتھر اس لیے نہیں ڈالے جائیں گے کہ یہ مجرم ہیں ان کو سزا دے گا۔ بلکہ یہ اس لیے ڈالے جائیں گے تاکہ آگ کی تپش میں، آگ کی سوزش میں، آگ کی تندی میں اضافے کا سبب بنے۔ تو یہ دوزخ کی آگ جو پتھروں کی آنچ سے اور تیز

کردی جائے گی اس میں جلنے والا فقط انسان ہے۔ تو اللہ کہتا ہے کہ اے ایمان لانے والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اُس دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر ہیں۔ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ ـــــ اس دوزخ کی آگ سے اپنے اور اپنے گھر والوں کو بچاؤ جس پر اللہ نے ایسے ایسے ملائکہ معین کیے ہیں جو سخت اور شدید مزاج رکھتے ہیں ــ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ ــــ وہ ایسے ملائکہ ہیں کہ خدا ان کو جو حکم دے گا اس کے حکم کی تعمیل میں وہ نافرمانی نہیں کریں گے ــــ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ہ اور یہ وہ ملائکہ ہیں کہ جو حکم خدا ملے گا اس پر عمل کریں گے۔

میں قبل اس کے کہ سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاؤں، یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ـــــ پالنے والے سے ہم کو اور آپ کو یہ بات پوچھ لینا چاہیئے کہ پالنے والے تیرا اتنا فرمانا کافی تھا کہ اس آگ سے اپنے اور اپنے گھر والوں کو بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اس پر تو نے ان ملائکہ کے معین کرنے کا تذکرہ کیوں کیا ہے۔؟ تو شاید اس عالم الغیب خدا کا جواب یہ ہو کہ میں اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق انسان کے مزاج سے، فطرت سے، نیچر سے واقف ہوں تمھارا سوچنے کا انداز یہ ہے کہ تم آخرت کو بھی دُنیا ہی کے انداز پر سوچنے لگتے ہو۔ تو اس دُنیا میں تم نے ایسا بہت دیکھا ہے کہ دولت کے ذریعہ، طاقت کے ذریعہ، حکومت کے ذریعہ، اثرات کے ذریعہ، رشوت کے ذریعہ جیل کے اسٹاف کو ملا لیا جاتا ہے۔ اور وہ جیل جو سزا کی جگہ ہے وہ آرام گھر کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ لیکن ہم تمھیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ دنیا کی حکومتیں ہیں جہاں جیل کا اسٹاف تم سے مل سکتا ہے اور حکومت کے احکام کی خلاف ورزی کر سکتا ہے لیکن ہم تمھیں آواز دے رہے ہیں کہ اپنے اور اپنے گھر والوں کو اس دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس پر ہم نے ایسا اسٹاف رکھا ہے ایسے ملائکہ رکھے ہیں جو رحم دل نہیں ہیں، جو نرم دل نہیں ہیں۔ جو سخت مزاج ہیں، جو

شدید مزاج رکھتے ہیں، جو ہرگز خدا کی نافرمانی نہیں کریں گے، جو حکم خدا ہوگا اس پر عمل کرینگے۔ اب میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے اور آپ کے ہر گھر میں قرآن مجید موجود ہے۔ ہم کو گھر جا کے، قرآن مجید نکال کے اٹھائیسویں پارے کے سورۂ تحریم کی اس چھٹی آیت کو خود پڑھنا چاہیئے۔

میں اس بات پر آپ کی توجہ زیادہ اس لیے حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید کی اس آیت میں جو بات کہی گئی ہے وہ دنیا کے انسانوں سے نہیں کہی گئی ہے، وہ دنیا کے مسلمانوں سے نہیں کہی گئی ہے ــــ وہ براہِ راست ہم سے کہی گئی ہے، وہ براہِ راست آپ سے کہی گئی ہے۔ اس لیے کہ اللہ یہ نہیں کہتا ہے کہ میرے بندو! اپنے اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ وہ یہ نہیں کہتا ہے کہ کلمہ پڑھنے والے مسلمانو! میں تم سے یہ کہہ رہا ہوں کہ اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ ــــ بلکہ وہ بندوں سے خطاب نہیں کرتا ہے، وہ مسلمانوں سے خطاب نہیں کرتا ہے بلکہ وہ کہتا ہے:

"یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا"

"اے ایمان لانے والو! تم سے یہ کہہ رہا ہوں کہ تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ" ــــ تو میں آپ کی خدمت میں اس وقت تفصیل میں نہیں جاؤں گا ــــ لیکن اتنی بات کہنا چاہتا ہوں کہ ہم اور آپ اس عقیدے میں بالکل متفق ہیں کہ بندے اللہ کے سب ہیں جتنے کلمہ پڑھنے والے ہیں وہ سب مسلمان ہیں لیکن مومن وہی ہے جو اثناعشری ہوتا ہے۔ مومن وہی ہے جس کے سارے عقیدے درست ہوتے ہیں۔ مومن وہی ہے کہ:

بِمَا جَآءَ بِہِ النَّبِی ــــ نبیؐ جو کچھ لے کر آئے ہیں ان کی ایک ایک بات پر ایمان رکھتا ہے۔ تو جو مومن ہوتا ہے خدا اس سے کہہ رہا ہے کہ اپنے کو بچاؤ، اپنے گھر والوں کو بچاؤ اور اس دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہوں گے، جس کا ایندھن پتھر

ہوں گے۔ جس پر ہم نے ایسے ملائکہ کو معین کیا ہے جو سخت و شدید مزاج کے مالک ہیں وہ احکام خدا کی تعمیل کریں گے، نافرمانی نہیں کریں گے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دوزخ کی آگ سے بچنے والا پیغام نہ انسانوں کو دیا جا رہا ہے نہ مسلمانوں کو دیا جا رہا ہے۔ یہ تو صرف مومنین کو دیا جا رہا ہے۔ اگر ہم اپنے عقیدے میں اس بات کو سمجھ چکے ہیں۔ دلائل کی روشنی میں، کہ مومن فقط اثنا عشری ہوتا ہے تو یہ بات کسی اور سے نہیں کہی جا رہی ہے۔ یہ بات ہم سے کہی جا رہی ہے۔

میں آپ کی خدمت میں تذکرے کو یہاں تک لانے کے بعد۔ دو بنیادی باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں جن کا تعلق میرے ان سارے بیانات سے ہوگا، ان ساری گزارشوں سے ہوگا، ان ساری دردمندانہ اپیلوں سے ہوگا جو اگلی تاریخوں میں، میں اپنے بھائیوں کے سامنے، اپنے بچوں کے سامنے، اپنے بزرگوں کے سامنے، اپنی بیٹیوں کے سامنے، اپنی ماں اور بہنوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں ـــــ پہلی گزارش آپ اپنے ذہن میں یہ محفوظ رکھیں کہ ہم اور آپ مل جل کے ان راتوں میں جن تذکروں کو سننا چاہتے ہیں، جن تذکروں کو سنانا چاہتے ہیں ان کا ہدف کیا ہے، ان کا نشانہ کیا ہے۔ ان دس دنوں میں ہم کیا چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جب تک ہم یہ بات طے نہ کرلیں گے تب تک ہماری یہ مجلسیں، تب تک ہماری یہ تقریریں کسی منزل تک نہیں پہونچیں گی۔ ہم جب کہیں چلتے ہیں تو ہم چلنے سے پہلے یہ طے کرتے ہیں کہ ہمیں کہاں جانا ہے، ہمیں کہاں پہونچنا ہے۔ تو اگر منزل طے کیے بغیر، مقصد طے کیے بغیر کوئی کام نہیں کیا جا سکتا ہے۔ تو ہمارا اور آپ کا یہ بھی فریضہ ہوتا ہے کہ ہم ان دس دنوں میں کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کو بھی طے کریں۔

میں آپ کے سامنے اس بات کا اقرار کرنے میں کسی قسم کی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا ہوں کہ ہمارے سامنے مسائل ہیں اور بے شمار مسائل ہیں۔ انفرادی زندگی سے

متعلق مسائل بھی ہیں، اجتماعی زندگی سے متعلق مسائل بھی ہیں، معاشیات کے مسائل بھی ہیں، اقتصادیات کے مسائل بھی ہیں، عبادات کے مسائل بھی ہیں، معاملات کے مسائل بھی ہیں۔ لیکن کیا ان دس دنوں میں ایک گھنٹے کی تقریر کے سننے اور سنانے میں زندگی کے سارے مسائل حل کیے جا سکتے ہیں ___؟ نہیں ممکن نہیں ہے ایسا۔ اگر نہیں ممکن ہے تو پھر مسائل کے اس مجمع میں سے کسی ایک چیز کو منتخب کر لینا چاہیے جسے کم سے کم ہم ان دسؔ دنوں میں حاصل کر سکیں۔ میں نے اپنے خیال میں جو چیز طے کی ہے اسے آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں لیکن اگر آپ اس میں کسی قسم کی ترمیم چاہیں گے تو مجھے اس ترمیم کے قبول کرنے میں کوئی انکار نہیں ہوگا۔

عزیزانِ گرامی!

میں ان دس راتوں میں، آپ کے تعاون سے ایک مقصد حاصل کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ بالکل صحیح صورت حال یہ ہے کہ ہم خدا پر یقین رکھتے ہیں، اعتبار رکھتے ہیں۔ کوئی شک نہیں ہے اس بات میں کہ ہم خدا کو مانتے ہیں، اس ماننے میں نہ شک ہے نہ شبہ ہے اس ماننے میں۔ نہ اس ماننے میں نفاق ہے۔ ہم یہ بھی اقرار کرتے ہیں، بے شک حضور سرورِ کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ نبی۔ آخری نبی۔ خاتم النبیین۔ مرسلِ اعظم ہیں۔ پوری سچائی کے ساتھ ___ پوری دیانت کے ساتھ ___ پوری دل کی گہرائی کے یقین کے ساتھ مانتے ہیں ___ ہم کو یہ بھی اقرار و اعلان ہے کہ ہم حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کو مانتے ہیں۔ ساری تاریخ ہدایت کا سربراہ مانتے ہیں پیغمبر کے بعد۔ ان کے لیے وہ سارے حقوق و فرائض مانتے ہیں جو نبیؐ کے لیے۔ مُرسلِ اعظمؐ کے لیے اور ختم المرسلینؐ کے لیے مانتے ہیں۔

ہم یقیناً مولائے کائناتؑ کے بعد امام حسنؑ کو اور اسی طرح ترتیب کے ساتھ

بارہ اماموں کو، امامِ زمانہ عج کو مانتے ہیں۔ تو اس میں کسی قسم کا ہمارے دل و دماغ میں شک اور شبہ نہیں پایا جاتا ہے کہ ——

—— ہم خدا کے ماننے والے ہیں۔
—— ہم نبیؐ کے ماننے والے ہیں۔
—— ہم ائمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والے ہیں

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس صورتِ حال کو بھی ہم فراموش نہیں کر سکتے کہ ہم یقیناً خدا کے ماننے والے ہیں۔ مگر اس یقیناً خدا کے ماننے والے ہونے کے باوجود احکامِ خدا سے سرتابی کرنے والے ہیں۔ یہاں بالکل سادی اور سچی اور مضبوط حقیقت ہے کہ ہم خدا کے ماننے والے ہیں۔ ہاں ہماری عملی زندگی کسی طرح اس بات سے انکار نہیں کرا سکتی ہے کہ ہم خدا کو مانتے ہیں مگر احکام خدا کو نہیں مانتے ہیں۔ بالکل ایسی ہی صورتِ حال ہے۔

—— ہم حضور سرورِ کائنات جناب محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتے ہیں، لیکن ہماری زندگی میں کتنے ایسے مقامات آتے ہیں جہاں پیغمبرؐ کے ہدایات سے روگردانی کرتے ہیں۔ ان کے احکام پر عمل نہیں کرتے ہیں۔

یقیناً بارہ اماموں پر ہم محبّت میں جان چھڑکتے ہیں۔ کوئی شک و شبہ کی بات نہیں ہے لیکن ہماری زندگی کا، اگر ہم خود اپنا حساب کریں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ ہم نے مولا علی ؑ کے فرمودات سے کہاں کہاں اپنی زندگی کے رُخ کو موڑ لیا ہے۔

—— ہم نے معصومۂ کونین کی ہدایتوں سے کہاں کہاں روگردانی کی ہے۔ ہم نے ائمہ معصومینؑ کے احکام کو کہاں کہاں عملی زندگی میں عزّت کے ساتھ جگہ نہیں دی ہے۔ یعنی ہماری زندگی اس تضاد کا شکار ہے کہ ہم خدا کو مانتے ہیں مگر اس کی بات کو نہیں مانتے۔

—— ہم نبیؐ کا کلمہ پڑھتے ہیں مگر ان کے ہر حکم کے سامنے سر نہیں جھکاتے ہیں۔

ہم ائمہ معصومینؑ سے محبّت کرتے ہیں، بے پناہ محبّت کرتے ہیں۔ لیکن ان کی ذات سے محبّت کرتے ہیں۔ ان کی بات سے محبّت نہیں کرتے ہیں۔ ان کی شخصیت سے محبّت کرتے ہیں، ان کے احکام سے محبت نہیں کرتے ہیں۔ ان کے اصول کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے مقصد کے لیے عملی اقدام نہیں کرتے ہیں ـــــ تو یہ ہماری انفرادی زندگی ہو یا خاندانی زندگی ہو یا قومی زندگی ہو ـــــ ہر جگہ پر ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ ہم اس عملی تضاد کا شکار ہیں کہ ہم خدا کو مانتے ہیں نبیؐ کو مانتے ہیں، امام کو مانتے ہیں۔ مگر احکام کو نہیں مانتے ہیں۔ تو ہمارا فریضہ ہوتا ہے کہ ہم سوچیں کہ ہمارے اندر یہ تضاد کیسے پیدا ہو گیا ہے۔

میں اس چیز کا قائل ہرگز نہیں ہوں کہ صرف امراض کا تذکرہ کیا جائے، صرف بیماری کی تشریح کی جائے، صرف بیمار کی مذمت کی جائے ـ نہیں۔ دُنیا میں کسی بیمار کے ساتھ یہ محبت نہیں ہے کہ یہ بتایا جائے کہ تم بہت بیمار ہو۔ نہیں! اگر بیمار کو یہ بتانا ہے کہ وہ بہت بیمار ہے تو اسی کے ساتھ ساتھ ان اسباب کو ڈھونڈھنا ہے جن کی وجہ سے بیماری پیدا ہوئی ہے۔ ان دواؤں، پرہیزوں اور علاج کی تلاش کرنا ہے جن کے ذریعہ بیمار اچھا ہو سکتا ہے۔ منفی رُخ کی تقریر نہ سماج کو فائدہ پہنچاتی ہے نہ افراد کو فائدہ پہنچاتی ہے اور نہ معاشرے کو فائدہ پہنچاتی ہے۔

مثبت انداز کی تقریریں وہ ہوتی ہیں جو انسان کو سوچنے کا موقع دیتی ہیں۔ جو انسان کو اپنا حساب کرنے کا موقع دیتی ہیں ـــ جو انسان کو اپنے اندر انقلاب پیدا کرنے کے ارادے کی توفیق دیتی ہیں ـــــ تو میں آپ کی خدمت میں گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے ان دس دنوں کے لئے اسی تذکرے کو منتخب کرنا چاہا ہے ـ کہ ایک ایک کر کے ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ ہم خدا و نبیؐ اور امامؑ کو مان کر اُن کے احکام کو نہیں مان رہے ہیں۔ یا تو اس کا سبب کہیں پر ہماری کم علمی ہوگی کہیں پر ناواقفیت ہوگی، دین کو نہ سمجھنا ہوگا۔ کہیں پر ایسا ہوگا کہ جو چیز دین نہیں ہے

اس کو دین سمجھ لیا۔ کہیں پر ایسا ہے جو دین نہیں ہے اس کو ہم دین سمجھ رہے ہیں۔ کہیں پر ایسا ہوگا کہ ہمارے سامنے کچھ معاشرتی، معاشی، اقتصادی، خاندانی، قومی، مقامی مسائل کی اہمیت اتنی پیدا ہوگئی ہے کہ ہم دین کے احکام پر عمل نہیں کرسکتے ہیں۔ تو میں آپ کے سامنے کوشش کروں گا، آپ کے مشورے بھی چاہوں گا، آپ کی رائے بھی چاہوں گا اور میں خود بھی کوشش کروں گا کہ ایک ایک کرکے جہاں تک مسائل میرے سامنے آئیں ان کو آپ کے سامنے اس لیے پیش کروں تاکہ آپ بھی سوچیں، میں بھی سوچوں۔ میرا ہر بچّہ سوچے۔ میری ہر بیٹی سوچے۔ میری ہر بہن سوچے۔ میرا ہر بھائی سوچے کہ اس عملی تضاد کے ہم شکار کیوں ہوگئے ہیں، اس کے اسباب کیا ہیں، اور ہم اس سے کیسے نکل سکتے ہیں؟ یہ وہ ہدف ہے، یہ وہ مقصد ہے، یہ وہ پروگرام ہے یہ وہ منصوبہ ہے جس کے ماتحت میں اپنی تقریریں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے مشوروں کو بڑی قدر و قیمت کی نگاہ سے دیکھوں گا اور اسے اپنی رائے میں شامل کرنے اور جذب کرنے کی کوشش بھی کروں گا۔ یہ پہلی گزارش ہے جو میں آپ کے سامنے کرنا چاہتا ہوں۔

دوسری گزارش جو اسی طرح اس گزارش سے کم اہمیت کی حامل نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ مقصد کا معین کرنا ناکافی ہوتا ہے جب تک مقصد کے مطابق طریقۂ کار اور راستے کو طے نہ کیا جائے۔ آپ اگر گھر سے آئے ہیں، یہاں پر تشریف لائے ہیں مجلس کرنے کے لیے تو آپ کے پیشِ نظر یہاں تک آنا تھا جو مقصد تھا تو اس مقصد کے حصول کے لیے آپ کو ایسے ہی راستے سے آنا تھا جو آپ کے گھر سے شروع ہوتا ہو اور یہاں تک پہونچتا ہو۔ اگر راستہ بدل دیتے تو ہم میں سے کوئی آدمی نہیں پہونچ سکتا تھا۔ اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ مقصد کا معین کرنا تنہا کافی نہیں ہے جب تک مناسب راستے کا، مناسب طریقۂ کار کا، مناسب لائحہ عمل کا انتخاب نہ کرلیا جائے۔ تو میں آپ کی خدمت میں گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ یقیناً

میں جو کچھ بھی آپ کے سامنے عرض کروں گا اپنی ساری باتوں کی گزارش کے باوجود۔ میں خطا اور غلطی کر سکتا ہوں۔ میں ہرگز معصوم نہیں ہوں۔ میرے اندازِ فکر میں کسی قسم کی ایسی گارنٹی اور ضمانت نہیں ہے کہ میری زبان سے کچھ غلط بات نہیں نکل سکتی ہے۔ میرا سوچنے کا انداز کہیں پر بہک نہیں سکتا ہے ۔۔۔ تو میں بھی غیر معصوم ہوں، آپ بھی غیر معصوم ہیں۔ ہم میں سے کوئی آدمی معصوم نہیں ہے۔ غلطی بھی ہو سکتی ہے، بھول بھی ہو سکتی ہے۔ سہو اور نسیان بھی ہو سکتا ہے۔ تو پھر میں آپ کے سامنے جو گزارش کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ ایک میں نہیں، دنیا کا ہر آدمی جو غیر معصوم ہے، چاہے وہ ذاکر ہو، چاہے وہ عالمِ دین ہو، چاہے وہ فردِ قوم ہو، چاہے وہ مرد ہو، چاہے وہ عورت ہو، چاہے وہ جوان ہو چاہے بوڑھا ہو۔ چاہے وہ شاعر ہو ۔۔۔ وہ کوئی بھی ہو، وہ کوئی بات کہتا ہے تو ہم کو اس کی بات پر تبصرہ کرنے سے پہلے، اس کی بات کی حمایت یا مخالفت کرنے سے پہلے، اس کی بات سننے اور ماننے یا نہ ماننے کا فیصلہ کرنے سے پہلے معیار اپنے ہاتھ میں رکھنا ہوگا کہ کہنے والے نے جو بات کہی ہے وہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔ اگر قرآن مجید کے بیان کے مطابق نہیں ہے تو کہنے والے کی شخصیت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو، کہنے والے کی وجاہت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو کہنے والا دنیا میں کتنی ہی عظیم شخصیت کا مالک کیوں نہ ہو۔ لیکن ہم کو اس کی بات کی کوئی قدر و قیمت محسوس نہیں کرنا ہے جو قرآن مجید کے بیان کے خلاف ہو ۔۔۔ لیکن اگر کوئی بات چھوٹے سے چھوٹا آدمی کہے اور وہ قرآن مجید کے مطابق ہو تو ہمیں مان لینا چاہیے۔

تو میں دست بستہ یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی ذاکر کیا کہتا ہے، کوئی مقرر کیا کہتا ہے، کوئی عالم کیا کہتا ہے، کوئی شاعر کیا کہتا ہے، کوئی پڑھا لکھا کیا کہتا ہے، سننے والوں میں کوئی کیا کہتا ہے۔ ہر بات کو ہم کو اس بات پر پرکھنا ہے کہ یہ بات جو کہی گئی ہے یہ قرآن کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔ اگر ہے قرآن کے مطابق ہے تو ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اس کو

مان لیں، پوری سچائی کے ساتھ مان لیں، مکمل تعمیل کے جذبے کے ساتھ مان لیں۔ اور اگر قرآن مجید کی مخالف ہے تو کہنے والا چاہے کتنی بھی عظمت و وجاہت کا مالک ہو اس کی بات کا رد کر دینا ہمارا فریضہ ہے۔

آپ بزرگ ہیں، مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ بارہا آپ نے سُنا ہو گا کہ حضورِ سرورِ کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری وفات کے بعد، میری شہادت کے بعد، میرے وصال کے بعد بہت سے آدمی پیدا ہوں گے جو میرے نام سے جھوٹی روایتیں، جھوٹی حدیثیں گڑھ کر لوگوں کو سنائیں گے۔ یعنی صورتِ حال کیا ہو گی ــــ کہ بات اُن کی ہو گی اور کوشش کریں گے کہ میرے نام سے "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ" منسوب کر دیں۔ تو پیغمبرِ اسلامؐ نے فرمایا کہ تمھارے سامنے دو چیزیں رہیں گی: ایک طرف کہنے والے ہیں میرا نام لیا جائے گا، میری شخصیت سے فائدہ اُٹھایا جائے گا اور دوسری طرف بات وہ ہو گی جو میری نہیں ــــ تو تم پریشان نہ ہو جانا، اس لیے کہ کچھ باتیں میں نے کہی ہیں، اور کچھ باتیں میری طرف منسوب کی جائیں گی اور وہ میری کہی ہوئی نہیں ہیں ــــ تو جب تمھارے سامنے کوئی چیز پیش کی جائے تو پہلے اس کو قرآن مجید سے ملا کر دیکھنا۔ اگر بیان کی ہوئی حدیث قرآن کے مطابق ہے تو مان لینا، اور اگر قرآن مجید کے خلاف ہے تو اسے دیوار پر مار دینا۔

اگر پیغمبرِ خدا کے نام سے کوئی بات بیان کی جائے اور وہ قرآن مجید کے مطابق نہیں ہے تو پیغمبرؐ فرماتے ہیں کہ اسے دیوار پر پٹخ دینا ــــ تو کیا اہمیت ہے میری، کیا اہمیت ہے کسی غیر معصوم کی کہ اس کی بات میں کوئی وزن باقی رہے جو بیان قرآن مجید کے خلاف ہو۔ اگر بیان قرآن مجید کے خلاف ہے تو ہمیں دیوار پر پٹخ دینا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ حضورؐ صلعم نے فرمایا کہ اگر تمھارے سامنے کوئی ایسی چیز میرے نام سے

بیان کی جائے جو قرآن مجید کے مطابق نہیں ہے تو تم اسے دیوار پر اس لیے پٹخ دینا کہ وہ میں نے نہیں کہی ہے بلکہ میرے نام سے منسوب کی گئی ہے اس لیے کہ میرا اور قرآن کا بیان کہیں الگ ہو ہی نہیں سکتا ۔ لیکن پیغمبرؐ کے علاوہ، امام کے علاوہ، معصوم کے علاوہ جب کوئی دوسرا بات کہتا ہے تو ہم اس کی بات اسی معیار پر دیکھیں گے کہ قرآن کے مطابق ہے یا نہیں ــــــ اگر مطابقِ قرآن نہیں ہے تو شخصیت کا لحاظ کیے بغیر اس کو رد کر دینا ہے، اس بات کو واپس کر دینا ہے، اس بات سے انکار کر دینا ہے ۔

اور اگر قرآن کے مطابق ہے تو چاہے کتنے ہمارے خیالات کیوں نہ اس سے ٹکرا جائیں، ہمارے کتنے ہی سوچنے کے انداز کیوں نہ ٹکراتے ہوں، ہمارے سماج کی کتنی عادتیں اور روشیں کیوں نہ اس سے ٹکراتی ہوں، ہماری سوسائٹی کی کتنی ہی باتیں کیوں نہ ٹکراتی ہوں ــــ لیکن ہم کو قرآن کی ہمالیائی عظمت کو سامنے رکھ کر ان ساری چیزوں کو توڑ کر پھینک دینا ہے جو اسلام سے ٹکراتی ہوں، جو بیان قرآن مجید سے ٹکراتی ہوں ۔

یہ وہ راستہ ہے کہ اگر ہم اس راستے کو اپنائیں گے تو ہم اس منزل تک پہونچ سکیں گے کہ ہم خدا و نبی و امام کے ماننے والے ہونے کے بعد ان کے احکام کی تعمیل کریں گے ۔

میں آپ کے سامنے اپنے آج اور اگلے بیانوں کا خلاصہ صرف ایک لفظ میں بیان کرنا چاہتا ہوں ۔ میں آپ کی خدمت میں نہ کوئی وعظ و نصیحت کرنے آیا ہوں، نہ میں آپ کی خدمت میں کسی کو کسی غلطی پر ٹوکنے آیا ہوں ــــ مجھے ٹوکنے کا حق ہی نہیں ہے ۔ اس لیے کہ میں سارے سننے والوں سے زیادہ گناہگار ہوں، میں سارے سننے والوں سے زیادہ حقیر ہوں ۔ لیکن پھر آپ مجھ سے پوچھ سکتے ہیں کہ تم کیوں یہ بات کہہ رہے ہو ــــ بھائی سیدھی سیدھی سی بات ہے، میں ایک دردمند آدمی ہوں، دردِ دل لے کر آیا ہوں ۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے ان دس دنوں کے اندر اپنے دردِ دل کو آپ تک منتقل کر دوں کیوں ؟ اس لیے کہ قرآن مجید آواز

دے رہا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

"اے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو آتش جہنم سے بچاؤ"

میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں یہ کوئی بہت بڑی عمارت نہیں ہے لیکن آپ اس کا جائزہ لیں تو اس میں جگہ جگہ آپ کو نشانیاں ملیں گی کہ اگر خدا نخواستہ اس میں آگ لگ جائے تو نکلنے کے وہ راستے ہوتے ہیں جس سے ہم نکل سکیں۔ آگ بجھانے کے لیے فون کس کو کریں، آگ بجھانے کے لیے آواز کس کو دیں اور کون سی وہ تدبیریں ہیں جن کے ذریعہ ہم آگ کو بجھا سکیں ـــ تو اس چھوٹی سی عمارت کے بنانے والے نے فریضہ سمجھا کہ امکانی آگ لگ جانے کے بعد کیسے بجھایا جائے۔ وہ ساری ہدایتیں دیں، وہ ساری نشانیاں بتادیں، وہ سارے انتظامات کردیے، تو پھر ـــ

ـــ کیسا مہربان ہے وہ خدا

ـــ کیسا کریم ہے وہ خدا

ـــ کیسا رحمٰن ہے وہ خدا

ـــ کیسا رحیم ہے وہ خدا، جو آواز دے رہا ہے ـــ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

"اے ایمان لانے والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ وہ دوزخ کی آگ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے ـــ وہ دوزخ کی آگ جس پر ہم نے شدید عذاب والے ملائکہ کو معین کیا ہے ـــ وہ دوزخ کی آگ جس پر جو ملائکہ معین ہیں وہ خدا کے حکم کی تعمیل کریں گے، نافرمانی نہیں کریں گے ـــ تو اس نے آواز دی: ـــ اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا واحد خلاصہ

یہ ہوتا ہے جس کا صاف رزلٹ یہ ہے کہ مومن ہونے کے بعد بھی ہمارے سروں پر آگ کا خطرہ منڈلاتا رہتا ہے۔ انتہائی غفلت ہوگی کہ جو آگ کے خطرے میں ہو وہ اپنے کو آگ سے محفوظ سمجھے اور مطمئن سمجھے۔ دنیا میں اس سے زیادہ غافل کوئی نہیں ہے، اس سے زیادہ ناسمجھ کوئی نہیں ہے، اس سے زیادہ قابلِ مذمت کوئی نہیں ہے جو آگ میں گھرا ہو اور اپنے کو آگ سے مطمئن سمجھ رہا ہو۔

قرآن مجید آواز دے رہا ہے کہ ایمان والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ تو اگر ہم نے اپنے کو آگ سے محفوظ سمجھ لیا ہے، مطمئن سمجھ لیا ہے تو وہ سارے الفاظ پلٹ کر ہمارے پاس آئیں گے جو ہم نے اس کے لیے کہے ہیں جو مطمئن ہو جائے جب کہ وہ آگ کے درمیان گھرا ہوا ہے۔

اب میں آپ کی خدمت میں تھوڑی تفصیل کا آج آغاز کرنا چاہتا ہوں تاکہ اندازہ لگے اس بات کا کہ ہم آگ کے خطرہ میں کیوں گھرے ہیں؟ ہم اس عملی تضاد کا کیوں شکار ہیں کہ خدا و نبیؐ و امامؑ کو مانتے ہیں اور ان کے احکام سے نافرمانی کرتے ہیں۔ میں اس میں سے ضمنی طور پر ایک سبب کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں اور اس کے بعد رفتہ رفتہ اگلی راتوں کی مجلسوں میں بھی میں آپ کے سامنے مسائل پیش کروں گا۔

عزیزانِ گرامی!

سچی بات کا، حقیقت کا اقرار کرنا ہی نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ مثال کے طور پر میں اپنے بچوں کو سمجھانے کے لئے کہنا چاہتا ہوں۔ بڑے تو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ یہاں ایک ایسے دروازے سے نکل رہے ہیں، جو نیچا ہے اور ہمارا قد اس سے اونچا ہے۔ لازمی طور پر ہم پہلی مرتبہ بے خیالی میں نکل گئے تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ ہمارا سر ٹکرائے گا دیوار کو چوٹ نہیں لگے گی۔

چوٹ ہمارے سر کو لگے گی۔ لیکن ہم نے اس کے بعد اس بات کو یاد کرلیا کہ یہ غلطی ہماری تھی کہ ہم نے فیصلہ کرنے میں غلطی کی تھی کہ یہ طے نہیں کیا کہ یہ دروازہ نیچا ہے اور ہمارا سر اونچا ہے تو ہم کو سر جھکا کر نکلنا چاہیے۔ تو جب تک ہم اس حقیقت کا اعتراف نہیں کریں گے لازمی طور پر ہم اسے یاد نہیں رکھیں گے، چلنے سے پہلے یاد کرکے اس پر عمل نہیں کریں گے تو ہمارا سر ٹکراتا رہے گا، چوٹ لگتی رہے گی، سر پھوٹتا رہے گا ـــــــ تو سچائی اور حقیقت یہی ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم کریں کہ یہ اونچا ہونے والا نہیں ہے، ہم کو سر جھکا کر نکلنا ہے، تاکہ ہمارا سر محفوظ رہے ــ لیکن اگر ہم حقیقت کو چھپانا چاہتے ہیں کہ نہیں دیوار کی غلطی ہے ہماری نہیں ہے تو بحثیں ہو سکیں گی ــ بحثیں تو ہو سکیں گی، سیمینار بھی اس پر ہو جائیں گے لیکن سر ہمارا ہی پھوٹتا رہے گا، دیوار کو کوئی صدمہ نہیں پہنچے گا۔

بس! اس دردمندانہ گذارش کے بعد ایک حقیقت ہے جس کا اعلان کرنا چاہتا ہوں، جو تذکرہ کرنا چاہتا ہوں ــ اور ہمیشہ آپ یاد رکھیں کہ میری جب کبھی گفتگو ہوگی تو آپ سے پہلے ہر غلطی میں میں اپنے نام کو شامل کرکے بات کرتا ہوں تاکہ کسی کو ناگواری نہ محسوس ہو۔ میں نے آپ کے سامنے برسرِ منبر یہ بات کہی ہے کہ میں آپ سے زیادہ گنہ گار ہوں۔ آپ سے زیادہ حقیر ہوں، لیکن میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ آپ کے لئے بھی راستہ نکل آئے جس کے ذریعے میرے لیے بھی راستہ نکل آئے۔ ہم بھی آگ سے بچ جائیں اور آپ بھی آگ سے بچ جائیں۔ یہ دردمندانہ گذارش ہے جو میں پیش کررہا ہوں۔

اب سُنئے ان اسباب میں سے ایک سبب کا تذکرہ کر رہا ہوں جس کی وجہ سے ہم خدا و نبیؐ و امامؑ کو مانتے ہیں اور ان کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں۔

صلوات

بصدِ ادب اگر کسی کے دل کو ٹھیس پہونچ جائے تو اس کی معذرت چاہتا ہوں کہ ہم خدا کو مانتے ہیں، نبیؐ کو مانتے ہیں، ائمۂ معصومینؑ کو مانتے ہیں، قرآن کو مانتے ہیں، اسلام کو مانتے ہیں مگر اس کی باتوں پر عمل نہیں کرتے ہیں۔

کون سے وہ اسباب ہیں؟ ایک سبب میں آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ایک سبب ہے کہ ہم مسلمان ہیں، مگر نسلی مسلمان ہیں اصلی مسلمان نہیں ہیں ــــــ! سبب یہی ہے۔ ہم مسلمان ہیں ــ ہم مومن ہیں ــ ہم شیعہ اثنا عشری ہیں ــــ ہم حسینی ہیں ــ ہم عزادار ہیں ــ ہم محبِ اہلِ بیتؑ ہیں ــــ مگر ہم جو کچھ بھی ہیں، نسلی ہیں اصلی نہیں ہیں۔!!

ہر آدمی کو مجھ سے پوچھنے کا حق ہے۔ اگر میں نے بات کہی ہے تو جواب دینا میرا فرض ہے کہ میں کیوں کہتا ہوں کہ ہم اصلی نہیں ہیں ــ آیئے! سامنے ہی کی ایک مثال سے گفتگو شروع کروں، شاید بات آسان ہو جائے۔ کوئی بہت دن کی بات نہیں ہے۔ دس ذی الحجہ کو عیدالاضحیٰ کو کوئی بہت دن نہیں گزرے ہیں۔ یہاں جتنے بھی حضرات تشریف فرما ہیں، ان سے میں ایک سوال کروں کہ ــــ رمضان کے بعد والی، یا ذی الحجہ کی دس تاریخ کو جو عید آئی تھی اس عید کو کتنے آدمی ہم میں سے ایسے ہیں جنھوں نے نمازِ عید نہیں پڑھی۔ اگر میں اپنے محترم سامعین کے سامنے یہ سوال رکھوں کہ ہم میں سے کتنے آدمیوں نے عید اور بقرعید کی نماز نہیں پڑھی تو ہم میں سے اکثر آدمیوں کا جواب ہوگا کہ ہم میں سے اکثریت ہے جس نے نمازِ عید پڑھی ہے۔ شاید ہی کوئی رہ گیا ہو ایسا بدنصیب مسلمان جس نے عید اور بقرعید کی نماز پڑھی ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم کہیں چلے جائیں، کسی سوسائٹی میں چلے جائیں، کسی معاشرہ میں چلے جائیں۔ ہمارا بھائی، ہماری بہن، ہماری بیٹیاں ــ یہ جس ماحول میں زندگی بسر کر رہی ہیں ــ کسی ماحول میں ہم

جاکر پوچھیں نمازعید کتنے آدمیوں نے پڑھی تو جواب ملے گا ۹۵ فیصد آدمیوں نے نمازِ عید پڑھی، ۹۹ فیصدی آدمیوں نے نمازعید پڑھی، صد فیصد لوگوں نے نماز پڑھی۔

دست بستہ گذارش ہے۔ ٹھنڈے دل و دماغ سے سنیئے اور سوچئے کہ ہم نے ـــ ۹۵ فیصدی ـــ ۹۹ فیصدی لوگوں نے عید کی نماز پڑھی ـــ لیکن اسی عید میں، یہ ۹۵ فیصدی نماز پڑھنے والوں نے صبح کی نماز پڑھی کہ نہیں پڑھی۔ اگر ہم اوسط نکالیں کہ جنھوں نے نمازِ عید پڑھی تھی ان میں سے کتنے آدمیوں نے نمازِ صبح پڑھی تھی تو جواب آئے گا دس فیصدی لوگوں نے نماز صبح پڑھی تھی اور ۹۵ فیصدی نے نماز عید پڑھی۔

میں نے سوال کو اور ذرا آگے بڑھا دیا کہ نماز ظہرین کتنے آدمیوں نے پڑھی تھی؟

کہا: جتنے لوگوں نے نماز صبح پڑھی تھی اتنے ہی نے ظہرین پڑھی تھی۔

مغرب تک کتنا مجمع رہا؟ کہا جتنا کل مجمع مغرب میں تھا اتنا ہی آج کی مغرب میں مجمع رہا ـــ وہ تو عید کا وقت تھا جو گزر گیا ـــ تو اب میں کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ اگر ہم نے عید کے دن، بقرعید کے دن نماز پڑھی اللہ کے لئے تو اللہ تو دوسرے دن صبح تک بھی تھا، ظہرین میں بھی تھا، اسی دن مغرب میں بھی تھا، عید سے پہلے بھی تھا عید کے بعد بھی تھا ـــ تو اگر ہم اللہ کے لیے نماز پڑھ رہے ہیں تو ہم کو روز پڑھنا چاہیے تھی، لیکن ہم نے عید اور بقرعید کے دن نماز پڑھی اور اسی روز ظہرین اور مغربین کی نماز نہیں پڑھی ـــ اس لئے کہ جو اصلی مسلمان ہے وہ خدا کیلئے صبح کی بھی پڑھے گا، ظہر کی بھی پڑھے گا، مغرب کی بھی پڑھے گا ـــ روز پڑھے گا، سال بھر پڑھے گا، ہر مہینے پڑھے گا۔

لیکن ـــ ہماری مسجد میں ساری نمازیں نہیں پڑھی جاتیں۔ ہماری مسجد میں تو نمازِ عید پڑھی جاتی ہے ـــ تو جو نسلی نماز تھی وہ ہم نے پڑھ لی جو اصلی نماز تھی

وہ نہیں پڑھی۔

میں نے ایک نمونہ آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اسی ایک نمونہ کے بعد اسی ایک سے ایک لاکھ، ایک کروڑ نکالیں ـــ اپنی زندگی میں سے ہم اور آپ تلاش کر سکتے ہیں۔ جو اس بات کا ثبوت بنے گی، کہ ہم نسلی مسلمان ہیں اصلی مسلمان نہیں ہیں۔ یعنی میں اپنے اس جملے کی تشریح کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس اتنا ہی اسلام ہے جتنا اسلام ہم کو ماں باپ سے ملا ہے ـــ جتنا اسلام ہم کو خاندان سے ملا ہے ـــ جتنا اسلام ہم کو اپنی نسل سے ملا ہے ـــ وہ اسلام ہمارے پاس نہیں ہے جو خدا نے بھیجا ہے ـــ وہ اسلام ہمارے پاس نہیں ہے جو نبیؐ لے کر آئے تھے۔ وہ اسلام ہمارے پاس نہیں ہے جسے سر دے کر علیؑ نے بچایا تھا ـــ وہ اسلام ہمارے پاس نہیں ہے جس کے لئے فاطمہؑ کا پہلو زخمی ہوا تھا ـــ وہ اسلام ہمارے پاس نہیں ہے جس کے لئے حسنؑ کے جگر کے ٹکڑے ہوئے تھے ـــ وہ اسلام ہمارے پاس نہیں ہے جس کے لئے حسینؑ نے کربلا کے میدان میں اپنے دل کے ٹکڑوں کو قربان کر دیا تھا ـــ وہ اسلام ہمارے پاس نہیں ہے جس کے لئے نسلِ امامت نے قید خانوں میں زندگی بسر کی تھی ـــ وہ اسلام ہمارے پاس نہیں ہے جس کی حفاظت کے لئے آج بھی وارثِ ائمہؑ وارثِ نبیؐ، وارثِ فاطمہؑ پردۂ غیبت میں موجود ہے ـــ ہم تو صرف اتنا اسلام مانتے ہیں جو ہمارے بزرگوں سے، ہمارے والدین سے ہمارے خاندان والوں سے ہم کو ملا ہے ـــ تو اگر ہمارے پاس اتنا ہی اسلام ہے جتنا بزرگوں سے ملا ہے تو ہم نسلی مسلمان ہیں ـــ اور اگر ہمارے پاس وہ اسلام ہے جسے خدا نے بھیجا تھا، جسے نبیؐ نے پیش کیا تھا، جسے ائمہ معصومینؑ نے بچایا ہے تو ہم اصلی مسلمان ہیں۔ صلوات!

میں اپنی بات کی اور زیادہ وضاحت کے لیے صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ شاہ کے زمانے میں جو ایران تھا اس وقت بھی وہاں شیعہ ہی پائے جاتے تھے اثنا عشری ہی پائے جاتے تھے، مسلمان ہی پائے جاتے تھے، عزادار ہی پائے جاتے تھے، کوئی دوسرا نہیں پایا جاتا تھا، لیکن ـــــ اسلامی انقلاب کے بعد آج جو ایران میں پائے جاتے ہیں وہی لوگ ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شاہ کے زمانے میں جو شیعہ اور محبِّ اہلِ بیت علیہم السلام پائے جاتے تھے وہ نسلی تھے اور یہ جو بعدِ انقلاب پائے جا رہے ہیں یہ اصلی ہیں۔ نسلی وہ تھے جو ہر ظلم پر خاموش رہ جاتے تھے ـــــ نسلی وہ تھے جو ہر ظلم میں حصّہ لے سکتے تھے، ان کو تو یہ دیکھنا تھا کہ تنخواہ کس بات پر ملنے والی ہے ـــــ! اور اصلی وہ ہے جو یہ دیکھتا ہے کہ جان چلی جائے تو چلی جائے مگر نافرمانی پروردگارِ عالم نہ ہونے پائے۔ میں آپ کی خدمت میں اسی مسئلہ پر مزید توجہ حاصل کرتے ہوئے بطورِ تمثیل و مثال ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں ہم تو لکھنؤ کے رہنے والے ہیں ـــــ وہ لکھنؤ جس کے لیے بڑی شدّت کے ساتھ مشہور رہا ہے وہ مرکز رہا ہے ہمارے مذہب کا۔ جب میں نے اس لکھنؤ کو دیکھا تو مجھے یہی محسوس ہوا کہ یہ نسلی مذہب کا مرکز رہا ہے اصلی مذہب کا مرکز نہیں رہا ہے۔ ایک نوجوان دکھائی دیا، اس کے ہاتھ میں دس روپے کا نوٹ دکھائی دیا۔

عزیزانِ گرامی! ابھی آپ مجھے کم جانتے ہیں رفتہ رفتہ آپ ـــــ مجھے جان جائیں گے۔ میں ایک ادارہ چلاتا ہوں "تنظیم المکاتب" ـــــ آج اس کا دس لاکھ کا بجٹ ـــــ ہے ـــــ اس نوجوان کے ہاتھ میں جب ہم نے ایک نوٹ دیکھا تو اس کے قریب گئے۔ اس لیے کہ اس کے ہاتھ میں نوٹ تھا، میرے ہاتھ میں رسید بُک تھی۔

ہم نے پوچھا: "آپ کس کی تلاش میں ٹہل رہے ہیں یہ روپیہ لیے ہوئے؟"

اس نے کہا: مولوی صاحب آپ کو معلوم ہے ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوگیا۔ ہم نے کہا: انّا للّٰہ!

اس نے کہا: ہماری ماں دن بھر مشین چلا کر کام کر کے فیملی کا خرچہ چلاتی ہیں۔

ہم نے کہا: یہ بھی معلوم ہے۔ کہا: انھوں نے زیادہ محنت کر کے، کم خرچ کر کے یہ نوٹ بچایا ہے۔ کہا: یہ بھی معلوم ہے۔ ہم تو یہ پوچھنے آئے ہیں کہ آج بقرعید کے دن تم یہ نوٹ لے کر کیوں ٹہل رہے ہو؟ تو اس نوجوان نے کہا: میری ماں نے کہا ہے کہ تمھارے والد کے زمانے میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے قربانی میں حصّہ نہیں لیا ہو۔ جب کبھی حالات اچھے تھے تو پورے جانور کی قربانی ہمارے دروازے پر ہوتی تھی، ایک بکرا ہم قربان کرتے تھے۔ لیکن جب سے حالات خراب ہوگئے ہیں تب سے کم از کم قربانی میں حصّہ لے لیتے ہیں۔ تو جاؤ جہاں کہیں قربانی نہ ہوئی ہو اگر تم کو وہاں کوئی حصّہ مل جائے تو یہ نوٹ دے دینا تاکہ جو قربانی ہمارے خاندان میں ہوتی آئی ہے وہ تمھارے باپ کے مرحوم ہو جانے کے بعد بند نہ ہو جائے۔

ہم اس بچّے اور نوجوان سے اور قریب ہو گئے۔ ہم نے کہا: تمھارے خاندان اور گھر میں ہمیشہ قربانی ہوتی رہی ہے؟ تو اس نے کہا: میں نے بچپنے سے دیکھا کہ قربانی ہوتی آئی اور اللہ کا شکر ہے ابھی تک کوئی بقرعید ایسی نہیں گزری ہے کہ ہم نے قربانی نہ کی ہو۔

ہم نے کہا کہ تمھارے خاندان میں، تمھارے گھر میں خمس بھی نکلتا ہے یا نہیں؟ تو اس نوجوان نے ہمیں اس نظر سے دیکھا کہ جیسے ہم کسی دوسرے مذہب کی بات کر رہے ہوں اس نے پوچھا کہ یہ خمس کیا ہوتا ہے؟ ہم نے کہا کہ خمس یہ ہوتا ہے کہ جس دن آدمی پیدا ہوتا ہے اس کی عمر کا سال شروع ہو جاتا ہے۔ اور جس دن اللہ براہ راست

کسی انسان کو روزی دیتا ہے، روزی کمانے لگتا ہے اس دن سے اس کا مالی سال شروع ہوتا ہے۔ پیدا ہونے سے جیسے ہی عمر کا سال شروع ہوا، روزی کمانے کے دن سے مالی سال شروع ہوا۔ چنانچہ جب میری پیدائش کے دن سے پہلے والا دن آئے گا تو میری عمر کا ایک سال پورا ہو جائے گا۔ ویسے ہی روزی پانے والا۔ اس کا مالی سال اس دن سے شروع ہو جاتا ہے جس دن سے روزی پاتا ہے جب اس سال کا آخری دن آئے گا تو اس کے مالی سال کا آخری دن ہوگا۔ سال کے آخری دن کا جو کیش ہے ——— یا جو ایسا سامان ہے جس کے استعمال کرنے سے اس کی کوانٹٹی گھٹ جاتی ہے، کوالٹی نہیں، کوالٹی استعمال کرنے سے گھٹ جاتی ہے تو اس پر خمس نہیں ہوتا۔ جس چیز کی مقدار گھٹ جاتی ہے تو اس پر خمس واجب ہوتا ہے۔ پمفلٹ موجود ہے، آپ جاتے وقت لے جا سکتے ہیں اور پڑھ سکتے ہیں، مسائل کا اندازہ ہو جائے گا۔ تو ہم نے کہا کہ سال کے آخری دن جو بچے اس کا پانچواں حصّہ نکالنا خمس ہے اور خمس نکالنے کے بعد نوٹ کر کے رکھو۔ اگلے سال پھر جب حساب کرو تو جو اس سال کی رقم سے بڑھے گا اس پر خمس نکالنا ہوگا۔

کہا: مولوی صاحب! یہ خمس کیا واجب ہے؟

ہم نے کہا: ایسا واجب ہے، ایسا واجب ہے کہ قرآن مجید کے دسویں پارہ کی پہلی آیت میں اس کا تذکرہ ہے اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے اس آیت کی روشنی میں جو کچھ کہا ہے وہ یہ کہ جو بچے اس کا پانچواں حصّہ نکالو۔ یہ خمس ہے اس کا حقدار خدا ہے، دوسرے حقدار نبی ہیں، تیسرے حقدار امام ہیں، چوتھا حقدار وہ غریب ہے جو سید و سادات ہو، وہ یتیم ہے جو غریب ہو، وہ مسافر ہے جو غریب ہو گیا ہو سفر میں، ان کے حقوق ہیں اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے کہا ہے کہ اگر تم خمس کی ایک پائی نہیں نکالتے ہو تو گویا تم ہم اہل بیتؑ کا حق ہے جو چھین رہے ہو۔ معصومینؑ نے احادیث

میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی آدمی خمس کی ایک پائی نہیں نکالتا ہے اور کھاجاتا ہے تو وہ ایک پیسہ نہیں کھاتا ہے یہ آگ ہے جو اس کے پیٹ میں داخل ہو رہی ہے ــــ نبیؐ کا جانشین فرزندِ رسولؐ کہتا ہے: جو خمس نہیں نکالتا ہے کھاجاتا ہے، یہ آگ ہے جو اس کے پیٹ میں داخل ہو رہی ہے اور خداوندعالم آواز دے رہا ہے:

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا

"اے ایمان لانے والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ"

تو عزیزانِ گرامی! میں نے آپ کے سامنے بطورِ تمثیل و مثال یہ بات کہنا چاہی ہے کہ میں نے اس نوجوان کے سامنے یہ بات کہی تو اس نے کہا کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ وہ واجب ہے مگر ہمارے گھر میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ قربانی نہ ہوئی ہو اور خمس کبھی نکالا نہیں گیا ہے تو آپ کی رائے کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ تم جاؤ اور جاکر اپنی ماں کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ قربانی سُنّت ہے ــــ قربانی سنّت ہے اگر آدمی نہیں کرے گا تو کوئی گناہ نہیں ہوگا ــــ خمس واجب ہے اگر نہیں نکالا گیا تو گناہگار ہوگا ــــ لہٰذا تم جاکر اپنی ماں سے کہو کہ بجائے قربانی کرنے کے جو واجب خمس ہے وہ نکال دیں۔

بچّہ سمجھ گیا۔ ماں سے جاکر اس نے میری گذارش پیش کی اور پلٹ کر آیا۔ کہا: اماں آپ کو سلام کہتی ہیں اور کہلایا ہے کہ خمس تو ہمارے خاندان میں کبھی نہیں نکالا گیا مگر قربانی کبھی قضا نہیں ہوئی ہے تو ہمیں شک ہوتا ہے کہ اگر اس سال قربانی نہیں ہوئی تو پتہ نہیں کون سی آفت آجائے تو جب اللہ ہمیں اور پیسہ دے گا تو ہم خمس نکالیں گے اس وقت تو ہمیں قربانی ہی کر لینے دیجیے۔

ہم کون ہیں راستہ روکنے والے۔ صاحبِ مال اپنے مال کا حقدار ہے، ہر عمل کرنے والا اپنے عمل کا ذمّہ دار ہے۔ ہم راستے سے ہٹ گئے۔ مگر ہماری سوسائٹی

میں، ہمارے سماج میں، ہمارے معاشرے میں ـــ ایسی ایک نہیں، ایک لاکھ مثالیں ملیں گی جو سنّت اور مستحب کام ہیں ان کے نہ کرنے پر ہماری بہنیں ڈرتی ہیں ـــ ہماری بیٹیاں ڈرتی ہیں ـــ ہمارے بھائی ڈرتے ہیں ـــ پڑھے لکھے گریجویٹ لوگ ڈرتے ہیں کہ ہم نے یہ کام نہیں کیے جو کرتے آئے تھے کوئی بلا تو نازل نہیں ہوگی ـــ لیکن مجھے آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا ہے کہ جو سُنّت کام ہے، جو مستحب کام ہے اگر ہم وہ نہیں کرتے ہیں تو یقینی طور پر کوئی بلا نازل ہونے والی نہیں ہے، کوئی عذاب نازل ہونے والا نہیں ہے ـــ کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے ـــ لیکن اگر ہم نے واجبات کو ادا نہیں کیا تو قرآن مجید، احادیثِ پیغمبرؐ، احادیث ائمہ معصومینؑ اور ساری شریعتِ اسلامیہ کے جاننے والے علماء سب کا متفقہ بیان یہی ملے گا کہ اگر واجب کو ادا نہیں کیا تو پھر بلائیں نازل ہو سکتی ہیں۔

تو اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ جہاں بلاؤں کے نازل ہونے کا خطرہ ہے وہاں ہم مطمئن ہیں اور جہاں پر بلاؤں کے نازل نہ ہونے کا یقین ہے وہاں پر ہم پریشان ہیں اس لیے کہ اصلی اسلام ہمارے پاس نہیں ہے، نقلی اسلام ہمارے پاس ہے۔ صلواۃ ـــ میں آپ کے سامنے تذکرہ کو یہاں تک پیش کرکے آپ کو سوچنے کا موقع دینا چاہتا ہوں اور آپ مجھے اپنے مشوروں سے نوازیں کہ میں اپنے بیان میں اور کن چیزوں کا اضافہ کروں ـــ میں نے آپ کے سامنے جو کچھ اپنا راستہ معین کیا ہے بتادیا کہ ہم کو اور آپ کو ان دسؔ راتوں میں مل کر مشترکہ طور پر اس مقصد کو حاصل کرنا ہے کہ اگر ہم خدا کو مانتے ہیں تو حکم خدا بھی ماننے لگیں۔ نبیؐ کا کلمہ پڑھتے ہیں تو ان کے سامنے اپنی زندگی کو جھکا دیں ـــ اگر ائمہ معصومینؑ سے محبّت کرتے ہیں تو پھر ہماری جان، مال، اولاد سب ان کے راستے پر چلے ـــ! یہ وہ مقصد ہے جسے میں آپ کی مدد سے حاصل کرنا

چاہتا ہوں اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ہم سوچیں قرآن کے مطابق، ہم کہیں قرآن کے مطابق، ہم سنیں قرآن کے مطابق، ہم مانیں قرآن کے مطابق، ہم اقرار کریں قرآن کے مطابق، ہم انکار کریں قرآن کے مطابق ـــ یہ وہ بیان کی بنیاد ہے جو فاؤنڈیشن ہم نے اپنی تقریروں کا رکھنا چاہا ہے، رکھ دیا ہے۔ اب آپ اپنے مشوروں سے نوازیں اور آج میں اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں خدائے مہربان نے ہمیں آواز دی ہے:ـــ

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا ـــ "اے ایمان لانے والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ" تو اگر یہ قرآن کا بیان ہے تو نبی عربیؐ کا بیان بھی یہی ہے ـــ مولائے کائناتؑ کا بیان بھی یہی ہے ـــ معصومۂ کونینؑ کا بیان بھی یہی ہے ـــ ائمۂ معصومینؑ کا بیان بھی یہی ہے ـــ اور حد تو یہ ہے کہ قرآن مجید ہم سے اور آپ سے کہہ رہا ہے کہ: ایمان لانے والو! تمہارے اور تمہارے خاندان اور فیملی کے اردگرد آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ اپنے اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اور امام حسین علیہ السلام نے عاشور کے دن، جب تقریر کا کوئی موقع نہیں تھا، جب بات کہنے کی کوئی ہمت نہیں کر سکتا تھا ـــ اس ماحول میں، اس فضا میں، ان حالات میں آدمی کچھ کہنے کا تصوّر نہیں کر سکتا تھا ـــ وہاں تاریخ عصمت کے ایک عظیم سربراہ نے دشمن کے سامنے، جانی دشمن کے سامنے، خونی دشمن کے سامنے، وہ جو اپنے نیچر کو، اپنی فطرت کو، اپنے اسلام کو، اپنے تصوّرات کو برباد کر چکا تھا۔ ایسے انسان جو جانور ہو چکے تھے کیرکٹر اور کردار کے اعتبار سے ـــ ان کے سامنے فرزند رسولؐ ـــ جگر گوشۂ مولائے کائناتؑ ـــ معصومۂ کونینؑ کی گود کا پلا اور کھیلا، امام حسنؑ

کے ساتھ زندگی بسر کرنے والا ـــــ اکبرؑ کا باپ، قاسمؑ کا چچا، عباسؑ کا امام، زینبؑ کا بھائی ـــــ حسینؑ ابن علیؑ آئے اور کہا: تم اگر مجھے نہیں پہچانتے ہو تو میں پہچنوائے دیتا ہوں۔ تم میں وہ لوگ موجود ہیں جنھوں نے نبیؐ کو دیکھا ہے۔ تم میں وہ لوگ موجود ہیں جنھوں نے نبیؐ کی نگاہ کو دیکھا ہے۔ تم میں وہ لوگ موجود ہیں جنھوں نے نبیؐ کی زبان سے باتیں سُنی ہیں۔

سُنو! میں حسینؑ ابنِ علیؑ ہوں۔ میں فاطمہؑ کا فرزند ہوں۔ میرے علاوہ آج اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کوئی دوسرا نہیں جو فرزند رسُولؐ ہو، رسُول کا بیٹا ہو۔

میں وہ ہوں جس کے بارے میں میرے نانا نے کہا کہ یہ حسنؑ اور حسینؑ جنّت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ مجھے پہچانو۔ میرے بارے میں تمھارے نبیؐ نے کہا ہے: ان سے صلح مجھ سے صلح ہے، ان سے لڑائی مجھ سے لڑائی ہے۔ ان کا گوشت میرا گوشت ہے۔ ان کا خون میرا خون ہے ـــــ تو میں وہ حسینؑ تمھارے سامنے بول رہا ہوں ـــــ

میں حسینؑ کی تقریر کا خلاصہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس منزل تک لانا چاہتا ہوں جو میرے ہدف اور مقصد کے مطابق ہے۔ حسینؑ نے اپنے کو پہچنوایا۔ مجمع سُنتا رہا۔ کبھی حمزہؑ کے ذریعہ پہچنوایا، کبھی خدیجہؑ کے ذریعہ پہچنوایا، کبھی نبیؐ کے ذریعہ پہچنوایا، کبھی علیؑ کے ذریعہ پہچنوایا، کبھی جعفر طیارؑ کے ذریعہ پہچنوایا اور کبھی قرآن کے ذریعہ پہچنوایا ـــــ سارے تعارف مکمل کرنے کے بعد، پورے طور پر پہچنوانے کے بعد ایک مرتبہ حسینؑ نے کہا:

یہ بتاؤ تم مجھے قتل کیوں کرنے آئے ہو؟ یاد رکھو! میں حیدرِ کرارؑ کا بیٹا

ہوں، نہ میرا باپ موت سے ڈرا ہے نہ میں موت سے ڈرتا ہوں۔ لیکن میں تم سے پوچھنے آیا ہوں کہ تم دوزخ سے کیوں نہیں ڈرتے ہو ۔۔۔ میرے خون سے ہاتھ رنگنے کے بعد اپنے لیے دوزخ کیوں مول لے رہے ہو ۔۔۔؟

میں اپنی تقریر کے حصّوں کو پیش کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم نے آپ نے یہ دس دن شروع کیے ہیں اُس حسینؑ ابنِ علیؑ کے تذکرے کو سننے کے لیے جس نے کربلا کے میدان میں عاشور کے دن اپنے دشمن کے سامنے، حرملہ کے سامنے، شمرِ لعین کے سامنے، پسر سعد لعین کے سامنے، خولی لعین کے سامنے، سنان لعین کے سامنے ۔۔۔ اُن جانوروں کے سامنے جنھوں نے لاشوں پر گھوڑے دوڑائے ہیں ۔۔۔ اُن جانوروں کے سامنے جنھوں نے خیموں میں آگ لگائی ہے ۔۔۔ ان جانوروں کے سامنے جو ردتے بھی جاتے تھے اور لوٹتے بھی جاتے تھے، حسینؑ نے دردمندانہ اپیل کی ہے کہ تم کیوں دوزخ میں جانا چاہتے ہو؟ میرے قتل سے باز آؤ ۔۔۔ مجھے قتل کرنے کے بعد تمھارے لیے دوزخ کے علاوہ کوئی جگہ نہیں ہو گی ۔۔۔ تو حسینؑ کی آواز آج کربلا کے میدان سے عاشور کی صبح سے آج تک آ رہی ہے کہ میں تو اپنے دُشمن کو بھی دوزخ کی آگ سے بچانا چاہتا ہوں ۔۔۔ میں تو حرملہ و شمر و خولی کے لیے کوشش کر رہا ہوں کہ اگر یہ توبہ کر لیں تو میں ان کو دوزخ کی آگ سے بچا لوں!

تو سوچو! تم میرے حسینی ہو، تم میرے ماتم دار ہو، تم میرے چاہنے والے ہو، تم میرے عزادار ہو ۔۔۔ تمھارے لیے میرا دل کتنا غمگین ہو گا کہ تم میں سے کسی کو اگر خدا نخواستہ اُدھر جاتے دیکھوں جدھر دوزخ کی آگ ہے۔

ذرا سوچیے .... ذرا سوچیے اگر ناسمجھ بچہ آگ کے قریب ہونے لگے

تو ماں کتنی تڑپتی ہے، باپ کتنا بے چین ہوتا ہے۔؟ میں اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کے اپنے ہر حسینی بھائی سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آج حسینی عزاداروں کو جب نگاہِ حسینؑ دیکھ رہی ہے تو یہ نمازوں کو قضا کر کے، یہ روزوں کو ترک کر کے، یہ زکوٰۃ و خمس کو نہ نکال کے، یہ کھانے پینے میں حلال و حرام کو چھوڑ کر کے، یہ کمانے میں حلال و حرام کو چھوڑ کر کے دوزخ کی آگ کی طرف جا رہے ہیں تو باپ کیا بے چین ہوگا اولاد کے لیے، جتنے حسینؑ بے چین ہوں گے اپنے عزاداروں کے لیے۔

میرے پاس اب کچھ نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں تصور میں ڈوب جاؤں اور آپ کو بھی تصور میں ڈوبنے کی دعوت دوں۔ آنکھیں بند کیجئے تو کانوں میں آواز آ رہی ہے۔ حسینؑ کہہ رہے ہیں:

"میرے عزادارو! اپنے کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔"

زینبؑ کہہ رہی ہیں:

"میرے عزادارو! اپنے کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔"

اور حد یہ ہے کہ حسینؑ کے ہاتھوں پر ننھا سا بچہ گلے پر تیر کھانے سے پہلے آواز دے رہا ہے:

"دیکھو! میری قربانی فراموش نہ کرنا۔ ہم نے انسانوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے قربانیاں دی ہیں۔"

میں آپ کے سامنے اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم تصور میں ڈوب جائیں تو ہر شہید ہمیں آواز دے رہا ہے، ہر اسیر ہمیں آواز دے رہا ہے، ہر قیدی ہمیں آواز دے رہا ہے۔ ـــــ ان گلوں سے آوازیں آ رہی ہیں جو خنجروں سے کاٹے گئے۔ ـــــ ان گلوں سے آوازیں آ رہی ہیں جن پہ تیر مارے گئے ـــــ ان گلوں سے

آوازیں آرہی ہیں جن کو طوقِ خاردار پہنائے گئے ـــــ اُن گلوں سے آوازیں آرہی ہیں جو باپ پر رونا چاہتے تھے تو تازیانے مار کر انھیں چُپ ہونے پر مجبور کر دیا جاتا تھا۔

بس! اگر میری اپیل میں، میری دردمندانہ گذارش میں کوئی جان نہیں ہے تو خدا کے واسطے، محبت حسینؑ کا واسطہ کہ اس دردمندانہ آواز پر ہم کو توجہ کرنا چاہیئے جو ہر شہید کی آواز ہے، جو ہر قیدی کی آواز ہے۔

میں نے آج کے بیان کو مکمل کر دیا، آج کی گذارشوں کو مکمل کر دیا۔ کل مَیں حسبِ توفیق آپ کی خدمت کروں گا۔ آج مجھے اتنا کہنا ہے کہ ہم آپ آج کی رات یہاں کیوں جمع ہو گئے ہیں؟ اس لیے جمع ہوئے ہیں کہ محرم کا چاند نکلا ہے....

بس دو چار منٹ آپ کے اور چاہتا ہوں تاکہ غم و ماتم، ذکرِ مصائب کا حق بھی ادا ہو جائے ـــــ آیئے! دو تین چھوٹے چھوٹے تصوّر ہیں جو میں آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں:

یہ محرّم کا چاند نکلتا آیا ہے ـــــ یہ محرّم کا چاند ہر سال نکلتا رہے گا۔ لیکن اگر آپ متوجہ ہوں تو میں اپنی ہر بیٹی سے، اپنی ہر بہن سے، اپنے ہر بچّے سے، اپنے ہر ساتھی سے، اپنے ہر بزرگ سے کہنا چاہتا ہوں کہ کبھی یہ محرم کا چاند نکلا تھا جب سن چار ہجری میں شعبان کو حسینؑ پیدا ہو چکے تھے۔ تو ۵ ہجری کا محرّم کا چاند نکلا تو میرا تصوّر کہتا ہے کہ کبھی گود میں فاطمہ زہراؑ نے حسینؑ کو دیکھا ہوگا اور کبھی آسمان پر نکلے ہوئے چاند کو دیکھا ہوگا ـــــ اے میرے چاند! اے میرے چاند! یہ چاند وہ ہے جس چاند کے نکلنے کے بعد سن اکسٹھ ہجری میں تو گہنا جائے گا۔

اب میں آپ کی خدمت میں عرض نہیں کر سکتا ہوں کہ جیسے جیسے ہر سال محرم کا چاند نکلتا ہوگا، کس نگاہ سے فاطمہؑ اپنے چاند کو اور آسمان پر نکلنے والے چاند کو

دیکھتی رہی ہوں گی۔ علیؑ نے اس تصوّر سے دیکھا ہوگا۔ کبھی حسنؑ نے اس تصوّر سے دیکھا ہوگا۔

آپ کو تصوّرات کے اور قریب کرنا چاہتا ہوں اور اس مرحلے پر لے آنا چاہتا ہوں کہ حسینؑ مدینہ چھوڑ چکے ہیں ــــ قافلہ مکّہ چھوڑ چکا ہے ــــ قافلہ کوفہ کے لیے روانہ ہو چکا ہے ــــ قافلہ کا راستہ روکنے کے لیے حُر ایک ہزار کا لشکر لے کے آ چکے ہیں ــــ قافلہ کا رُخ موڑا جا چکا ہے ــــ اب حسینؑ کوفہ جا رہے ہیں نہ مکّہ جا رہے ہیں، ایک درمیان کے راستے پر جا رہے ہیں اور ابھی کربلا پہونچنے میں دو دن باقی ہیں کہ یہ چاند نکلا۔

جب یہ چاند نکلا تو میرا تصوّر یہ کہتا ہے کہ حسینؑ نے چاند کو دیکھ کے اصغرؑ کو دیکھا ہوگا ــــ حسینؑ نے چاند دیکھ کے اکبرؑ کو دیکھا ہوگا ــــ حُسینؑ نے چاند کو دیکھ کے عبّاسؑ کو دیکھا ہوگا ــــ اور یہی ایک تصوّر نہیں ہے۔

زینبؑ بھی دیکھ رہی ہوں گی ــــ شہدا بھی دیکھ رہے ہوں گے۔ لیکن ایک سال کے بعد جب یہ محرم کا چاند نکلا ــــ تو اگر آپ واقعات کی چھان بین کریں گے تو محرّم کا یہ چاند شاید تب بھی نکلا تھا جب زینبؑ شام کے قید خانے میں تھیں۔

بس یہ آخری تصوّر ہے جس کو پیش کر کے میں اپنے تذکرے کو تمام کرنا چاہتا ہوں۔ جب پہونچنے سے پہلے یہ چاند دیکھا گیا تھا تو ربابؑ نے دیکھا تھا، مگر اصغرؑ کو گود میں لے کے دیکھا تھا ــــ رقیّہؑ نے دیکھا تھا مگر سکینہؑ کو پہلو میں بٹھا کر دیکھا تھا ــــ زینبؑ نے دیکھا تھا مگر حسینؑ کا چہرہ دیکھ کے دیکھا تھا ــــ حسینؑ نے دیکھا تھا مگر عبّاسؑ کو برابر کھڑا کر کے دیکھا تھا ــــ لیکن زینبؑ نے

جب زندانِ شام میں یہ چاند دیکھا تو اب نہ عباسؑ تھے، نہ اکبرؑ تھے، نہ حسینؑ تھے بس چاند دیکھنے والوں میں کون تھا؟ چاند دیکھنے والوں میں ایک بیمار تھا جس نے چاند دیکھ کے اپنی پھوپھی کی طرف دیکھا ہوگا:

"پھوپھی اماں! یہ وہی چاند نکلا ہے جو میرے بابا نے راستے میں دیکھا تھا" اور شاید زینبؑ نے بڑھ کے کلیجے سے اپنے چاند کو لگا لیا ہو۔

"اے میرے بیٹے! اب اس چاند کا تذکرہ نہ کرو۔ وہ چاند نکل چکا جو میرے بھائی نے دیکھا تھا، وہ چاند نکل چکا جو میرے شہیدوں نے دیکھا تھا۔ اب قید خانے میں ہمارے چاند ڈوبتے جا رہے ہیں۔ ابھی تھوڑے دن پہلے ہم نے ایک ننھی سی میت کو دفنایا ہے۔

سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

مجلس

۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا

صلوات

کل میں نے آپ کے سامنے سورۂ تحریم کی چھٹی آیت کے ابتدائی فقرے کی تلاوت کی۔ اس فقرے میں پروردگار عالم نے ہر مومن سے، ہر ایمان لانے والے سے یہ فرمایا ہے کہ تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ کون سی دوزخ کی آگ — "وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" — اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے — عَلَیْهَا مَلٰٓىٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ اُس آگ سے بچاؤ اپنے کو، اپنے بال بچوں کو۔ بچاؤ جس پر اللہ نے سخت مزاج ملائکہ کو معین کیا ہے — لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ یہ وہ ملائکہ ہیں جو حکم خدا کی تعمیل کریں گے، حکم خدا کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

جو حضرات کل کی مجلس میں تشریف فرما تھے انھیں یہ بات یاد ہوگی کہ میں نے یہ گزارش کی تھی کہ مسائل بہت سے ہیں۔ جن چیزوں کے بیان کرنے کی ضرورت ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تو سارے مسائل اِن دس راتوں میں طے نہیں ہو سکتے ہیں۔

لہٰذا میں نے اپنے لیے اس بات کا انتخاب کیا کہ ہم اور آپ مل کے ان دس راتوں میں یہ کوشش کریں کہ ہماری زندگی میں جو عملی تضاد پیدا ہوگیا ہے کہ ہم خدا پر بھی ایمان رکھتے ہیں، نبی پر بھی یقین رکھتے ہیں، اہلِ بیت ائمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بے پناہ محبت بھی کرتے ہیں ـــــ اس کے بعد :

خدا کی نافرمانی کرتے ہیں اور خوفزدہ بھی نہیں ہوتے ہیں۔

نبیؐ کی نافرمانی کرتے ہیں اور شرمندہ بھی نہیں ہوتے۔

ائمہ معصومین کی نافرمانی کرتے ہیں اور وہ غم و رنج و افسوس نہیں ہوتا ہے۔

تو ہماری زندگی میں یہ عملی تضاد کیوں پیدا ہوگیا ہے۔ ہم اس کے اسباب کو ڈھونڈھیں، ہم ریسرچ کریں، تحقیق کریں، جائزہ لیں ـــــ یعنی حساب کریں کہ یہ تضاد کیوں پیدا ہوا ہے اور اس کے بعد اس کا علاج تجویز کریں کہ یہ ہماری زندگی میں جو عملی تضاد پیدا ہوا ہے اس کو کیسے دُور کیا جائے۔

میں نے اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے قرآن مجید کی اس آیۂ کریمہ کو اپنا سرنامۂ کلام قرار دیا ہے جس میں پروردگارِ عالم ہم سے یہ کہتا ہے کہ ایمان لانے والو اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو، متعلقین کو، اپنی فیملی کو اس آگ سے اور دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

میں نے کل آپ کے سامنے یہ بھی کہا تھا کہ جن اسباب نے ہماری زندگی میں یہ فرق پیدا کر دیا ہے کہ ہم خدا و نبیؐ و امامؑ کے ماننے والے بھی ہیں اور ان کے آرڈرس ان کے احکام سے سرتابی کرنے والے اور چھوڑنے والے بھی ہیں۔ اس کا ایک سبب کل میں نے بیان کیا تھا کہ اصل میں ہم نے مذہب کو نہیں حاصل کیا ہے جو خدا نے بھیجا تھا وہ مذہب نہیں حاصل کیا ہے جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہونچایا تھا

ہم نے وہ مذہب حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی ہے جسے ہمارے ائمہ معصومینؑ نے اپنے پاک و پاکیزہ خون سے بچایا تھا۔ ہم نے اس مذہب کا صرف اتنا سا پارٹ، اتنا سا حصہ حاصل کیا ہے جو ہم کو اپنے والدین سے مل گیا ہے، اپنی نسل سے مل گیا ہے، اپنے خاندان سے مل گیا ہے اس لیے میں نے کہا تھا کہ ہماری بالکل صحیح اور سچی حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک ہم اصلی مسلمان نہیں بنے ہیں، اصلی مومن نہیں بنے ہیں، اصلی شیعہ نہیں بنے ہیں، اصلی محب اہل بیتؑ نہیں بنے ہیں، اصلی عزادار حسینؑ نہیں بنے ہیں ــــ ابھی ہم جو کچھ بھی ہیں سب نسلی ہیں۔ مسلمان ہیں تو نسلی ہیں، شیعہ ہیں تو نسلی ہیں، مومن ہیں تو نسلی ہیں، عزادار ہیں تو نسلی ہیں ــــ یعنی جو خدا نے دیا ہے اس کو ہم نہیں مان رہے ہیں۔ خدا کی دی ہوئی وہ چیزیں جو ہم کو اپنی نسل سے مل گئیں ہم اسی پر قناعت کر رہے ہیں۔

یہ ایک سبب تھا کل جس کا میں نے آپ کے سامنے تذکرہ کیا تھا، آج بھی اسی قسم کے ایک سبب کا آپ کے سامنے تذکرہ کرنا چاہوں گا ــــ لیکن آپ جتنا مجھ سے سُننے جائیں سارے اسباب کا ایک خلاصہ نکلے گا کہ ہم نے دنیا کی ہر چیز کو جاننا بہتر سمجھا ہے، ہم نے ہر چیز کا جاننا ضروری سمجھا ہے لیکن اگر ہم نہیں جاننا چاہتے ہیں تو دین کو نہیں جاننا چاہتے ہیں۔ شریعت کو نہیں جاننا چاہتے ہیں۔ آج ہم دُنیا کے کسی حصے میں رہتے ہیں دنیا کے ہر حصہ کی جغرافیائی حیثیت معلوم کرنا چاہتے ہیں، جو ہزاروں سال پہلے گزر گئے ہیں ان کی ہسٹری پڑھنا چاہتے ہیں۔ زمین کے سینے میں کتنے راز دفن ہیں، سائنس کے ذریعہ اس کے سینے کو چیر کے ہم راز معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ سمندر کی تہوں میں کیا کیا چیزیں چھپی ہوئی ہیں ہم انھیں جاننا چاہتے ہیں، فضا اور ہوا میں، سیاروں اور ستاروں میں کیا کیا چیزیں پوشیدہ ہیں؟ ان کے جاننے

کے لیے ہم بے چین ہیں۔ لیکن مذہب نے ہم پر کیا واجب قرار دیا ہے؟ مذہب نے ہمارے لیے کیا حرام قرار دیا ہے؟ مذہب نے کیا چیزیں ہم پر واجب قرار دی ہیں: جن کا ادا کرنا ضروری ہے، جن سے بچنا ضروری ہے، جن کے کرنے کے بعد ہم دوزخ کی آگ کا شکار ہو جائیں گے ـــــ یہ وہ علم ہے جو نہ ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں، نہ اپنے بچوں کو ہم دینا چاہتے ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید آواز دے رہا ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا

اے ایمان لانے والو! اگر ایمان لائے ہو تو ایمان لانے کے بعد مطمئن نہ ہو جانا کہ تم آگ سے محفوظ ہو گئے ہو۔ اگر ایمان لانے کے بعد تم آگ سے محفوظ ہو گئے ہوتے تو میں تم سے یہ کہتا ـــ خدا کہتا ہے کہ ـــ میں تم سے یہ کہتا کہ ایمان لانے والو! تم کو جنت مبارک ہو۔ ایمان لانے والو! تم کو دوزخ سے بچنا مبارک ہو! ایمان لانے والو! تم کو میری نعمتوں کا پانا مبارک ہو ـــــ لیکن جب خدائے قہار خدائے رحمٰن ہمارے سامنے آواز دے رہا ہے: ایمان لانے والو! تم ایمان لائے ہو لیکن ابھی آگ اور جہنم کا خطرہ تمہارے چاروں طرف منڈلا رہا ہے۔ اپنے کو بھی بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی بچاؤ۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔

تو ہم کو قرآن مجید کے اس بیان کے بعد اس یقین کو پورا پکّا اور مستحکم بنا دینا چاہیے کہ ہم ایمان لانے کے بعد بھی دوزخ کی آگ سے محفوظ نہیں ہوئے ہیں۔ اگر دوزخ کی آگ سے ہم محفوظ ہو گئے ہوتے تو خدا ہم سے نہ کہتا کہ اپنے کو اور اپنی فیملی کو آگ سے بچاؤ۔

میں آپ کی خدمت میں ایک عجیب و غریب حقیقت عرض کرنا چاہتا ہوں اور آپ کی زیادہ سے زیادہ توجہ حاصل کرتے ہوئے عرض کرنا چاہتا ہوں ـــــ

عزیزانِ گرامی! ذرا سنیں اور سوچیں اس بات کو — ایک مرحلہ یہ ہوتا ہے، ایک اسٹیج یہ ہوتی ہے کہ میں اپنے کو مومن سمجھتا ہوں۔ لیکن میرا اپنے کو مومن سمجھنا اس میں کوئی انشورنس نہیں ہے، اس میں کوئی یقین نہیں ہے، اس میں کوئی ضمانت اور گارنٹی نہیں ہے کہ میں مومن ہوں!۔ اس لیے کہ زندگی میں ہمارے سامنے ایسے سینکڑوں ہزاروں واقعات موجود ہیں کہ ہم نے اپنے کو جیسا سمجھ لیا ہے ویسے ہم نہیں ہیں — ہم میں کتنے آدمی ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہم شاعر ہیں۔ مگر ان کی زبان سے الفاظ نہیں نکلتے ہیں — ہم میں سے کتنے آدمی ہیں جو اپنے کو بہادر سمجھتے ہیں لیکن جب میدانِ جنگ میں جاتے ہیں تب پتہ چلتا ہے کہ ہم بزدل ہیں، بودے ہیں، کمزور دل ہیں بہادر نہیں ہیں — ہم میں کتنے آدمی ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہم سخی ہیں، بہت کچھ بخشنے والے ہیں۔ لیکن جب لین دین کا موقع ہوتا ہے تو ہمارے سامنے یہ حقیقت آتی ہے کہ ہم بخیل ہیں، ہم کنجوس ہیں ہم سخی نہیں ہیں۔

تو دُنیا کے کتنے ایسے انسان ہیں جو اپنے بارے میں فریب کا شکار ہیں، غلط فہمی کا شکار ہیں۔ یعنی ہم جیسے نہیں ہیں ویسا اپنے کو سمجھ بیٹھے ہیں۔ تو اگر دنیا میں ایسا ہے کہ ہم بُزدل تھے ہم ڈرنے والے تھے تو ہم نے اپنے آپ کو بہادر سمجھ لیا۔ ہم بخیل تھے ہم نے اپنے آپ کو سخی سمجھ لیا، تو اس کے تو بہت امکانات ہیں، بڑی گنجائش ہے کہ ہم مومن نہ ہوں اور اپنے کو مومن سمجھ بیٹھیں تو ہم ہوں یا آپ ہوں، کسی آدمی کا اپنے بارے میں یہ یقین پیدا ہو جانا کہ ہم مومن ہیں، اس میں کوئی مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں ہے۔

دوسرا مرحلہ ہے وہ اس سے زیادہ توجہ کے قابل ہے کہ میں آپ کے سامنے آیا اور اتنے بڑے مجمع نے طے کیا کہ مولوی صاحب تو مومن ہیں۔ لیکن یاد رکھئے اگر آپ

سب لکھ کے بھی دے دیں کہ میں مومن ہوں تو آپ کے لکھنے کے بعد بھی میرا مومن ہونا یقینی نہیں ہے ۔ بُرا نہ مانیے گا ۔ اس دُنیا میں لوگوں نے کس کو کیا نہیں مان لیا ہے بندوں کو خدا مان لیا ہے ۔ جھوٹوں کو نبی مان لیا ہے ۔ قبضہ کرنے والوں کو ایمان دار مان لیا ہے ۔ بندوں کے بنائے ہوؤں کو خدا کا بھیجا ہوا مان لیا ہے ۔ تو دُنیا میں انسانوں نے کتنی غلطیاں کی ہیں ؟ اس کے بعد اگر ہم کسی کو مومن کہہ دیں تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ مومن ہو ۔ یعنی میں اپنے کو مومن سمجھوں، اس میں یقین نہیں ہے کہ میں مومن ہوں ۔ آپ مجھے مومن سمجھتے ہیں، اس میں یقین نہیں ہے کہ میں مومن ہوں ۔

لیکن ۔ عالم الغیب خدا ہر چیز کا گہرائیوں کا جاننے والا خدا، کائنات کی ساری چیزوں سے باخبر خدا ۔ جو حال، ماضی اور مستقبل ۔ گزرا ہوا زمانہ، آنے والا وقت اور آج کا وقت ۔ سب کو وہ جانتا ہے، وہ عالم الغیب خدا اگر کہتا ہے کہ ایمان لانے والو! تو جن سے خدا کہہ رہا ہے ایمان لانے والو ! جس وقت کہہ رہا ہے اس وقت وہ یقیناً مومن ہیں ۔ ان کے ایمان میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا ۔ اس لیے کہ انھوں نے اپنے کو مومن نہیں سمجھا ہے، ان کو سوسائٹی نے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں دیا ہے ۔ ان کو تو عالم الغیب خدا مومن کہہ رہا ہے ۔ گنجائش ہے کہ جس وقت خدا نے مومن کہا ہے اس وقت جو مومن ہیں وہ صبح کو مومن نہ رہیں، وہ کل مومن نہ رہیں وہ مرتے وقت مومن نہ رہیں لیکن جس وقت خدا نے ان سے مومن کہہ کے بات کی ہے، خطاب کیا ہے اس وقت وہ یقیناً مومن ہیں ۔

اب میں آپ کی خدمت میں مودّبانہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ جو خدائے عالم الغیب کی بارگاہ میں مومن ہیں خدا ان ہی صاحبانِ ایمان سے کہتا ہے کہ اپنے کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ ۔ اپنے کو اپنی فیملی کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ ۔ تو معلوم یہ ہوا کہ جو نگاہ خدا میں

سچے اور پکّے مومن ہیں، ان کے لیے بھی دوزخ کی آگ کا پکا خطرہ ہے۔ مومن کسے کہتے ہیں جو خدا کو مانتا ہے، جو نبیؐ کو مانتا ہے، جو ائمہ معصومینؑ کو مانتا ہے، جو قرآن کو مانتا ہے، جو شریعت کی ایک ایک بات کو مانتا ہے۔

مومن کسے کہتے ہیں۔ ایک جملہ یاد رکھیے گا۔ جو ہر اس چیز پر ایمان رکھتا ہے جسے حضور سرورِ کائنات محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کے آئے ہیں۔ ایسی ساری چیزوں کو، ایک ایک بات کو ماننے والا مومن ہے۔

پھر اس کے لیے آگ کا خطرہ کیوں ہے؟

ایمان تو صحیح ہے، عقیدے تو درست ہیں۔ پکّا یقین ہے پھر کیوں خطرہ ہے؟ معلوم ہوا خطرہ عمل کی بنیاد پر ہے۔ خطرہ عمل کی بنیاد پر ہے۔ میں آپ کی خدمت میں بطور مثال چند جملے کہنا چاہتا ہوں۔ یقین مانیے ہم خدا و نبیؐ و امامؑ پر پورا یقین، کامل ایمان رکھنے کے بعد جب کسی مومن کی بُرائی کرتے ہیں، غیبت کرتے ہیں تو آگ ہم سے قریب ہوتی ہے۔ جب ہم کسی آدمی کا دل دکھاتے ہیں آگ ہم سے قریب ہوتی ہے۔ جب ہم نمازوں کو قضا کرتے ہیں آگ ہم سے قریب ہوتی ہے۔ جب ہم نامحرم کو دیکھتے ہیں آگ ہم سے قریب ہوتی ہے۔ جب ہم نامحرم کے جسم کو چھوتے ہیں آگ ہم سے قریب ہوتی ہے۔ یہ سارے مواقع ہیں جہاں آگ ہم سے قریب ہوتی جارہی ہے۔ جب ماں باپ کو اولاد ایسی نگاہ سے دیکھتی ہے جو نگاہ غصّے والی ہوتی ہے تو ایسی اولاد سے دوزخ کی آگ قریب ہو جاتی ہے۔

ایک بات یاد آگئی ہے تو میں ایک جملہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اسلام نے ہم کو پابند بنایا ہے کہ پوری زندگی ماں باپ کو کبھی غصّے کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔ کڑی نگاہ سے نہ دیکھیں۔ کڑوی نگاہ سے نہ دیکھیں۔ اگر ہم نے کبھی ماں باپ کو ایسی نگاہ سے

دیکھا تو یہ جنتی نگاہ ماں باپ تک جاری ہے اتنا ہی آگ کے شعلے اور آگ ہم سے قریب ہوتے جارہے ہیں ــــ کہا: "دیکھو جب کبھی ماں باپ کو دیکھنا تو عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھنا" ــــ میں ایک چیز عرض کرنا چاہتا ہوں:

کتنا لطیف ہے یہ مذہب، کتنا شریف ہے یہ مذہب، کتنا انسانی زندگی کے لیے سامانِ راحت فراہم کرنے والا ہے یہ مذہب۔ اس کا ایک نمونہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں: دُنیا میں جب کوئی آدمی کسی سے کوئی چیز مانگتا ہے اور جس سے مانگتا ہے وہ مانگنے والے کو وہ چیز دیتا ہے تو لینے اور دینے کا طریقہ یہی ہے کہ دینے والے کا ہاتھ بلند ہوتا ہے اور لینے والے کا نیچے اور پست ہوتا ہے۔ لیکن مذہب نے کہا: اگر ماں باپ اولاد سے کوئی چیز مانگیں تو ــــ ذرا سننے کے قابل بات ہے ــــ اگر ماں باپ اولاد سے کوئی چیز مانگیں تو اولاد کا فریضہ ہے کہ وہ ماں باپ کے سامنے چیز اپنے ہاتھ پر رکھ کر کے پیش کرے تاکہ اس کے ہاتھ پر سے اُٹھالیں۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں ماں باپ کا ہاتھ نیچا ہو جائے اور اولاد کا ہاتھ اونچا ہو جائے ــ نہیں! اگر تم نے ہاتھ بڑھائے اور ہاتھ بلند ہو گئے تو تم میں چیز کے دینے اور بخشنے کا غرور پیدا ہو گا ــ نہیں! اپنے ہاتھ پر رکھ کر ان کے سامنے پیش کرو تاکہ تمھارے نفسیات اور خیالات میں یہ بات پیدا رہے کہ تم نے ان کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا ہے۔ یہ ان کا احسان ہے کہ انھوں نے نذرانہ اٹھا کے قبول کر لیا۔ صلوات

تو میں نے اب تک آپ کے سامنے جو کچھ کہنا چاہا اس کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ ایمان میں ثابت قدم ہونے کے بعد بھی آگ کا خطرہ ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ ہماری فیملی کے گرد گھوم رہا ہے تو صرف اعمال کی بنا پر، اعمال میں کچھ چیزیں ہوتی ہیں جن کی بنا پر دوزخ کی آگ ہم سے قریب ہوتی ہے۔ ایک کسی واجب کا

چھوٹ جانا اور دوسرے کسی حرام اور ناجائز کام کا ہو جانا ـــــ تو ہم اپنے کو اور اپنی فیملی کو دوزخ کی آگ سے نہیں بچا سکتے ہیں جب تک ہم دین کے بارے میں کم سے کم اتنا نہ جان لیں، اتنا نہ پڑھ لیں کہ ہم پر واجب کیا کیا ہے اور ہمارے لیے حرام کیا کیا ہے؟

میں آپ کے سامنے ایک بڑی عجیب و غریب بات کہنا چاہتا ہوں جو ہماری سوسائٹی کی مصیبتوں میں سے، سوسائٹی کی تکلیفوں میں سے عظیم تکلیف ہے۔ ہم اپنے بچے کو دنیا کی کوئی چیز بنانا چاہتے ہیں تو اس کے حوالے کرتے ہیں جو ایکسپرٹ ہوتا ہے۔ جہاں تک دنیا کا معاملہ ہے ہم اپنے بچے کو کچھ سکھانا چاہیں گے تو ایکسپرٹ کے حوالے کریں گے۔ لیکن بندہ پرور! عزیزانِ گرامی! میری بہنو! میری بیٹیو! میرے بچو! میرے بزرگو! یہ عجیب درد ہے دین کا جو میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ جب دین کا معاملہ آجاتا ہے تو ہم ہر بے پڑھے لکھے کے حوالے کر دیتے ہیں۔

میں آپ سے ایک چھوٹی سی بات پوچھنا چاہتا ہوں، ذرا مجھے آپ سوچ کے جواب دیں۔ آج اس پوری دنیا میں کوئی ایسا آدمی ہے جو مجھ سے یہ کہے کہ میں آپ کا لکچر کرانا چاہتا ہوں جغرافیہ کے اوپر ـــ اس پوری دنیا میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں ہے گا جو غلام عسکری کا لکچر جغرافیہ پر کرانے کے لیے تیار ہو جائے۔ اگر کوئی ایسا آدمی تیار ہو جائے تو لوگ کہیں گے یہ پاگل ہے سمجھدار نہیں ہے۔ جس نے جغرافیہ پڑھی نہیں اس کو جغرافیہ پر لکچر دینے کا کیا حق ہے؟ تو اگر کوئی میرا لکچر جغرافیہ پر کرائے تو وہ پاگل۔ اور اگر میں تیار ہو جاؤں تو میں پاگل۔ اور اگر کہیں سننے والے آجائیں تو یہ سب کے سب پاگل ـــ تو معلوم یہ ہوا کہ میں نے اگر جغرافیہ نہیں پڑھی ہے میں نے سوشیالوجی نہیں پڑھی ہے، میں نے اگر سائنس نہیں پڑھی۔ میں نے اگر ہسٹری نہیں پڑھی ہے تو مجھے اس پر لکچر دینے کا کوئی حق بالکل نہیں ہے۔

لیکن عزیزانِ گرامی! یہ کیسا درد ہے دین کے لیے؟ جنھوں نے دین کی تعلیم نہیں حاصل کی ہے، دین پر لیکچر دینے کے لیے تیار ہیں۔ ٹھیک ہے، وہاں تک بالکل درست ہے کہ وہ کسی سے پڑھ کے جتنا جانتے ہیں اتنا سُنا دیں۔ لیکن جنھوں نے علمِ دین نہیں حاصل کیا ہے اگر ہم نے ان سے حاصل کیا تو سوچیے جس کے پاس خود ہی دین نہیں ہے وہ دوسرے کو کہاں سے دے گا؟ جب دین کا معاملہ آتا ہے تو ہماری سُوسائٹی میں بوڑھی عورتیں تلاش کی جاتی ہیں۔ نانی سے پوچھ لو، دادی سے پوچھ لو، خالہ سے پوچھ لو۔ ایجوکیٹڈ آدمی بھی کہتے ہیں کہ ان بوڑھی عورتوں سے پوچھ لو یعنی دُنیا کا معاملہ آئے اور بوڑھی عورتیں کوئی رائے دیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہم کو ایکسپرٹ سے پوچھنا ہے اِن سے نہیں پوچھنا ہے۔ اور دین کا معاملہ آجائے تو ہم نہ جاننے والی بوڑھی عورتوں کے حوالے کردیں دین کو۔!؟

ذرا سوچیے کہ کیسا دین ہے ہمارا۔ یہ دین کے ساتھ ہماری کیسی محبّت ہے؟ اب اس کے بعد ہم دوزخ سے بچیں گے یا نہیں بچیں گے؟

اُس نے آواز دی:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا

اے مومنین، اے ایمان لانے والو! تم اپنے کو اور اپنی فیملی اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

تو میں آج آپ کی خدمت میں ایک جُملہ کہنا چاہتا ہوں جسے آپ سُن کے یاد رکھیں گے، میں دُہراتا رہوں گا ـــــ میں اپنے کو اور اپنی فیملی کو دوزخ کی آگ سے کسی قیمت پر نہیں بچا سکتا ہوں جب تک دو باتیں مجھے معلوم نہ ہو جائیں:

پہلی بات یہ معلوم ہو جائے کہ شریعت میں، اسلام میں، دین میں کتنی چیزیں

واجب ہیں۔ اور دوسری چیز یہ معلوم ہوجائے کہ اس شریعت اور دین میں کتنی چیزیں حرام ہیں۔ جب تک واجبات کی لسٹ ہم کو نہ یاد ہوجائے، جب تک حرام چیزوں کی فہرست ہمیں نہ معلوم ہوجائے تب تک نہ ہم سے دوزخ کی آگ چھوٹ سکتی ہے، نہ ہم دوزخ کی آگ سے بچ سکتے ہیں۔ تو میں اپنی بہنوں سے، اپنی بیٹیوں سے، اپنے بھائیوں سے، اپنے بچوں سے اور نوجوانوں سے، ان دونوں ہاتھوں کو جوڑ کے یہ دست بستہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ اس دُنیا میں سب سے بہترین محبّت یہی ہے کہ دین کو اتنا پڑھیں، ہم دین کو اتنا سمجھیں ہم دین کو اتنا سیکھیں، ہم دین کو اتنا بتلائیں کہ ہماری سوسائٹی کی ہر لڑکی کو، ہر لڑکے کو، ہر جوان کو، ہر بوڑھے کو یہ معلوم ہوجائے کہ واجب کیا کیا ہے اور حرام کیا کیا ہے۔ تب ہم دوزخ کی آگ سے بچ سکتے ہیں۔

ہاں ٹھیک ہے ـــــ کچھ کام بٹ جایا کرتے ہیں ـــــ کچھ کام علماء کریں گے کچھ کام ذاکر کریں گے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ سوسائٹی کے ہر آدمی کو دلچسپی لینا ہوگی۔ میں آپ کی خدمت میں ایک عجیب وغریب بات اور کہنا چاہتا ہوں۔ میں انڈیا کا رہنے والا ہوں وہیں کی مثال پیش کردوں گا۔ آپ اس مثال کو آسانی کے ساتھ سمجھ لیں گے مکان دو طرح کے بنوانے والے ہوتے ہیں، رہنے کے لیے اپنا گھر جب بنوانے کا وقت آتا ہے تو دو طرح کے لوگ بنواتے ہیں، ایک وہ ہوتے ہیں جو خود کھڑے ہوکر بنواتے ہیں، تو جو کھڑے ہوکے بنواتے ہیں ان کا مکان اور گھر مضبوط ہوتا ہے اور اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ دادا بنواتا ہے اور پوتا ـــــ یعنی بیٹے کا بیٹا اس میں رہتا ہے۔ اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو محنت سے بھاگتے ہیں، ان کے پاس نال تھوڑے سے پیسے ہوتے ہیں تو لوگ کسی کنٹریکٹر کو، ٹھیکیدار کو ٹھیکہ دے دیتے ہیں، کنٹریکٹ دے دیتے ہیں تم ہمارا مکان بنادو۔ مکان جب بن جاتا ہے یہ آرام کے ساتھ بیٹھے رہتے ہیں لیکن

مکان کا سارا نفع کنٹریکٹر لے جاتا ہے اور اینٹیں ہمارے پاس رہ جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تیسرے سال جو ذرا زیادہ پانی برستا ہے مکان زمین پر آجاتا ہے۔ تو معلوم ہوا جو خود بناتا ہے مکان، اس کا مکان مضبوط بنتا ہے اور جو ٹھیکیدار، کنٹریکٹر سے بنواتا ہے اس کا مکان کمزور بنتا ہے۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں اگر دین کا معاملہ ہے تو دین خود حاصل کیجیے، موذن کو کو اس کا کنٹریکٹر بنا کے ٹھیکہ نہ دے دیجئے اگر آپ ٹھیکے سے دین حاصل کریں گے تو جنت کی اینٹیں گر جائیں گی اور اگر دین خود حاصل کریں گے تو دادا بھی جنت میں جائے گا اور پوتا بھی جنت میں جائے گا ــ اس بات کی کوئی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے کہ ہم روٹی کمانے کے لیے محنت کر سکتے ہیں، ہم سردی سے بچنے کے لیے محنت کر سکتے ہیں، ہم بیماری سے بچنے کے لیے محنت کر سکتے ہیں ــ لیکن ہم دوزخ کی آگ سے بچنے کے لیے محنت نہیں کر سکتے۔؟ اس دُنیا کی آگ سے بچنے کے لیے اگر ہم ہزار جتن، ہزار تدبیریں کر سکتے ہیں تو دوزخ کی آگ سے بھی ہم کو بچنا پڑے گا۔

یہ دوزخ کی آگ ایمان کے بعد، عقیدے کے بعد کیونکر پیدا ہوتی ہے؟ میں اس کو آپ کے سامنے ایک واقعہ کے ذیل میں عرض کرنا چاہتا ہوں:

امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام چھٹے امام کی بزم میں لوگ بیٹھے ہیں، اس میں تذکرہ نکلا اس بات کا یہ دُعا پڑھی جائے یا یہ تسبیح پڑھی جائے تو خدا اس کے پڑھنے کے عوض میں اتنا ثواب دیتا ہے کہ اس کے اتنے ہزار باغ بنتے ہیں اور جنت میں اتنے گھر بنتے ہیں اور جنت میں اتنی حوریں پیدا ہوتی ہیں اور جنت میں اتنے خدمت کرنے والے غلمان پیدا ہوتے ہیں۔ تو بزمِ امامؑ میں جو لوگ بیٹھے تھے ان میں سے ایک آدمی نے کہا کہ مولاؑ! ہم تو اس تسبیح کو بہت مرتبہ پڑھ چکے ہیں ثواب تو جنت میں

بے شمار باغ ہوں گے، مکان ہی مکان ہوں گے، اتنے بہت سے گھر بن گئے ہوں گے کہ ہم ان میں رہ بھی نہ سکیں گے، اتنی حوریں اور غلمان خدمت کرنے والے پیدا ہو گئے ہوں گے کہ سب ہماری خدمت کر بھی نہ سکیں گے۔ تو مولا اتنا کچھ جنت میں بن چکا ہے آج سے اطمینان کے ساتھ نماز روزہ چھوڑ دیں، کام چلے گا یا نہیں ؟

مجھے یہ امید نہیں ہے کہ امامؑ کی بزم میں بیٹھنے والا اتنا ناسمجھ ہوگا۔ لیکن مجھے یہ امید ہے کہ امامؑ کی بزم میں بیٹھنے والا اتنا سمجھدار تھا کہ اس نے وہ بات پوچھی جو کئی سو سال کے بعد ہماری سوسائٹی میں ہونے والی تھی، اس نے ہم پر احسان کیا کہ امامؑ سے پوچھ کر جواب حوالے کر دیا ــــ تو یہ آج ہمارے درمیان جب کبھی مذہبی کتابیں کھلتی ہیں اس میں کسی عمل کا ثواب لکھا ہوتا ہے تو لوگ یہی کہتے ہیں کہ اتنے چھوٹے سے عمل سے یہ اتنا ثواب خدا دیتا ہے۔ دیکھئے یہ اللہ کی بات ہے تو وہاں تو ہم بحث بھی نہیں کر سکتے ثواب تو ملنا ہی ملنا ہے، یہاں کیا بحث ہے۔ لیکن کتنا ناشکرا ہے انسان ... کتنا ناشکرا ہے انسان کہ خدا کہتا ہے کہ تمہارے چھوٹے سے چھوٹے عمل پر ہم اتنا ثواب دینے کے لیے تیار رہیں۔ تو یہ انسان پوچھ گچھ کر رہا ہے کہ اتنے چھوٹے سے عمل پر اتنا ثواب کیسے مل جائے گا۔؟ ادھر سے جواب مل رہا ہے کہ عمل ہے تمہاری حیثیت سے، ثواب ہے میری حیثیت سے۔ تمہاری حیثیت چھوٹی ہے میری شان تو چھوٹی نہیں ہے تو تمہارا عمل تمہاری حیثیت سے پیش ہوا ہے میں ثواب دے رہا ہوں اپنی شانِ کرم کے اعتبار سے۔ صلوات !

تو میں آپ کی خدمت میں کچھ وہ سوال و جواب پیش کرنا چاہتا ہوں جو ایمان کے بعد، عقیدے کے بعد آگ کا خطرہ کیوں ہے؟ اسے بھی واضح کر دے گا اور یہ سوالات جو ہمارے درمیان سوسائٹی میں ہوتے رہتے ہیں ان کا جواب بھی ہمارے سامنے

آجائے گا جو چھٹے امام علیہ السلام نے دیا تھا۔

آپؑ نے فرمایا: "بے شک تم نے یہ تسبیح پڑھی ہے، تم نے یہ دعا پڑھی ہے تو بیشمار باغات اور مکانات تمھارے لیے تیار ہو چکے ہیں مگر ایک بات کا جواب دو۔"؟

کہا: فرمایئے مولا۔"

فرمایا: ہم نے تم کو ایک زمین دی۔ اونچی نیچی ایسی زمین جس میں کوئی چیز ڈال دی جائے تو جس میں کوئی درخت نکلے گا نہ گھاس نکلے گی، اور ہم نے کہا اس زمین میں باغ لگاؤ، گلشن لگاؤ — تو یہ بتاؤ کتنی محنت کرو گے۔ کتنے دن محنت کرو گے جو اس میں باغ تیار ہوگا۔؟

اس نے کہا: مولا بڑی محنت کرنا پڑے گی۔ زمین کا لیبل کریں گے، اس کا مزاج بدلیں گے۔ اس میں ایسی چیزیں ڈالیں گے کہ اس میں زراعت ہو سکے۔ کھیتی ہو سکے۔ پھر پودے لگائیں گے۔ اس باغ میں نکلنے والے پودوں کو سردی سے بچائیں گے، گرمی سے بچائیں گے، بارش سے بچائیں گے، اولوں سے بچائیں گے، برف سے بچائیں گے آندھی سے بچائیں گے، جانوروں سے بچائیں گے۔ جب وہ درخت جوان ہو جائیں گے تو اس میں پتیاں آئیں گی، پھول آئیں گے، پھل آئیں گے۔

کہا: کتنے سال لگے؟

کہا: مولا بہت سال لگے۔

کہا: کتنی محنت کی۔؟

کہا: مولا بہت محنت کی۔

فرمایا: ایک کام اور کرو۔ اسی گلشن میں، اسی باغ میں درختوں کے جو سوکھے پتے گرے ہیں باہر سے کچھ نہ اٹھاؤ انھیں پتوں کو جمع کر کے ذرا سی چنگاری آگ کی اسمیں

رکھ دو۔ تھوڑی دیر میں کیا ہوگا؟

کہا: تھوڑی دیر میں یہ ہوگا کہ ان پتّوں میں آگ لگ جائے گی اور وہ آگ پورے باغ میں پھیل جائے گی اور سارا باغ جل جائے گا۔

پوچھا: کتنے دنوں میں تیار ہوا، کتنی دیر میں جل گیا۔؟

کہا: مولا! تیار ہوا کئی سال میں اور جل گیا چند منٹ میں۔

فرمایا: بس اسی طرح یاد رکھو کبھی کی ہوئی نیکیوں پر بھروسہ نہ کرنا، ہمیشہ گناہوں سے بچتے رہنا۔ کہیں ایسا نہ ہو گناہوں کی چنگاری ایسی اُڑے کہ جنّت میں جتنے باغ لگے ہیں سب جل کے خاک ہو جائیں۔

یہ ہے وہ آگ کا خطرہ جس کے لیے قرآن مجید ہم سے کہہ رہا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

اے ایمان والو! اگر ایمان لائے ہو تو اپنے ایمان کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے اپنے کو اور اپنی فیملی کو، گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ یعنی انھیں اتنا دین بناؤ، سوسائٹی کو ایسا پابند دین بناؤ کہ واجب چیزیں چھوٹنے نہ پائیں۔ حرام کام، ناجائز کام تم سے نہ ہونے پائیں۔

کل میں نے آپ کے سامنے کہا تھا کہ آج ہماری سوسائٹی کی بالکل صحیح صورتِ حال، صحیح تفصیل یہ ہے کہ ہم نبی و امام کو دل کی گہرائیوں سے مانتے ہیں لیکن ان کے بے شمار احکام کو، اَن گنت احکام ٹالتے ہیں، چھوڑ دیتے ہیں۔ نہ ڈرتے ہیں، نہ لرزتے ہیں، نہ غمگین ہوتے ہیں، نہ شرمندہ ہوتے ہیں۔ یہ ہمارے کیرکٹر میں، یہ دوچہرے کیسے پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ دورُخ کیسے پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک ایمان والا ہے، ایک نفاق والا ہے۔ ایک ایمان والا ہے ایک انکار والا ہے، ایک اقرار والا ہے، .....

تو، کل میں نے آپ کے سامنے کہا تھا کہ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے نسلوں سے مذہب لیا ہے، خدا و رسُول و امام سے مذہب نہیں لیا ہے۔ تو ہم کو فیملی کے بجائے نسل کے بجائے اصل مسلمان بننے کے لیے خود ذاتی طور پر علم دین حاصل کرنا چاہیئے۔

آج میں آپ کی خدمت میں ایک دوسری بات کہنا چاہتا ہوں جو آج کی میری تقریر کا اہم ترین مقصد ہے۔ اسے آپ یاد رکھیں۔ میں نے کل آپ سے گزارش شروع کی ہے کہ میں ایک ایک سبب بیان کرتا رہوں گا کہ کیوں ہم میں یہ صورت پیدا ہوگئی ہے کہ ہم خدا و رسول و امامؑ کو مانتے بھی ہیں اور ان کو ناراض کرنے والے کام بھی کرتے ہیں اور مطمئن رہتے ہیں۔ یہ بات کیوں پیدا ہے۔ میری زبان سے نہ سنیئے میں آپ کو امام زین العابدین علیہ السلام کی زبان سے سناتا ہوں:

چوتھے امام کے ساتھیوں میں، اصحاب میں سے ایک بزرگ گزرے ہیں:

جناب ابوحمزہ ثمالی ــــ جناب ابوحمزہ کی حیثیت کیا ہے، دو چار جملے اس سلسلے میں۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ کل میدانِ حشر میں ایک ایک معصوم کے ساتھ ان کے مخصوص ساتھی جن کو حوارین کہا جائے گا، بُلائے جائیں گے۔ قرآن مجید اگر آپ پڑھیں تو اس میں جناب عیسیٰؑ بن مریم کے حوارین کا لفظ استعمال ہوا ہے، ان کے ساتھ بارہ آدمی تھے جو حوارین جناب عیسیٰ کہلاتے تھے۔ تو ویسے ہی پیغمبرؐ کے جو حوارین ہیں وہ بُلائے جائیں گے۔ جب آواز دی جائے گی کہ پیغمبرؐ کے حوارین آئیں تو سلمان فارسی آئیں گے، ابوذر آئیں گے، مقداد آئیں گے۔ جب آواز دی جائے گی مولائے کائناتؑ کے حوارین آئیں ــــ تو مالکِ اشتر آئیں گے، ابنِ عباس آئیں گے اور اسی قسم کے دوسرے اصحاب کے ساتھ جناب عمار یاسر آئیں گے۔ امام حسنؑ کے ساتھی پکارے جائیں گے۔ امام حسینؑ کے ساتھی پکارے جائیں گے شہدائے کربلا آئیں گے۔

تو ایسے ہی ہر معصوم کے ساتھی اور حوارین پکارے جائیں گے۔ تو جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے حوارین اور ساتھی جب پکارے جائیں گے تو ان میں ابوحمزہ ثمالی بھی ہیں۔ ابوحمزہ ثمالی کس منزلت کے، کس مرتبے کے، کس درجے کے آدمی ہیں یہ اندازہ لگانے کیلئے آپ ایک چھوٹا سا واقعہ سنیں:

ابوحمزہ ثمالی کی ایک لڑکی تھی، چھوٹی بچی ___ وہ گری اور ہاتھ میں فریکچر ہو گیا۔ فریکچر بھی ایسا ہوا کہ ہڈی ٹوٹ کے اوپر چڑھ گئی۔ آج سے سینکڑوں سال پہلے کی بات ہے جب میڈیکل سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی، اتنے آلات نہیں ایجاد کیے تھے۔ تو ابوحمزہ اس وقت کے ایک جرّاح کے پاس اپنی بیٹی کو لے گئے۔ جرّاح نے کہا:

"ہڈی ٹوٹ کے چڑھ گئی ہے۔ مجھے ہڈی کھینچ کے بٹھانا پڑے گی اور تمہاری بچی جو ابھی سے بے چین ہے، اس کو بہت زیادہ تڑپنا پڑے گا۔" ابوحمزہ ثمالی سے یہ کہہ کے وہ گھر کے اندر سامان لینے گیا۔

ابوحمزہ ثمالی یہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں خیال آیا کہ بچی ابھی رو رہی ہے، ابھی تڑپ رہی ہے، ابھی درد سے بے چین ہے، تو جب اس کا ٹوٹا ہوا ہاتھ کھینچا جائے گا ہڈی بٹھائی جائے گی تو یہ بہت زیادہ بے چین ہو گی۔ بس میرے دل میں بچی کی تکلیف کا خیال آیا۔ وہ کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر بعد جب جرّاح سامان لے کر نکلا اور اس نے کہا:

"بیٹی! ہاتھ بڑھاؤ۔ میں ہاتھ ٹھیک کر دوں۔"

لڑکی نے ہاتھ بڑھا دیا۔ جرّاح نے کہا:

بیٹی! یہ تم نے غلطی سے دوسرا ہاتھ بڑھا دیا ہے، اس میں فریکچر نہیں ہے، یہ تو ٹھیک ہے۔ جس میں فریکچر ہے جو ٹوٹ گیا ہے وہ بڑھا دو۔

بچی نے دونوں ہاتھ بڑھا دیے۔ اب وہ جرّاح کبھی اس ہاتھ کو دیکھتا ہے کبھی

اُس ہاتھ کو دیکھتا ہے اور انتہائی حیرت میں ہے۔ اس نے کہا:
میری عقل کام نہیں کرتی ہے۔ میں ابھی دیکھ کے گیا تھا کہ فریکچر تھا، اب دیکھ رہا ہوں کوئی اثر نہیں ہے۔ یہ تم پر اللہ کی مہربانی ہے، میں اس کی وجہ نہیں بیان کر سکتا ہوں۔

ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ میں بچی کو لے کر امام کی خدمت میں آیا اور میں نے پورا واقعہ بیان کیا تو امام نے فرمایا:
ابوحمزہ! جب تمھارے دل میں تمھاری بچی کی تکلیف کا خیال پیدا ہوا تو اس رحمٰن کی رحمت میں جوش پیدا ہوا، اس نے بغیر کسی علاج کے تمھاری بچی کے ہاتھ کو ٹھیک کر دیا کہ نہ اسے تکلیف ہو نہ تمھیں تکلیف ہو۔

بس یاد رکھیے! خدا وہ ہے جو زبان سے کہنے کا منتظر نہیں رہتا ہے، دل کی تکلیف پر اس کی رحمتوں میں جوش آجاتا ہے لیکن آدمی وہ ہونا چاہیے جو اپنی فیملی کو دوزخ کی آگ سے بچا رہا ہو۔ یہ ابوحمزہ ثمالی ہیں۔ انھی ابوحمزہ کے نام سے ایک دُعا منسوب ہے جو رمضان میں سحر کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

یہاں پر ایک لفظ مجھے کہنا ہے تاکہ میرے بچّے خاص طور سے ایجوکیٹڈ بچّے اسلام کی خوبیوں کو پہچاننے کے لیے ایک نمونہ اپنے سامنے رکھیں — رمضان میں رات ختم ہونے سے پہلے روزے کے شروع ہونے سے پہلے ہر گھر میں سحری کھائی جاتی ہے سحر کا مطلب کچھ کھانا ہے کچھ پینا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے لیکن یہ کیسا مذہب ہے جو یہ کہتا ہے کہ تم سحر کے وقت کچھ ضرور کھاؤ۔ اس لیے کہ سحر کے وقت جو کھاؤ گے یہ کھانا بھی عبادت ہے، ہم تم کو ہر لقمہ پر ثواب دیں گے — پالنے والے! ہم کھا رہے ہیں تو ثواب کیوں دے رہا ہے؟ — کہا: اپنی مرضی سے کھاؤ گے ثواب نہیں دیں گے

ہمارے کہنے پر کھا رہے ہو اس لیے ثواب دے رہے ہیں۔ تو جس مذہب کو اتنا خیال ہے کہ تم کو کل صبح سے شام تک بھوکا رہنا ہے اس کی تیاری کے لیے ایڈوانس میں کچھ کھا کے رکھو۔ ذرا سوچیے، وہ مذہب انسان کی زندگی کے لیے کتنا سامان راحت و سکون پیدا کرے گا۔ تو ہمارے سماج میں آج یہ چیزیں آتی ہیں نا۔ جب سحر کھا چکو تو دُعائے سحر پڑھو۔ یعنی روزی ملی ہے تو رازق کو یاد کرو۔ تو ہماری سوسائٹی میں یہ ہوتا ہے کہ ہم اس سحر کو واجب سمجھ کے کھاتے ہیں اور دُعا نہیں پڑھتے ہیں اور اگر پڑھیں بھی کسی نے ہم سے کہا: مولوی صاحب ذرا دُعا پڑھا دیجئے۔ ہم نے شروع کر دی دُعا:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسْئَلُکَ مِنْ بَھَآئِکَ بِاَبْھَاہُ ......"

تو وہ آغا سگریٹ منہ میں رکھ کر، آکر، منھ سے نکالتے ہوئے بولے:

"یہ نہیں۔ اس کے بعد جو چھوٹی ہے وہ پڑھایئے۔"

یعنی سحر کھائیں گے لمبی اور دُعا پڑھیں گے چھوٹی۔ حالاں کہ یہ دُعا بھی سنّت ہے واجب نہیں ہے۔ اگر نہیں پڑھیں گے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ تو ان دُعاؤں میں ایک بڑی لمبی دعا بھی ہے جو عربی جاننے والے ہیں ان کو بھی پڑھنے میں تیس منٹ لگ جاتے ہیں، اس دُعا کا نام ہے "دُعائے ابو حمزہ ثمالی" یہ دُعا چوتھے امام علیہ السلام نے بتائی ہے۔ یہ دعا آج تک ابو حمزہ ثمالی کے نام سے مشہور ہے۔ جیسے دُعائے کمیل مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ہے لیکن آپ نے اپنے صحابی کمیل کو بتائی تھی۔ تو دُعا بتائی ہوئی علیؑ کی ہے بتائی کمیل کو۔ آج تک دُعائے کمیل، دُعائے کمیل کہلاتی ہے، دُعائے علیؑ نہیں کہلاتی۔ ویسے ہی چوتھے امامؑ نے دُعا بتائی۔ لیکن آج تک اس کا نام دُعائے ابو حمزہ ثمالی ہے۔ یعنی دُنیا کو آلِ محمدؐ نے آواز دی: ہم جس کسی کو دے دیتے ہیں، پھر واپس نہیں لیا کرتے۔

اس دُعائے ابو حمزہ ثمالی کو کبھی اگر آپ پڑھیں، تو میں آپ کے سامنے یہ کہنے کی ہمت رکھتا ہوں کہ جو دُعا ہم میں سے کوئی آدمی سوچ نہیں سکتا ہے وہ اس دُعا کے اندر موجود ہے۔ اپنے لیے، اولاد کے لیے، مرجانے والوں کے لیے، زندہ کے لیے، دُنیا کے لیے، روزی کے لیے، علم کے لیے، اولاد کے لیے کوئی حد نہیں ہے ــ زیارت کے لیے کوئی دُعا ہم سوچ نہیں سکتے ہیں جو اس کے اندر موجود نہ ہو۔ میں نے بہت مرتبہ پڑھا تو اندازہ بھی ہوا کہ یہ دُعائے ابو حمزہ ثمالی نہیں ہے، انسانی دُعاؤں کا انسائیکلو پیڈیا ہے جو امام زین العابدین علیہ السلام نے مُرتّب کرکے ہمارے حوالے کیا ہے، اس دُعا کا میں ایک فقرہ پڑھنا چاہتا ہوں اور اس دُعا کے فقرے پڑھنے سے پہلے میں اپنی ہر بیٹی اور ہر بہن سے کہ جو امامؑ کو مانتی ہے، اپنے کو چوتھے امامؑ کی کنیز مانتی ہے، اس سے محبّتِ زین العابدینؑ کا واسطہ دے کر کہنا چاہتا ہوں، میرے وہ نوجوان، میرے وہ بچّے، وہ بھائی، میرے وہ بزرگ جن میں ہم سب کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم غلام ہیں چوتھے امامؑ کے ــ ان کو امام کی مصیبتوں کا واسطہ دیکر کہنا چاہتا ہوں کہ امامؑ نے اس دُعا میں ایک فقرہ ارشاد فرمایا ہے۔ اس فقرے کو سُنیں، اس میں آپ کو یہ راز مل جائے گا کہ ہم خدا کو مانتے ہیں مگر اس کا حُکم کیوں نہیں مانتے ہیں۔ نبیؐ کو مانتے ہیں مگر ان کا حکم ہم کیوں نہیں مانتے۔ اماموں کو مانتے ہیں، ان کے احکام کو کیوں نہیں مانتے ہیں ــ یہ ہماری سوسائٹی میں، یہ ہماری لائف میں، یہ ہماری زندگی میں جو تضاد پیدا ہوگیا ہے یہ کیوں پیدا ہے۔؟ اس کا راز یہ ہے کہ جو چوتھے امام علیہ السَّلام نے بتایا۔

مجھے اُمید ہے کہ میری ہر بیٹی، میری ہر بہن، میرا ہر بچّہ، میرا ہر بھائی میرا ہر نوجوان پوری توجہ کے ساتھ اس دُعا کو سنے گا۔ آپ عربی اگر نہ یاد کرسکیں تو

اس کا ترجمہ صرف یاد رکھیں۔ امامؑ نے کہا: دعا مانگو ـــــ

"اَللّٰھُمَّ اَخْرِجْ حُبَّ الدُّنْیَا مِنْ قَلْبِیْ وَاجْمَعْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ الْمُصْطَفٰی وَاٰلِہٖ خِیَرَتِكَ مِنْ خَلْقِكَ"

کہا: پہلی دعا مانگو ـــ پالنے والے! میرے دل سے دنیا کی محبّت نکال دے۔ "اَللّٰھُمَّ اَخْرِجْ حُبَّ الدُّنْیَا مِنْ قَلْبِیْ ــــ" پالنے والے! پہلی دعا میری یہ ہے کہ میرے دل سے دنیا کی محبّت نکال دے۔ اور اس کے بعد دوسری دعا ہے: "وَاجْمَعْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ الْمُصْطَفٰی وَاٰلِہٖ خِیَرَتِكَ مِنْ خَلْقِكَ" اور پالنے والے! ہم کو نبیؐ اور ان کے اہلِ بیتؑ کے ساتھ جمع کر دے جو تیری پوری مخلوق میں سب سے بہتر ہیں ـــ تو دعائیں کیا ہیں کہ ہمارے دلوں سے دنیا کی محبّت نکال دے اور ہم کو نبیؐ اور ان کے اہلِ بیتؑ کے ساتھ جمع کر دے جو تیری پوری مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔

میں اپنے سمجھدار ایجوکیٹڈ علمی مجمع سے خطاب کرتے ہوئے ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ چوتھے امامؑ نے دو دعائیں کیا بتائی ہیں۔ کہا: پہلی دعا مانگو: پالنے والے! ہمارے دل سے دنیا کی محبّت نکل جائے۔ اور جب یہ دعا مانگ چکو تو دوسری دعا مانگو: پالنے والے! ہم کو نبیؐ اور ان کے اہلِ بیتؑ کے ساتھ جمع کر دے تو امام زین العابدینؑ کی اس دعا نے بتایا کہ دو محبّتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اگر دنیا سے محبّت ہوگی تو نبیؐ واہلِ بیتؑ کے لیے سینے میں جگہ نہیں نکلے گی۔ اگر نبیؐ واہلِ بیتؑ کے لیے دل میں جگہ بنانا ہے تو دنیا کی محبّت سے دل کو خالی کر لو ـــــ معلوم ہوا لڑائی ہے دو چیزوں میں، نبیؐ واہلبیتؑ کی محبّت میں اور دنیا کی محبّت میں ـــ یہ ہم نے سوچی تو وہ محبّت نہ ہوگی، وہ محبّت ہوگی تو یہ محبّت

نہ ہوگی۔

میں آپ کے سامنے اب مسئلہ حل کرنے کے قابل ہوں۔ ہم خدا کو مانتے ہیں نبیؐ کو مانتے ہیں، امامؑ کو مانتے ہیں اور ان کا حکم نہیں مانتے ہیں۔ کچھ باتیں مانتے ہیں اور کچھ نہیں مانتے ہیں ـــ بس اتنا یاد رکھیے گا، جہاں تک ان کی محبت ہے وہاں تک مانتے ہیں اور جہاں سے دنیا کی محبت آجاتی ہے وہاں چھوڑ دیتے ہیں۔ تو میں نے چوتھے امامؑ کی دعا بھی نقل کر دی ہے اور میرے سننے والوں نے بڑی توجہ کے ساتھ سن بھی لی ہے ـــ لیکن میں جانتا ہوں کہ جب مجلس ختم ہوگی، جانے لگیں گے لوگ، تو کسی کی زبان پر آسکتا ہے:

"بات تو ٹھیک ہے مگر!" ـــ بس اس "مگر" کے بعد بات ختم ہوگئی ـــ اب مولاؑ نے کہا ہے تو انکار کیسے کر سکتے ہیں ... مولاؑ نے کہا ہے ـــ اس کا مطلب یہ ہے کہ دل انکار کر رہا ہے، زبان سے کہہ نہیں سکتے۔

میں آپ کی خدمت میں ایک مثال عرض کروں ـــ بیمار ہو کر ہم کسی بڑے ڈاکٹر کے یہاں گئے۔ اس نے معائنہ کرنے کے بعد دوا لکھ دی۔ لیکن ہم نے اس سے دوائی لکھوانے کے بعد یہ نہیں کہا کہ "نسخہ تو آپ کا ٹھیک ہے ـــ مگر..."!

ہم کسی ڈاکٹر سے یہ کہیں کہ نسخہ آپ کا ٹھیک ہے مگر....! تو وہ نسخہ ہم سے لے کر پھاڑ کے پھینک دے گا کہ جب تم کو میری دواؤں کا اعتبار نہیں ہے تو تم مجھے دکھانے کے لیے کیوں آئے ہو؟ ـــ کیا ہم نے خدا و نبیؐ اور اہل بیتؑ کو معاذ اللہ ڈاکٹر سے بھی کم عزت والا سمجھا ہے کہ ان کے ارشاد پر کہتے ہیں کہ مولاؑ نے بات تو صحیح کہی ہے مگر.... یہ "مگر" ہے جو ہم کو دوزخ کی آگ سے قریب کر رہا ہے....

لیکن میں کبھی اس بات کی حمایت نہیں کرتا ہوں۔ میری کبھی یہ عادت نہیں

ہے کہ میں وزن دیکر بات منواؤں ۔ میرا مزاج بھی ہے، میری کوشش بھی ہے، خدا سے میری دعا بھی ہے کہ پالنے والے! مجھے توفیق دے کہ میں بات کا وزن ڈال کے بات سمجھانے کے بجائے، بات کو اس طریقے سے کہہ سکوں کہ ہر سننے والے کا دل بغیر دباؤ کے متأثر ہو سکے۔

یہاں سننے والے سب سوچ سکتے ہیں کہ ہم انڈیا میں رہتے تھے، ہم پاکستان میں رہتے تھے، ہم ایران میں رہتے تھے، ہم عرب میں رہتے تھے۔ لندن میں ہم اسی لیے تو آئے ہیں کہ یہاں بہتر سے بہتر روزی کمائیں گے۔ اگر یہ محبّتِ دُنیا نکل جائے تو یہاں آ کے کیا کریں گے؟۔ تو مولوی صاحب! آپ دُعا تو ضرور بتلا رہے ہیں، لیکن اگر ہم نہ آئے ہوتے تو آپ کیوں آتے؟

لیکن آپ یاد رکھیے، ان سارے تذکروں کے بعد بھی جو معصومؑ کی آواز ہے وہ آواز دے رہی ہے کہ دو محبتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ دنیا کی محبّت ہوگی تو ہماری محبت نہیں ہوگی ــــ اور اگر ہماری محبّت ہوگی تو دُنیا کی محبّت نہیں ہوگی ــــ اب اگر ہماری زندگی میں دونوں چیزیں مل گئی ہیں، جہاں تک سرکل ہے ان کی محبّت کا وہاں تک ہم اطاعت کرتے ہیں اور جہاں سے سرکل شروع ہو جاتا ہے دُنیا کی محبّت کا، وہیں سے ہم نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔

تو، اس "مگر" کو میں عرض کر رہا تھا۔ مولانے کہا تو ہے مگر ــــــ! مولوی صاحب! آپ نے سنایا تو ہے مگر! اور بات تو خیر ٹھیک ہے جو مولا نے کہی ہے مگر ــــ! تو یہ "مگر" ابھی نکلا جانا ہے۔

صلوات

ہم دلّی سے چلے اور تقریباً سولہ گھنٹے پلین میں رہے، تب لندن پہونچے

اب ذرا تصور کیجیے گا تاکہ کچھ فائدہ زیادہ پہونچ جائے ـــــ تو جب پلین یہاں اُتر گیا اور پسنجر اتارے جانے لگے تو ہم اپنی سیٹ پر پھر بیٹھ گئے۔ لوگوں نے کہا:

"کہاں جانا تھا۔؟"

ہم نے کہا: "لندن"۔

کہا: لندن آگیا ہے اُترو ـــــ کہا: نہیں!

اب وہ اسٹائل میں باتیں شروع ہوئیں ـــــ یہ سوار ہوئے تھے تب تو ٹھیک تھے۔ راستے میں ویسے ہی تھے، انھوں نے کسی کو ڈسٹرب نہیں کیا۔ اب یہ کیا کر رہے ہیں؟ لوگوں نے کہا: آپ کا ٹکٹ ختم ہوگیا، آپ کا سفر ختم ہو گیا۔ آپ کو یہاں اترنا پڑے گا۔ تو ہم اس سیٹ سے چپک کے رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا: کیوں روتے ہو؟

ہم نے کہا: اس میں ہم سولہ گھنٹے رہے ہیں۔ ہم کو اس پلین سے محبّت ہو گئی ہے اور اس سیٹ پر ہم سولہ گھنٹے بیٹھے رہے ہیں تو اس سے ہمارے سولہ گھنٹے کی یادیں وابستہ ہیں، اور جب یہ دلّی سے چلا تھا تو یہ وہاں سے چلا ہے جہاں سے میرے وطن کی آب و ہوا اس میں لگی ہے تو اس کے ساتھ پچھلی سولہ گھنٹے کی یادیں وابستہ ہیں، یادیں! ـ ہم اس سے نہیں اتریں گے، ہمارے دل میں اس کی محبّت پیدا ہو گئی ہے۔ ـــــ لوگوں نے جتنا ہمیں کھینچنا شروع کیا اتنا ہی ہم نے رونا شروع کیا ـــــ اگر کل لوگ مجھے پاگل سمجھ کر کہیں اور بھیج دیتے تو میں مجلس پڑھنے تو نہیں آسکتا تھا۔

تو معلوم یہ ہوا کہ مجھے دلّی سے لندن تک سفر کرنے کے لیے پلین کی ضرورت ہے، یقیناً ضرورت ہے، کوئی شک و شبہ نہیں ہے ـــــ اگر یہ نہیں ملتا تو میں نہیں آسکتا تھا، لیکن پلین کی ضرورت ہے، پلین سے محبّت کی ضرورت نہیں ہے ـــــ بس اختلاف اتنی ہے۔ مذہب ہم سے یہ نہیں کہتا کہ تم کو دُنیا کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے

دُنیا کی ضرورت ہے مگر دُنیا کی محبّت کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ہوائی جہاز میں بیٹھ کر آئے وہ عقلمند ہے اور جو اس سے محبت کرنے لگے وہ دیوانہ ہے ___ جو دُنیا میں آکر دُنیا کو استعمال کرے دین کے لیے، وہ صحیح استعمال کرنے والا ہے اور جو محبّت دنیا میں گرفتار ہو جائے وہ دیوانہ ہے۔ ہم سے مذہب نے یہ نہیں کہا ہے کہ ہم کو دنیا نہیں چاہیئے۔ مذہب ہم سے یہ کہتا ہے کہ دُنیا چاہیے مگر دُنیا سے محبّت نہیں چاہیئے۔ ہم زندگی کی بہت سی باتوں سے واقف ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو چیز خرید لاتے ہیں، ان چیزوں سے ان کو ایسی محبّت ہو جاتی ہے کہ وہ ان کو استعمال نہیں کر سکتے ___ مثلاً:

انھوں نے اپنا سُوٹ سلوالیا ہے، مگر سُوٹ میلا ہو جائے گا، لہٰذا وہ اگر پہن بھی لیں تو ایسے کھڑے ہیں جیسے کسی شوکیس میں رکھ دیے گئے ہوں۔

ہم نے موٹر خرید لی اور ہمارا دل دُکھ رہا ہے کہ اگر یہ سڑک پر چلے گی تو اس کا ٹائر گھِس جائے گا ___ یہ ہیں محبّت کی غلطیاں! تو جیسے ہم کو بلین چاہیے، لباس چاہیئے، مکان چاہیئے، سواری چاہیئے، سب کچھ چاہیئے ___ لیکن ان کی محبّت نہیں چاہیئے۔ ویسے ہی مذہب ہم سے کہتا ہے: تم کو دُنیا چاہیئے پوری دُنیا چاہیئے مگر اس سے محبّت نہیں چاہیئے ___ محبّت خدا سے کرو، نبیؐ سے کرو ___ آلِ محمدؐ سے کرو۔

صلوات

کل میں نے آپ کے سامنے جو سبب بیان کیا تھا، وہ یہ تھا کہ ہم اصلی مُسلمان نہیں ہیں نسلی ہیں ___ آج میں نے آپ کے سامنے گذارش کی ہے کہ ہم خدا و نبیؐ و اہلِ بیتؑ سے محبّت کرنے کے ساتھ ساتھ دُنیا سے بھی محبّت رکھتے ہیں

لہٰذا نتیجہ کیا ہے؟ ہماری زندگی میں تضاد پیدا ہوگیا۔ تو ساری بیماریوں کا علاج یہ ہے کہ ہم دین جانیں تاکہ اصلی مسلمان بنیں، نسلی مسلمان نہ رہیں۔ ہم دنیا حاصل کریں مگر دنیا سے محبت نہ کریں، اس سے محبّت کریں جس نے دُنیا پیدا کی ہے، ان سے محبّت کریں جن کے طفیل اور صدقے میں دُنیا پیدا کی گئی ہے۔

بس! دُنیا کی محبّت آدمی کو کیسا بنا دیتی ہے اور جب دُنیا کی محبّت مِٹ جاتی ہے تو آدمی کیسا بن جاتا ہے ـــــ میں اپنے اس بہترین مجمع کو سمجھانے کے لیے ایک منٹ میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک دل میں محبّتِ دنیا باقی رہتی ہے تب تک وہ حُر رہتے ہیں جو یزید کی فوج کے سردار ہیں۔ حسینؑ کو جانتے ہیں، حسینؑ کی ماںؑ کو پہچانتے ہیں، خاندانِ نبوت کی عظمت سے باخبر ہیں، خلافِ اسلام کوئی کام نہیں کر سکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود یزید کے لشکر میں رہتے ہیں، حسینؑ کا راستہ روکتے ہیں۔

اور اب میں آپ کی خدمت میں یہ بات عرض کردوں کہ سات محرّم کو جنابِ بریر پسرِ سعد کے پاس آئے اور جو بات کہنے اور بتانے کے لیے آئے (انھیں کے لفظوں میں سُن لیجئے)۔ پسرِ سعد کے پاس آکے جناب بریر نے کہا:

"پسرِ سعد! میں حسینؑ کے خیموں سے آرہا ہوں، اور تجھے یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ میں نے حسینؑ کے خیموں میں چھوٹے چھوٹے بچّے (۲۸ بچّے جو چھوٹے تھے) اتنے پیاسے دیکھے ہیں (یہ سات محرم کی بات ہے) اتنے پیاسے دیکھے ہیں کہ اگر ان کو ابھی پانی نہیں ملے گا تو یہ پیاس کی تکلیف سے مر جائیں گے۔"

ذرا سوچنے کی بات ہے، جو بچّے سات محرم کو اتنے پیاسے تھے کہ بریر کو خطرہ تھا پانی نہ ملے گا تو پیاسے مر جائیں گے، انھوں نے آٹھ کی صبح کیسے کی ہوگی، انھوں نے نَو کی صبح کیسے کی ہوگی، انھوں نے عاشور کی صبح کیسے کی ہوگی؟ اور جب اصغؑر بھی

جامِ کوثر پینے کے لیے شہید ہوئے، تیر کھا کے چلے گئے۔ تو یہ جو پیاسے بچے بچ گئے ہیں انھوں نے شامِ غریباں کیسے بسر کی ہو گی؟ یہ اولاد والوں کے سوچنے کی بات ہے۔ یہ سینے میں انسانوں کا دل رکھنے والوں کے سوچنے کی بات ہے۔

تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب بریر پسرِ سعد سے یہ کہہ کے اٹھے کہ میں اتنے پیاسے بچے چھوڑ کے آیا ہوں کہ اگر انھیں پانی نہ ملا تو بچے پیاسے مر جائیں گے۔ یہ آواز حرملہ بھی سن رہا تھا ــ یہ آواز خولی بھی سن رہا تھا ــ یہ آواز شمر بھی سن رہا تھا ــ اور میں معافی مانگتے ہوئے جنابِ حُر کی خدمت میں عرض کروں گا کہ یہ آواز اس وقت جنابِ حُر بھی سن رہے تھے۔ کتابیں بتاتی ہیں کہ چھوٹے چھوٹے بچے جب روتے تھے تو شام کے لشکر میں بچوں کے رونے کی آواز آتی تھی، تو جب سب سنتے تھے یہ آواز تو کیا جنابِ حُر نہیں سنتے تھے۔ لیکن جب تک حُر کے دل میں یہ خیال رہا کہ نوکری بچانا ہے نوکری سے تنخواہ ملتی ہے۔ یزید سے دنیاوی رشتہ باقی رکھنا چاہیئے اسی سے جاگداد ملے گی، اسی سے دولت ملے گی، اسی سے انعام ملے گا۔ جب تک حُر کے دل میں دنیا کی محبّت باقی رہی، انھوں نے حسینؑ کا راستہ بھی روکا، انھوں نے جلتی ہوئی زمین پر حسینؑ کو اترنے پر مجبور بھی کیا ــ ان کے کانوں میں پیاسے بچوں کے رونے کی آواز بھی آتی رہی، وہ بیٹھے رہے۔

لیکن ــ! عاشور کی صبح کو حُر کے دل سے جب دنیا کی محبّت نکل گئی، ان کے سامنے فقط یہی تھا جو قرآن مجید کا پیغام ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

"اے ایمان لانے والو! اپنے کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ"

حُر نکلے اور اس طرح سے نکلے کہ ان کا جسم کانپ رہا تھا، لرز رہا تھا۔ کسی نے

پوچھا: "تم کیوں لرز رہے ہو۔ کیوں کانپ رہے ہو؟"

کہا: "میں اپنے کو جنّت اور دوزخ کے درمیان پارہا ہوں۔"

یہ حُر شام کے لشکر سے نہیں نکل رہے تھے، اپنے کو دوزخ کی آگ سے نکال رہے تھے ـــــ اب جو حُر نکلے حسینؑ کے پاس آئے تو یہ کون سے حُر تھے؟ یہ وہ تھے جن کے پاس حسینؑ کی محبّت تھی، دُنیا کی محبّت نہیں تھی۔

میں نے آپ کے سامنے ہسٹری اور تاریخ کا ایک ایسا نمونہ پیش کردیا ہے کہ جہاں ہم اپنی زندگیوں کو بڑی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں۔ ہم حسینؑ کو مانتے بھی ہیں، اور حسینؑ کی نافرمانی بھی کر رہے ہیں ـــ کیوں؟ ـــ اس لیے کہ محبّتِ دُنیا باقی ہے۔

میری بہنو!، میری بیٹیو!، میرے بچّو!، میرے نوجوانو! اگر ہم کو دوزخ کی آگ سے بچنا ہے تو محبّتِ دُنیا نکالنا پڑے گی۔ ہاں ٹھیک ہے! کوئی کام ایک دن میں نہیں ہوگا۔ مگر ہم نیت تو کریں کہ دُنیا کی محبّت اور آلِ محمدؐ کی محبّت جمع نہیں ہوسکتی۔ اگر ان سے محبّت کرنا ہے تو اس کی محبّت کو ختم کرنا ہوگا۔ محبّتِ دُنیا کم کرنا شروع کریں گے زندگی آسان ہوجائے گی۔

میں اپنی تقریروں میں آپ کے سامنے ان تفصیلوں کو پیش کروں گا کہ دُنیا سے محبّت کرنے کے بعد زندگی کتنی تکلیف دہ ہوجاتی ہے اور زندگی میں جب دُنیا کی محبّت ختم ہوجاتی ہے تو کتنی پُرسکون ہوجاتی ہے۔ لیکن آج مجلس ختم کرتے کرتے مجھے ایک جملہ کہنا ہے کہ میں دو دن سے بیٹیوں اور بہنوں کو، اپنے بچّوں اور بھائیوں کو یہ سُنا رہا ہوں کہ اے ایمان لانے والو!، اے ایمان لانے والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ ـــــ تو حُر نے کیا کیا؟

حُر جب نکلنے لگے تو اکیلے نہیں نکلے۔ بیٹے سے کہا: بیٹا! میں گلا کٹانے

جارہا ہوں۔ میں مرنے جارہا ہوں۔ میں دھوپ میں کھڑے ہوکر پیاسا اور بھوکا رہنے جارہا ہوں۔ میرے ساتھ چلو گے ؟ اور اگر نہیں چلو گے تو تم دوزخ میں رہو گے۔ بیٹا ساتھ چلا۔

میں جناب حُر کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حُر! تم اکیلے کیوں نہیں جاتے ؟ یہ اپنے بچّے کو ساتھ کیوں لیکے جارہے ہو۔ ؟

کہا: قرآن نے ہم سے کہا ہے ایمان لائے ہو تو اپنے کو بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی بچاؤ۔ میں بیٹے کو لے کے جارہا ہوں جنینوں کو پیغام دینے کے لیے کہ خود جنّت میں جانے کی کوشش نہ کرنا جب تک اپنی اولاد کو جنّتی نہ بنالو۔

میرے لیے اب تذکرہ میں ایک آخری لفظ باقی ہے اسے سنیئے اور میں زحمت تمام کردوں ـــــ حسینؑ کے پاس حُر آئے اور آنے کے بعد جب حسینؑ سے کہا:

" مولا! کیا میری خطا معاف ہوسکتی ہے ؟ "

اور امامؑ نے فرمایا: میں نے معاف کیا، میرے خدا نے معاف کیا۔ تو جناب حُر اپنے بیٹے کو لائے اور کہا:

" مولا!" اسے پہلے اجازت دیجیئے۔ یہ میدان میں جائے اور شہید ہوجائے۔"

میں کہوں گا حُر! اب تم آگئے، جنّت کے قریب آگئے، دوزخ سے نکل آئے، تمہارا بچہ بھی نکل آیا۔ تم شہید ہو جاؤ۔ بیٹا تمھارے بعد شہید ہو جائے گا۔ یہ تم جلدی کیوں کر رہے ہو؟

کہا: تم نے پہچانا نہیں۔ دُنیا میں ماں باپ کی محبّت کا انداز اور مزاج یہ ہے کہ اگر ہمیں کوئی اچھی چیز کھانے کو ملے تو ہم پہلے اولاد کو کھلاتے ہیں بعد میں خود

کھاتے ہیں ۔ تو ساری رحمتوں اور راحتوں کا مرکز ہے جنّت ۔ جب جنّت ملنے کا وقت آگیا ہے تو صحیح محبّت یہ ہے کہ میں پہلے اپنی اولاد کو جنّت میں پہونچا دوں تب میں جنّت جاؤں گا ۔ میں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ بچّہ میرا یہاں رہ جائے اور میں جنت میں پہونچ جاؤں ـــــ نہیں میرا لال شہید ہوا، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سر کٹا کے خون میں نہا کے، زخمی لاش اٹھا کے یہ طے ہوگیا، اطمینان ہوگیا کہ فرزند جنّت میں پہونچ گیا ۔ اب باپ نے کہا :

"میں نے اپنا فریضہ ادا کردیا ۔ اپنے کو بھی دوزخ سے بچالیا اور اپنے گھر والوں کو بھی دوزخ سے بچالیا" ـــ اور اس کے بعد حُر نے جامِ شہادت پیا ۔

بس یہاں تک میرا بیان تھا ۔ آپ جانتے ہیں یہ بیان نامکمل ہے ـــ اگلی تاریخوں میں اور وقت بڑھاؤں گا ۔ لیکن کم سے کم منٹ دو منٹ میں آپ کی خدمت میں اس سلسلہ کے ان عظیم مصائب کا تذکرہ نہ کردوں جن مصیبتوں اور قربانیوں کے بعد آج یہ مجلسیں ہورہی ہیں، مجھے سنانے کا موقع مل رہا ہے اور آپ کو سننے کا موقع مل رہا ہے اور ہم سب کو دوزخ کی آگ سے بچنے کا موقع مل رہا ہے ۔ یہ احسان ہے اس شہیدِ اعظم کا جس نے ہم کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے کربلا کے میدان میں قربانیاں دی تھیں ۔

میں آپ کی خدمت میں اگلے دنوں میں پیغام اور عرض کردوں گا لیکن آج صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ آج دوسری محرم کی تاریخ ہے دوسری محرم وہ تاریخ ہے جس تاریخ کو حسینؑ کربلا میں آئے اور جب حسینؑ کربلا پہونچتے ہیں، تو میں آپ کی خدمت میں سارے تذکروں کو چھوڑ کے اتنی سی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حسینؑ نے حُر کے شدید اصرار کے بعد اس بات پر رضامندی دے دی کہ میرے

خیمے جلتی زمین پر لگ جائیں۔

اصحاب کو جوش آگیا۔ زہیر بن قین نے آکر کہا: مولا! ابھی اس فوج سے لڑنا بہت آسان ہے۔ حسینؑ نے کہا: آلِ محمدؐ جنگ میں ابتدا نہیں کرتے ہیں جب لڑائی ہو گی تب ہم لڑیں گے۔ ہم جنگ کے لیے نہیں لڑیں گے ___ تو جلتی ہوئی ریت پر فاطمہؑ کا کنبہ اُتر گیا ___ فاطمہؑ کے لعل نے بلوایا ان لوگوں کو جن کی وہ زمین تھی اور کہا میں حسینؑ ہوں، میں فاطمہؑ کا لعل ہوں، میں علیؑ کا بیٹا ہوں، میں رسولؐ کا نواسہ ہوں ___ میں تم سے یہ زمین خریدنا چاہتا ہوں۔

کہا: فرزندِ رسولؐ! کیا ضرورت ہے۔ آپ تو سفر کر رہے ہیں، دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں ___ زمین خریدنے کی کیا ضرورت ہے۔؟

یہ سن کے آپ نے فرمایا: کیا تم اتنی بھی میری خاطر نہیں کر سکتے کہ میرے کہنے پر یہ زمین بیچ دو ___ زمین بیچی، مولا نے ان کو قیمت دی۔ قیمت دینے کے بعد کہا: یہ زمین ہم تمھیں پھر واپس کرتے ہیں، بس ہم سے اتنا سا وعدہ کر لو...

بس یہی آخری فقرہ ہے جو میری بیٹیاں سنیں، میری بہنیں سنیں، میرے بچے سنیں، میرے بھائی سنیں....

حسینؑ نے قیمت بھی دے دی، زمین خرید کے زمین بھی دے دی اور کہا سُنو! اگر ہم یہاں شہید ہو جائیں، اگر ہم یہاں قتل ہو جائیں، اگر یہاں ہماری قبریں بن جائیں ___ تو ہم تم سے کچھ نہیں کہتے ہیں، ہم تم سے صرف اتنا کہتے ہیں کہ جب ہماری قبریں بن جائیں تو دُنیا کے کسی حصّے سے کوئی آدمی ہماری زیارت کے لیے آئے تم ہم سے اتنا وعدہ کر لو کہ تم ہمارے زائر کو تین دن اپنا مہمان بنانا، اسے کھانا کھلانا، اسے پانی پلانا تاکہ وہ میری زیارت کے لیے آئے

تو وہ بھوکا پیاسا نہ رہنے پائے۔

ہم غلاموں کی جانیں اے مولا! آپ پر فدا۔ آپ کو شہادت سے پہلے اپنے زائر کا خیال تھا۔ اے میرے مولا! یہ آپ نے تین دن کے لیے کیوں کہا؟ فرمایا: اسی لیے کہا کہ یہ تین دن کی وہ مدّت ہے جب میرا اصغرؑ پیاسا رہا ہے۔ جب میرے چھوٹے چھوٹے بچّے پیاسے رہے ہیں۔ جب میرا بیمار فرزند پیاسا رہا ہے۔

سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

مجلس

۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یَااَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَھۡلِیۡکُمۡ نَارًا

ابھی آپ کے سامنے سورۂ تحریم کی ایک آیۂ کریمہ کے ابتدائی فقرہ کو میں نے پڑھا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے ایمان لانے والو! قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَھۡلِیۡکُمۡ نَارًا اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو نار سے بچاؤ۔ وَقُوۡدُھَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَۃُ ___ اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے ___ ایک سمجھ دار بچہ بھی جانتا ہے کہ پتھر کوئی کام نہیں کرتا۔ لہٰذا نہ اسے ثواب مل سکتا ہے نہ اسے جزا و سزا مل سکے گی۔ پھر یہ پتھر آگ میں کیوں ڈالے جائیں گے؟ ___ پتھر ڈالے جائیں گے آگ کی آنچ اور تپش کو تیز کرنے کے لیے ___ اور انسان ڈالے جائیں گے اس تیز آگ میں جلنے کے لیے ___ عَلَیۡھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ ___ ایمان لانے والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس پر اللہ نے وہ ملائکہ معین کیے ہیں جو مزاج کے سخت اور شدید ہیں۔ وہ بھی ملائکہ ہیں جو مزاج کے نرم ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے جو ملائکہ معین کیے ہیں وہ، وہ ہیں کہ جو سخت مزاج ہیں، شدید مزاج کے ہیں ___ لَا یَعۡصُوۡنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَھُمۡ ___ ان ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ خداوند عالم انھیں جو حکم دے گا وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گے یفعلون ما یومرون

جو حکم انھیں ملے گا اس کی تعمیل کریں گے۔

یقیناً قرآن مجید میں آیات کی کمی نہیں ہے۔ میں کسی بھی آیت کو انصاف پسندوں کے لیے بطور عنوانِ کلام اختیار کرسکتا تھا۔ ماشاءاللہ یہ مجمع جو برابر مجلسیں سنتا ہے، جسے مجلسوں کے سننے کا ذوق ہے اس کے دل میں یہ باتیں آسکتی ہیں کہ یہی آیت کیا ضروری ہے؟ آیۂ تطہیر بھی پڑھی جاسکتی ہے جس میں اہل بیت علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے پروردگارِ عالم نے اعلان کیا ہے کہ اے میرے نبیؐ کے اہلِ بیتؑ! میرا ارادہ یہ ہے کہ ہر نقص و عیب اور کمی و کمزوری تمھاری ذات سے الگ رہے اور ہر کمال تمھارے دامن میں موجود رہے ـــــ تو فضائلِ آلِ محمدؐ کے بیان کرنے کے لیے آیتِ تطہیر نے جو کہہ دیا ہے ـــــ میں ایک لفظ آپ کے سامنے کہنا چاہتا ہوں کہ اگر قرآنِ مجید میں اہلبیت علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے کوئی دوسری آیت، آیتِ تطہیر کے علاوہ نہ بھی ہوتی تو بھی ان کے فضائل و کمالات، عظمت و مراتب کے سمجھنے کے لیے کوئی کمی نہیں رہ جاتی ـــــ!

آپ اگر میری بات کو جلدی اور آسانی سے محسوس فرمانا چاہتے ہیں تو میں آپ کی خدمت میں عرض کردوں گا کہ اللہ کی ذات کی تعریف کیا کی جائے۔؟ اللہ کی ذات کی تعریف یہ ہے کہ اللہ اُس ذات کا نام ہے، اُس ہستی کا نام ہے کہ کوئی کمزوری، کوئی نقص، کوئی عیب اس میں نہیں پایا جاتا ـــــ اور کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو ذاتِ پروردگارِ عالم میں موجود نہ ہو ـــ یعنی خداوندِ عالم کی تعریف بھی بیان کی گئی ہے کہ ہر نقص اس کی ذات سے الگ ہے اور ہر کمال اس کی ذات میں موجود ہے۔

بس اسی انداز پر پروردگارِ عالم نے پہچنوایا ہے اہلِ بیت علیہم الصلوٰۃ

والسلام کو کہ تم پہچانو میرے کمال ذاتی ہیں، مجھے کسی نے کمالات دیے نہیں ہیں، میرے ذاتی کمالات ہیں ـــ جو میرا کمال ہے وہی میری ذات ہے، جو میری ذات ہے وہی میرا کمال ہے۔ لیکن میں نے اپنی ساری مخلوقات میں نبیؐ اور آلِ محمدؐ علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جن کمالات سے نوازا ہے ان کو میں آیۂ تطہیر میں اسی طرح بیان کر رہا ہوں کہ اے میرے نبیؐ کے اہلبیتؑ! خدا ہو کے میرا ارادہ یہ ہے کہ کوئی نقص تمہاری ذات کو چھونے نہ پائے اور کوئی کمال تمہاری ذات کو چھوڑ کے جانے نہ پائے ـــ تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ محسوس کر لیں گے کہ جس طرح ہم نے پروردگارِ عالم کی ذات کو پہچانا ہے اس نے اسی انداز سے آلِ محمدؐ کو پہچنوایا ہے کہ یہ میرے کمالات ذاتی ہیں اور میں نے جو کمالات آلِ محمدؐ کو دیئے ہیں ان کی شان و عظمت یہ ہے ـــ تو میں نے آپ کی خدمت میں ایک جملہ کہا کہ اگر آیۂ تطہیر کے علاوہ کوئی آیت موجود نہیں ہوتی تو آلِ محمد علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے کمالات کو سمجھنے کے لئے آیۂ تطہیر کافی تھی اور میرے لیے کچھ بہت مشکل کام نہیں تھا کہ میں پانچ دس مجلسیں آپ کے سامنے آیۂ تطہیر کی روشنی میں پڑھ دیتا۔

اسی طرح سے اور بے شمار آیتیں ہیں جن میں فضائل آلِ محمد علیہم السلام کا ذکر ہے الحمد للہ کہ آپ ذاکرین سے سُنتے ہی رہتے ہیں۔ تو میں نے اس آیت کا انتخاب کیوں کیا؟ اس آیت کا انتخاب میں نے اس لیے کیا ہے کہ اگر قرآن مجید کی ہر آیت کو پڑھا جانا چاہیئے تو کبھی اس آیت کے پڑھنے کا دن آئے گا یا نہیں آئے گا۔ اگر ہم یہ انتخاب کر لیں کہ دسؔ آیتیں، بیسؔ آیتیں، پچاسؔ آیتیں، سوؔ آیتیں ـــ یہی سب مجلسوں میں بیان ہونا چاہئیں تو بقیہ قرآن مجید کب بیان کیا جائے؟ اور آپ یقین مانیئے فضائلِ آلِ محمدؐ کے سننے اور سنانے کے لیے کسی آیت کی پابندی کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں بھی قرآن کی کوئی آیت پڑھی جائے گی وہیں ذکرِ آلِ محمدؐ کا کوئی راستہ نکل آئے گا۔ اس لئے کہ سچے نبیؐ نے کہا کہ

میں قرآن بھی چھوڑ کے جا رہا ہوں اور اپنے اہل بیتؑ کو بھی چھوڑ کے جا رہا ہوں ___ یہ کبھی ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہوں گے جب قرآن پڑھا جائے گا ذکرِ آلِ محمدؐ کا راستہ نکلے گا جب ذکرِ آلِ محمدؐ ہوگا تو قرآن کی کسی نہ کسی آیت کا تذکرہ ہو جائے گا ___ تو ان دونوں میں جُدائی ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ ہماری کم علمی ہے، ہماری واقفیت کی کمی ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ محدود آیتوں ہی کے ذریعہ ذکرِ آلِ محمدؐ ہو سکتا ہے ___ نہیں! قرآن مجید کی ہر آیت وہ ہے جو ذکرِ آلِ محمدؐ کر رہی ہے اور آلِ محمدؐ کی زندگی کا ہر لمحہ ہے جو قرآن مجید کی تفسیر کر رہا ہے۔ قرآن مجید کو یاد دلا رہا ہے ___ قرآن مجید کی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ صلوات

تو میں نے آپ کی خدمت میں جو یہ آیۂ کریمہ پڑھی ہے وہ کیوں پڑھی ہے اس کو آج آپ دُو جملوں میں سنیں، انشاء اللہ پھر آگے اس کی تفسیر کروں گا۔ میں جب اس آیت کو پڑھتا ہوں اور جب سے میں نے اس آیت کو پڑھا ہے میں نے محسوس کیا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں کسی عام انسان سے کوئی بات نہیں کہی جا رہی ہے ___ توجہ چاہتا ہوں عام انسانوں سے خدا کوئی بات نہیں کر رہا ہے۔ اس آیۂ کریمہ میں عام مسلمانوں سے خدا کوئی بات نہیں کر رہا ہے۔ اگر آپ مجھ سے سننا چاہتے ہیں، میری بات پر اگر آپ بھروسہ کرنا چاہتے ہیں تو میں گزارش کرتا ہوں کہ آپ سوچیں کہ میں نے جب قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی تو مجھے محسوس ہوا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں جو خُدا کہہ رہا ہے یہ نہ اپنے سارے بندوں سے کہہ رہا ہے، نہ سارے انسانوں سے کہہ رہا ہے، نہ سارے مسلمانوں سے کہہ رہا ہے ___ یہ فقط مولائے کائنات امیرالمومنین علی ابنِ ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والوں سے کہہ رہا ہے۔

میں جانتا ہوں قرآن مجید میں وہ تذکرے موجود ہیں جہاں خطاب عام انسانوں سے ہے "یَاۤاَیُّهَا النَّاس" اے انسانو! قرآن مجید میں وہ تذکرے

بھی موجود ہیں جہاں اس نے بندوں کو آواز دی ـــــ قرآن مجید میں وہ بھی تذکرے موجود ہیں جہاں آدم کا بیٹا کہہ کے ہم کو آواز دی! تو یہ سارے تذکرے ہیں جس میں سارے انسان شامل ہوسکتے ہیں، سارے بندے شامل ہوسکتے ہیں۔ لیکن میں آپ کے سامنے یہ گذارش کروں گا کہ قرآن مجید میں جب آواز دی جائے ـــــ

"یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا"

اے ایمان لانے والو! ـــــ تو "ایمان لانے والو!" کہہ کے جب خدا آواز دے رہا ہے تو اس سے مُراد سارے انسان نہیں ہیں ـــــ اس سے مراد سارے مسلمان نہیں ہیں۔ اس سے مُراد فقط مولائے کائنات ؑ کے ماننے والے ہیں۔

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ـــــ کوئی ہے ہی نہیں علی ؑ والوں کے علاوہ ـــــ جو فقط خدا کے ماننے والے ہیں وہ "یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے مخاطب نہیں ہیں۔ جو فقط حضور سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے ہیں اور ان کا عقیدہ سے آگے نہیں بڑھتا ہے وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے، مومن سے، ایمان لانے والوں سے مُراد فقط وہ لوگ ہیں جو خدا کو بھی مانتے ہیں ـــــ جو نبیؐ کو بھی مانتے ہیں، جو علی ؑ کو بھی مانتے ہیں اور علی ؑ کی معصوم اولاد کو بھی اپنا امام اور رہبر مانتے ہیں۔

صلوات

میں آپ کی خدمت میں ہزاروں مرتبہ کے آپ کے سُنے ہوئے تذکروں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ آپ دنیا کے ہر مسلمان کو مطمئن کر سکتے ہیں کہ "یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" قرآن مجید میں چاہے کہیں استعمال ہوا ہو اس کا خطاب صرف ایمان لانے والوں یعنی مولا علی ؑ کے ماننے والوں اور چاہنے والوں سے ہے۔

حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو حدیثیں ارشاد فرمائی ہیں ان میں سے دو آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں اور دونوں آپ کی سنی ہوئی ہیں:

"یا علی حُبّکَ اِیمانٌ وَ بُغضُکَ کُفرٌ وَّ نِفَاقٌ"

پیامبرؐ نے کہا: "اے علیؑ! تمہاری محبت ایمان ہے اور تمہاری دشمنی کفر ہے یا نفاق ہے"۔ اب آپ بتائیں! پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کے بعد "یَاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوْا" سے کون مُراد ہوگا۔ مسلمان مُراد ہوں گے یا علیؑ والے مراد ہوں گے — یعنی فقط وہی صرف وہی مسلمان مُراد ہو سکتے ہیں۔ جو مولائے کائنات سے محبت کرتے ہیں۔

اس حدیث کو میں ایک مرتبہ پھر پڑھوں گا تاکہ آپ کے ذہن نشین ہو جائے پیغمبرؐ نے کیا کہا ہے؟ اس کے بعد پیغمبرؐ کی دوسری حدیث آپ کے سامنے پیش کروں جو قدرے عمیق ہے۔

پیغمبرؐ نے کیا کہا — علیؑ سے خطاب کرکے کہا: "یا علیؑ! — اے علیؑ!" — سرسری طور پر تو ایک لفظ یاد رکھے گا کہ جب پیغمبرؐ "یا علیؑ" کہہ سکتے ہیں تو پھر اگر پیامبرؐ کا کوئی کلمہ پڑھنے والا "یا علیؑ" کہتا ہے تو کسی آدمی کو بدعت کہنے کا حق نہیں ہے۔

ہاں اس کا کوئی علاج نہیں ہے کہ سنّت نبیؐ بدعت ہو جائے اور بدعت سنّتِ نبیؐ ہو جائے۔ ہاں اگر اصطلاحیں بدل دی جائیں تو الگ بات ہے، ورنہ پیغمبرؐ نے کہا: "علیؑ! اے علیؑ! تمہاری محبت ایمان ہے — تمہاری محبت ایمان ہے اور تمہاری دشمنی یا کفر ہے یا نفاق ہے"۔

میں پھر آپ کی توجہ چاہتا ہوں، اپنی بات کہنے کے لیے، کہ پیغمبرؐ کے

اس ارشاد کے بعد کوئی کمی رہ گئی اس بات کے سمجھنے میں؟ ـــ بات بالکل صاف ہو گئی۔ کچھ علیؑ کے دوست ہوں گے، کچھ علیؑ کے دشمن ہوں گے ـــ جو علیؑ کا دوست ہوگا مومن ہے جو علی کا دشمن ہے وہ کافر ہوگا یا منافق ہوگا۔ بات بالکل واضح تھی۔ لیکن پیامبرؐ نے اسی بات کو دوسری حدیث میں دوبارہ ارشاد فرمایا ہے:

ایک صلوات پڑھیں

یَا عَلِی لَا یُحِبُّكَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضُكَ اِلَّا کَافِرٌ اَوْ مُنَافِقٌ

"علیؑ تم سے محبّت نہیں کرے گا سوائے اس شخص کے جو مومن ہوگا اور علیؑ تم سے کوئی شخص دشمنی نہیں کرے گا ـ علیؑ! تمھارا کوئی دشمن نہیں ہوگا ـــ علیؑ! تم کو کوئی دشمن نہیں رکھے گا سوائے اس کے کہ تمھارا دشمن یا کافر ہوگا یا منافق ہوگا۔"

پیغمبرؐ نے پہلی حدیث میں کیا کہا ـــ پہلی حدیث میں فرمایا: "تمھاری محبّت ایمان اور تمھاری دشمنی کفر و نفاق ہے۔" اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا: "علی! تم سے کوئی محبّت نہیں کرے گا سوائے مومن۔ اور تم کو کوئی دشمن نہیں رکھے گا سوائے اس کے کہ وہ کافر ہوگا یا وہ منافق ہوگا۔" ـــ تو میں ایک جملہ آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پہلے ارشاد کے بعد دوسرے ارشاد کی ضرورت کیا تھی؟ بات واضح ہو گئی تھی۔

لیکن نہیں! ہم آپ سب جانتے ہیں کہ جب ماننے والا مسئلہ ہوتا ہے تو اس کو ایک مرتبہ کہنا کافی ہوتا ہے۔ کبھی ماننے والے سے دو مرتبہ نہیں کہنا پڑتا بلکہ ماننے والے میں اتنی سمجھ اتنی عقل ہوتی ہے کہ جب

کہنے والا کہنا شروع کرتا ہے تو سنتے سنتے آدھی بات میں کہتا ہے کہ بس بس آپ کے فرمانے کی ضرورت نہیں ـــــ لیکن جو نہیں ماننے والا ہوتا ہے جس کے بارے میں ہم کو معلوم ہے کہ نہیں ماننے والا ہے ـــــ اس سے کہنے والے کو بار بار کہنا پڑتا ہے ـــــ اور جب بار بار کہنا پڑتا ہے تو پھر تعبیر کے لیے الفاظ بدلنے پڑتے ہیں تاکہ وہ ـــــ جو تاویل کے راستے سے نکلنے کا راستہ پیدا کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے نکلنے کا ہر راستہ بند کر دے۔ گنجائش تھی۔ پیغمبرؐ نے ایک کو بیان کیا ـــــ کہا کہ علیؑ تمھاری محبّت ایمان اور تمھاری دشمنی کفر و نفاق۔ ـــــ تاویل پسند مزاج جن کو سب ماننا ہے مگر آلِ محمدؐ کے فضائل کو نہیں ماننا ہے ان کے لئے راستہ نکالنا مشکل نہیں تھا۔ نبیؐ نے بڑی سچّی بات کہی ہے علیؑ کی محبّت ایمان ہے مگر اس میں یہ کہاں ہے کہ کسی اور کی محبّت ایمان نہیں ہے، راستہ نکلتا ہے کہ نہیں نکلتا؛ تاویل کی جا سکتی تھی۔ اب اس کے بعد ہاتھ میں فہرست ہوتی اِن کی محبّت بھی ایمان، اُن کی محبّت بھی ایمان اور بیشک علیؑ کی محبّت ایمان ہے ـــــ تو نبیؐ نے کہا کہ اس تاویل کا راستہ ہی بند کر دوں۔ پیامبرؐ نے کہا:

" تمھارا ہی محبّت کرنے والا وہ ہوگا جو مومن ہوگا، اس کے علاوہ کوئی مومن نہیں ہوگا تمھارا ہی دشمن یا دشمنی رکھنے والا وہ ہوگا جو کافر ہوگا یا منافق ہوگا۔"

پہلے ارشاد میں ایک حقیقت بیان کی ہے اور دوسرے میں اس حقیقت پر عمل کرنے والوں کا تذکرہ کر دیا ہے تاکہ دُنیا محفوظ و محسوس کر لے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی ذکر آئے

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ـــ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ـــ

اس سے فقط وہ مُراد نہیں ہیں جو خدا کا اقرار کرتے ہیں۔ اس سے فقط وہ مُراد نہیں ہیں جو نبیؐ کا کلمہ پڑھتے ہیں ـــــ بلکہ ان سے وہ مُراد ہیں جو خدا کو بھی مانتے ہیں، جو نبیؐ کو بھی مانتے ہیں، جو علیؑ کو بھی مانتے ہیں ان کی پوری اولاد معصومینؑ کو بھی مانتے ہیں۔ صلواۃ

اتنی دیر کی گفتگو کا ماحصل کیا نکلا۔ مومن کون؟ وہ خدا والا، وہ نبیؐ والا جو علیؑ والا بھی ہو، اور جو علیؑ والا نہیں ہے وہ مومن نہیں ہے۔!! اب اس کے بعد آپ یہ بتائیے کہ علیؑ والے کو یہ آیت پڑھنا چاہیے یا نہیں پڑھنا چاہیے جس میں ایمان لانے والوں ہی سے بات کہی جا رہی ہو ــــ تو آپ میرے فقرہ پر توجہ فرمائیں کہ میں نے جب قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کو پڑھا تو میں نے محسوس کیا کہ یہ وہ خدا کا پیغام ہے جو براہ راست میرے نام آ رہا ہے اور آپ کے نام آ رہا ہے۔ براہ راست ہر اس شخص کے نام آ رہا ہے جو مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کا چاہنے والا ہے۔

صلوات

تو جو پیغام عام ہوتے ہیں ان کی طرف چاہے توجہ کم ہو لیکن جو پیغام خاص ہوتے ہیں اس پر وہ اگر توجہ نہ کرے جس کے لیے وہ مخصوص پیغام بھیجا گیا ہو؛ اس کے معنی یہ ہیں، توجہ نہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم پیغام دینے والے کی شخصیت کا احترام نہیں کر رہے ہیں۔ کیا کہا قرآن نے؟ اب سننے کے قابل ہے۔ طے ہو گیا مومن صرف علیؑ والا ہے ــــ تو اب قرآن مجید میں کہیں بھی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا آئے اس سے مُراد علیؑ والے ہیں ــــ صرف علیؑ والے ــــ جب علیؑ والے اور صرف علیؑ والے ایمان والے اور مومن ہیں تو قرآن مجید کیا کہتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا

اے ایمان لانے والو! ــــ ترجمہ کر چکا ہوں۔ اتنی دیر کی تشریح کے بعد وہ ترجمہ کرنا چاہتا ہوں جس کا مجھے حق پیدا ہو گیا ــــــــ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ــــ اے ایمان لانے والو! یعنی اے علیؑ والو! بچاؤ اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ ــــ اور میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں، جس سے

نفرت ہوتی ہے اس کو بچانے کی فکر نہیں ہوتی ـــــ بچانے کی فکر اسی کو ہوتی ہے جس کو جس سے محبّت ہوتی ہے ـــــ تو اللہ کا یہ پیغام دینا کہ ایمان لانے والوں۔ یعنی اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو بچاؤ ـــــ یہ خدا کی خصوصی محبّت ہے علیؑ والوں سے۔ صلوات

اور اس کے بعد اگر ہم اس آیت کو پوری توجّہ سے نہ سنیں، یاد نہ رکھیں، سوسائٹی کو سُنانے نہ رہیں، اپنے گھر والوں کو یاد نہ رکھیں، اپنی زندگی میں یہ نہ سوچیں کہ اس پیغام پر ہم عمل کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے جس خصوصی محبّت کے ساتھ ـــ جس خصوصی رحمت کے ساتھ ـــــ جس خصوصی کرم کے ساتھ علیؑ والوں کو یاد کیا تھا، علیؑ والوں نے اس کا جواب محبّتِ خدا سے نہیں دیا۔

اتنا تو کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ علیؑ اس سے راضی ہو ہی نہیں سکتے جو خدا کا خیال نہ رکھے۔

تو خداوند عالم نے ہم سے انتہائی محبّت کے بعد کہا ـــــ کیا کہا؛ اے ایمان لانے والو! ـــ اے علیؑ والو! اپنے کو بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بچاؤ کاہے سے بچاؤ؟ آگ سے بچاؤ۔

اور میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس دُنیاوی زندگی میں بھی سب سے زیادہ آدمی کو جو فکر ہوتی ہے وہ آگ ہی سے بچنے کی ہوتی ہے۔

ـــــ صلوات ـــــ

جب آنکھوں میں نیند کا کاجل لگنے لگے تو چھڑانا آسان کام نہیں ہے۔ ذاکر کے پاس ایک ہی راستہ ہے یہ کہنے کا ـــ صلوات بھیجیں!

ـــــ صلوات! ـــ صلوات! ـــــ

تو عزیزان گرامی! اس ہماری دنیاوی زندگی میں سب سے زیادہ جو فکر ہوتی ہے وہ

وہ کاہے کی۔؟ آگ سے بچنے کی۔! کوئی ایسا شہر نہیں ہے۔ کوئی ایسی آبادی نہیں، جہاں پُورا ایک محکمہ ۔ پُورا ایک شعبہ موجود نہ ہو۔ یہ کیوں ہے؟ —— یہ اسی لئے ہے —— یہ اسی لئے ہے کہ انسانی زندگی میں سب سے زیادہ جس چیز سے بچاؤ کی ضرورت ہے وہ ضرورت ہے آگ سے بچاؤ کی۔

اب میں آپ سے یہ گذارش کروں گا کہ ہمارا آپ کا فریضہ ہے کہ —— اگر دنیا کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں بھی معمولی معمولی بستیاں بھی بساتی ہیں تو ان کو آگ سے بچانے کی فکر ہوتی ہے اس کا انتظام کرتی ہیں تو ——

وہ خدائے رحمٰن ورحیم ——

وہ رب العالمین ——

وہ کریم —— وہ غفّار —— وہ توّاب —— جس کے لئے ساری رحمتیں ہیں اور جس کی ساری رحمتیں مومنین کے لئے ہیں —— علیؑ والوں کے لئے ہیں، وہ اپنی عظیم سلطنت —— اپنے مخصوص بندوں —— علیؑ کے چاہنے والوں کو آگ سے بچانے کی فکر میں ہے —— کتنا انتظام ہوتا ہے اس آگ سے بچنے اور بچانے کا —— کتنا انتظام ہوتا ہے —— کوئی عمارت نہیں بنائی جاتی ہے کہ جس کے ہر طبقے میں، ہر منزل میں، ہر مالے میں، ہر منزلہ میں آگ بجھانے کا فوری انتظام نہ ہو! یہ سامنے کی باتیں ہیں، آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ لیکن میں یاد اسلئے دلاتا ہوں کہ اگر ذہنوں میں پڑی رہیں گی تو کارآمد ہوں گی —— انتظامات یہاں تک ہوتے ہیں کہ اگر خدانا خواستہ آگ لگ جائے تو پڑھا لکھا بھی اسے استعمال کرلے اور جاہل بھی اسے استعمال کرسکے۔ جو آگ بجھانے کی چیزیں ہوتی ہیں ان کے استعمال کرنے کے لئے لکھا

بھی ہوتا ہے اور جو لکھا ہوتا ہے اس کو تصویر کی شکل میں بنا بھی دیا جاتا ہے۔ تاکہ پڑھا لکھا ہو وہ بھی آگ بجھالے ــــ اور پڑھا لکھا نہ ہو وہ بھی آگ بجھالے۔

اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ آگ سے اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو بچانا یہ عالم دین کی ذمّہ داری بھی ہے، اور اس کی ذمہ داری بھی ہے جو عالم دین نہیں ہے ــــ اگر یہ ہوتا کہ ہم آگ بجھانے کے لئے جو سامان، جو چیزیں استعمال کرتے ان کے آگے یہ لکھا ہوتا کہ صرف پڑھے لکھے لوگ اس کو استعمال کریں۔ جو پڑھے لکھے نہیں ہیں، اسے استعمال نہ کریں ــــ نہیں! جب جلنے کا دونوں کے لیے خطرہ ہے تو بچنے کا انتظام بھی دونوں کے لئے ہونا چاہیے۔ اسی لیے لکھا بھی ہوتا ہے کہ کیسے استعمال کریں گے ــــ اس کا ڈھکن کیسے کھولیں گے ــــ اس کا ہینڈل کیسے گھمائیں گے ــــ اس کا پائپ کیسے نکالیں گے ــــ لکھا ہوا بھی ہوتا ہے اور تصویر میں بتا بھی دیا جاتا ہے۔

یہ بات مجھے صرف اس لئے کہنا پڑی کہ ہماری سوسائٹی کی عظیم کوتاہیوں میں سے ایک یہ ہے کہ ہم نے اپنی ساری ذمہ داریاں عالم دین کو سونپ دی ہیں ــــ آگ اگر خدانخواستہ لگ جائے تو ہم سب بجھائیں گے ــــ اور دوزخ کی آگ میں ہم ہمارے خاندان، ہماری نسلیں جاتی رہیں۔ بچانے کا ٹھیکا کس کے ذمّے؟ عالمِ دین کے ــــ وہ عالمِ دین جو ہمارے گھر میں نہیں پیدا ہوگا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ ہمارے گھر میں ــــ ہماری دعا یہی ہے کہ انجینیئر پیدا ہو، آفیسر پیدا ہو، ڈاکٹر پیدا ہو ــــ کاتب پیدا ہو، بیوپاری پیدا ہو، کمانے والا پیدا ہو ــــ چالاک پیدا ہو، مکّار پیدا ہو ــــ مگر کمانے والا پیدا ہو!! ــــ عالم دین؟ ــــ ہم گنہگار گھروں میں عالم دین!! ــــ تو آپ

یہ سوچیئے کہ ہماری اس قوم، ہماری اس سوسائٹی میں جب ہر باپ چاہتا ہے کہ ہمارے گھر عالمِ دین نہ پیدا ہو! — ہر ماں یہ چاہتی ہے کہ ہمارے یہاں عالمِ دین نہ پیدا ہو !! تو اگر ہم نے آگ سے بچانے کا ٹھیکا عالمِ دین کو دیا بھی ہے تو اس کی سپلائی کہاں سے ہو ؟

ہمیں سماج، سوسائٹی اور معاشرے کی ان گمراہ کن باتوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ اسلام کیا کہتا ہے ؟ — اسلام یہ کہتا ہے کہ ہم نہ رنگ دیکھتے ہیں، نہ نسل دیکھتے ہیں، نہ مال دیکھتے ہیں، نہ دولت دیکھتے ہیں، نہ صورت دیکھتے ہیں، نہ سیرت دیکھتے ہیں۔ ہم تو فقط یہ دیکھتے ہیں — میں سیرت کی لفظ کیوں بول رہا ہوں ۔؟ اس لئے کہ سیرت کا لفظ عام کر دیا گیا۔ اس کی تعبیر کیرکٹر سے کی جاتی ہے۔ اسلام نے کیرکٹر کو محدود کیا ہے کہ ہم فقط تقویٰ دیکھنا چاہتے ہیں۔ سوسائٹی جس کو کیرکٹر کہدے وہ کردار و کیرکٹر نہیں ہے —

— نبیؐ جسے کیرکٹر کہیں وہ کیرکٹر ہے

— خُدا جسے کیرکٹر کہے وہ کیرکٹر ہے

— امامؑ جسے کیرکٹر کہیں وہ کیرکٹر ہے۔

اور اس کیرکٹر کا نام ہے تقویٰ — تقویٰ ہی اسلامی کیرکٹر کی بُنیاد ہے۔

آج اس پُرانے پیغام کو پھر سے تازہ کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ آج ہمیں محسوس کرنا چاہیئے کہ پیغمبر اسلامؐ نے کہا: اسلام میں کوئی فرق نہیں ہے کہ کون حبشہ کا رہنے والا کالا ہے اور کون عرب کا رہنے والا گورا ہے۔ یہ دیکھنا نہیں ہے کہ کون غلام ہے کون آزاد ہے۔ آپؐ نے فرمایا: کسی ہاشمی کو غیر ہاشمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ نہ کسی عرب کو کسی عجم پر کوئی فضیلت و برتری حاصل ہے

فضیلت کیا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

اللہ کی نظر میں باعزت فقط وہی ___ فقط وہی ہے جو صاحب تقویٰ ہے۔
یعنی اُس کردار کا مالک ___ جس کردار کو خدا و نبیؐ و امام تقویٰ کہتے ہیں۔

لیکن ہماری سوسائٹی میں کہاں کہاں غلطیاں آجاتی ہیں، کتنی بھیانک گمراہیاں آجاتی ہیں۔ ہم ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے ___ اُن کے پیچھے نہیں پڑھیں گے آپ کو پریشانی ہوگی کہ یہ "ان" اور "اُن" کون ہیں جن کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ آپ کو پہچاننے میں دقّت نہیں ہوگی۔ آپ پہلے پہچانیے کہ "ہم" کون ہیں جو نہیں پڑھیں گے ___ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہم سیّد ہیں لہٰذا ہم غیر سیّد کے پیچھے نہیں پڑھیں گے "ہم" سے مُراد کون ہوں گے ___ سیّد!

ہم نے تو الحمد للہ ہندوستان میں اتنے پیش نماز اپنے مدارس و مکاتب میں لگائے ہیں کہ اب پیش نماز ملتے نہیں ہیں۔ تو لوگوں نے کہا: "بھیجیے گا مگر سیّد بھیجیے گا"۔ ہم نے کہا: آپ کو سیّد پیش نماز زندگی میں کبھی حاصل ہونے والا نہیں۔

دوستو! آپ کا بچّہ عالم دین نہیں بنے گا تو کس کے پیچھے آپ نماز پڑھیں گے؟ ہم دولت مند ہیں تو ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا بچہ دینی تعلیم نہیں حاصل کرے ہم تعلیم یافتہ ہیں دُنیاوی اعتبار سے تو ہم چاہتے ہیں ہمارا بچّہ دینی تعلیم حاصل نہیں کرے ___ تو جب ایسوں کا بچّہ دینی تعلیم حاصل کرے گا جو ترقی یافتہ نہیں ہیں، جو دولت مند نہیں ہیں تو پھر دولت کو جھکنا ہی پڑے گا خود بخود۔

ایک منزل اور ہے ___ ایسے بھی بن جاتے ہیں ضدّی، کہ نہیں پڑھیں گے۔ مت پڑھو۔ جب تک نہیں پڑھنا ہے مت پڑھو۔ ایک دن وہ منزل ہوگی کہ تم پر نماز پڑھنی جائے گی ___ تو اگر اپنی گود کے پالوں کو تم عالم دین نہیں بناؤگے تو جن سے

زندگی میں انکار کر رہے ہو بھی تو نمازِ میّت پڑھیں گے۔!

تو یہ درمیان میں بات نکل آئی، ورنہ میں آپ کی خدمت میں جو بات عرض کر رہا تھا ـــــ سلسلۂ کلام کو ذہن میں رکھیئے کہ ہر گھر کے ہر حصّے میں آگ بجھانے کا انتظام کیا جاتا ہے ـــ اور جو آگ بجھانے کا انتظام کیا جاتا ہے اس کو استعمال کرنے کا طریقہ لکھا بھی جاتا ہے اور تصویریں بھی بنا دی جاتی ہیں، تاکہ جو پڑھا لکھا ہو وہ بھی آگ بجھالے اور جو پڑھا لکھا نہ ہو وہ بھی آگ بجھا سکے۔ یعنی میں اس مثال کے ذریعہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ علیؑ والوں کی سوسائٹی میں، محبّانِ اہلِ بیتؑ کی قوم میں جو جاہل ہے اس کا بھی فریضہ ہے کہ اپنے گھر والوں کو اور اپنے کو جہنم کی آگ سے بچائے اور جو عالمِ دین ہے اس کا بھی فریضہ ہے کہ اپنے دین کو بچائے۔

یہ جو ہم نے تقسیم کر دیا ہے کہ یہ کام صرف عالمِ دین کا ہے، یہ صرف عالمِ دین کی ذمّہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچائے۔ یہ تقسیم اسلام میں نہیں چلے گی ـــ آلِ محمدؐ کے یہاں نہیں چلے گی۔

صلوات

میں اس وقت آپ کو اس نظام اور انتظام کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو اس دُنیا میں ـــ آگ لگ جانے کے بعد بجھانے کا انتظام ـــ بے دین اور کافر حکومتیں کرتی ہیں ـــ ابھی تو میں یہیں تک کہہ رہا تھا کہ ہر گھر میں آگ بجھانے کا انتظام کیا گیا ہے اور اس کے بعد سب کو مطلع کیا گیا ہے کہ اگر خدانخواستہ آگ لگ جائے تو ـــ کہیں بھی آگ لگ جائے تو جس کو خبر ہو جائے وہ خبر کر دے۔ یہاں یہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے گھر میں نہیں لگی ـــ نہیں

کہیں آگ لگ جائے تو جو دیکھ لے کہ آگ لگ گئی ہے وہ خبر کر دے کہ آگ لگ گئی ہے اس شعبے کو جہاں سے آگ بجھانے والے آتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جب آگ کا مسئلہ ہوتا ہے تو یہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے گھر میں لگی ہے ــــ نہیں بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ پوری بستی میں کہیں آگ لگ جائے تو پھر آگ بجھانے میں سب کو دل چسپی لینا ہے یہ میں دوبارہ پھر کہنا چاہتا ہوں کہ اس کے معنی کیا ہیں کہ ہر شخص کا حسبِ حیثیت فریضہ ہے کہ وہ اپنے کو، اپنے گھر والوں کو اور اپنی قوم کو دوزخ کی آگ میں جلنے سے بچائے

صلوات

دنیاوی نظام میں یہ ہدایتیں ہیں کہ جیسے ہی تم کو کوئی اطلاع دے کہ آگ لگ گئی ہے تو تمھارے پاس جتنا سازو سامان ہے سب لے کے روانہ ہو جاؤ۔ انتظار نہیں ہے کہ پہلے یہ معلوم کرلیں، کنفرم کرلیں کہ آگ لگی ہے کہ نہیں، انتظار نہیں ہے، اور یہ بھی نہیں ہے کہ پہلے یہ معلوم کرو کہ جو آگ لگی ہے وہ پہلی منزل میں لگی ہے کہ دوسری منزل میں لگی ہے کہ تیسری منزل میں لگی؟ نہیں ــــ جتنا سامان، جتنی سیڑھیاں ہیں سب لے کے جانا ہے، جتنے پائپ ہیں سب لے کے جانا ہے، جتنا آگ بجھانے والا مادّہ ہے سب لے کے جانا ہے اور ہر وقت اس ڈیوٹی پر رہنے والے کو چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر حاضر ہی نہیں، چوکس رہنا ہے بالکل ــــ! اطلاع آتے ہی فوراً روانہ ہو جانا ہے۔ اگر اطلاع غلط ثابت ہوگی بعد میں دیکھا جائے گا۔ اگر جھوٹا کیس ہوگا، زیادہ سامان لے گئے ہیں، واپس لے آئیں گے۔ لیکن اطلاع ملتے ہی بغیر انتظار کیے ہم سب کو آگ بجھانے کے لیے روانہ ہو جانا ہے۔

بس آخری بات جو آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جب آگ بجھانے والے چلتے ہیں ــــ سن رہے ہیں آپ ــــ تو گویا کہ دوسروں سے کہا جاتا ہے

انھیں راستہ دے دو۔ تمھارا کوئی ضروری کام ہو روک لو، انھیں راستہ دے دو۔

اگر آپ میری مثالوں پر متوجہ ہیں تو اب میں کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری قوم میں جب وہ گناہ ہو رہے ہیں جن گناہوں کی بنا پر آگ کا خطرہ پیدا ہو رہا ہے۔ ہماری سوسائٹی میں واجبات چھوڑے جا رہے ہیں جن کی بنا پر جہنم کا خطرہ پیدا ہو رہا ہے تو آواز دے رہا ہے خدا کہ مجلسوں میں سارے تذکرے روک کے آگ بجھانے والے کارروان کو آنے کا راستہ دو۔ مقدم ہے ... مقدم ہے اس قافلہ کو راستہ دینا جو آگ بجھا رہا ہے۔ تو یقیناً جو تذکرے آگ بجھانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں انھیں دوسرے تذکروں پر فوقیت حاصل ہے۔

میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہوں گا: ایک جگہ ہوگی جہاں خدا کو منوانا پڑے گا، خدا کے وجود کی دلیل دینا پڑے گی۔ وہ دلیلیں کہ ماننے والا نہیں مان رہا ہے تو دوزخ کی آگ میں جائے گا۔

دوسرا موقع ہوتا ہے کہ ایک ایسا شخص ہے جو حضور سرور کائناتؐ کا کلمہ نہیں پڑھ رہا ہے۔ تو وہاں ضرورت ہے کہ حضورؐ کی نبوت کو دلائل کے ساتھ پیش کیا جائے تاکہ اس کو دوزخ کی آگ سے بچائیں۔

تیسرا موقع ہے کہ وہ خدا کو مانتا ہے، حضورؐ کو مانتا ہے مگر مولائے کائنات امیرالمومنین علی ابنِ ابی طالبؑ کو اپنا امام، پیغمبرؐ کا خلیفۂ بلافصل نہیں مانتا۔ تو ایسے موقع پر آگ سے بچانے کا بہترین تقاضا یہی ہے کہ ایسے شخص کے سامنے ان سارے دلائل کو انڈیل دیا جائے تاکہ وہ پہچان لے کہ نبیؐ کے بعد کوئی ان کا خلیفہ نہیں ہے علیؑ کے علاوہ ——

کوئی ایسا شخص ہے جو مثلاً امام جعفر صادقؑ کے بعد امام موسیٰ کاظمؑ کو امام نہیں مانتا ہے۔ تو خدا کو بھی مانتا ہے، نبیؐ کو بھی مانتا ہے، علیؑ کو بھی مانتا ہے، چھٹے امامؑ

تک مانتا ہے مگر یہ آگ کی طرف جا رہا ہے تو ضروری ہے کہ ایسے شخص کے سامنے بتایا جائے کہ امام موسیٰ بن جعفرؑ کے مقابلے میں جتنے نام پیش کیے گئے ہیں وہ سب امام باطل ہیں، وہ سب ناحق ہیں اور گمراہی کا ذریعہ ہیں۔ جیسے علیؑ کے مقابلے پر آنے والے گمراہی کا ذریعہ ہیں تو اس کے سامنے ساتویں امامؑ کی امامت، ان کے بعد کے ائمہؑ کی امامت بھی پیش کرنا بالکل حالات کا تقاضا ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ جہاں آگ لگ رہی ہے وہیں تو بجھانا ہے۔ جہاں انکارِ خدا سبب ہے ان کے جلنے کا وہاں خدا ثابت کرنا ہے۔ جہاں انکارِ نبوّت سبب ہے جلنے کا وہاں نبوّت بیان کرنا ہے۔ جہاں انکارِ ولایت و خلافت سبب ہے وہاں خلافت بیان کرنا ہے۔ جہاں امامت امام موسیٰؑ بن جعفرؑ کا انکار سبب بن رہا ہے وہاں آپ کی امامت بیان کرنا ہے اور جہاں امام قائم و غائبؑ کی غیبت اور ظہور سے کوئی انکار کر رہا ہے وہاں آپ کے وجود، آپ کی امامت، آپ کی غیبت، آپ کے ظہور کو ثابت و بیان کرے۔

لیکن! ایسا آدمی جو بے شک و شبہ خدا کو۔ نبیؐ کو۔ مولا علیؑ کو مانتا ہے۔ بارہؑ اماموں کو مانتا ہے کسی چیز کا انکار نہیں کرتا۔ اب اس کے لیے آگ کا خطرہ ہے کہ نہیں۔؟ اگر آگ کا خطرہ نہیں ہوتا تو خدا یہ نہ کہتا کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ—!

تو معلوم ہوا کہ سب کو مان لینے کے بعد بھی دوزخ کی آگ کا خطرہ باقی ہے!! پالنے والے! تجھے مانتے ہیں پھر بھی دوزخ کی آگ سے نہیں بچے۔ تیرے نبیؐ کا کلمہ پڑھ لیا پھر بھی دوزخ کی آگ سے نہیں بچے۔ تیرے بندۂ خاص علیؑ کو خلیفۂ اوّل و امامِ اوّل مان لیا پھر بھی دوزخ کی آگ سے نہیں بچے۔ ان کی اولادِ معصومینؑ کو اپنا امام مان لیا اب بھی دوزخ کی آگ سے نہیں بچے— اب کیا خطرہ ہے؟

کہا: خطرہ یہ باقی ہے کہ جن کو مانا انھیں مانتے ہو یا نہیں مانتے ــــ زبان سے نہیں، زبان سے تو تم نے کہہ دیا ہے ــــ عمل سے بھی ثابت کرو۔

صلوات

اب میں آپ کی خدمت میں جو آخری گذارش کرنا چاہتا ہوں، اور جن تذکروں کو ان شاء اللہ میں مختلف طریقوں سے، مختلف مسائل جو میرے پیشِ نظر ہیں، ان کی روشنی میں آگے پیش کروں گا وہ یہی ہے کہ جب ہم نے سب کو مان لیا تو ہمارے لیے آج خطرہ باقی نہیں رہنا چاہیے تھا۔ لیکن خدائے کریم و رحیم کہہ رہا ہے:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ــــ اے ایمان لانے والو!

اپنے کو بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بچاؤ، دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ تو معلوم ہوا جو خدا نے ہم پر واجب کیا ہے اگر ہم اس کو چھوڑ دیں گے تو آگ کا خطرہ پیدا ہو جائیگا۔ اور جو چیزیں خدا نے ہمارے لیے حرام قرار دی ہیں اگر ہم ان حرام کاموں کا ارتکاب کریں گے تو ہمارے لیے دوزخ کی آگ کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

تو، اتنی دیر کا ماحصل اگر آپ یاد رکھنا چاہیں تو میں اسی بات کو دوبارہ پھر دُہرانا چاہتا ہوں، اور ان لفظوں میں دُہرانا چاہتا ہوں کہ اے ایمان لانے والو! اے علیؑ والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ تو بچانے کا راستہ کیا ہے۔؟

خدا کہہ رہا ہے: تم مجھے تو مانتے ہو، میرے نبیؐ کو مانتے ہو، میرے بھیجے ہوئے اماموں کو مانتے ہو، میری بھیجی ہوئی شریعت کو مانتے ہو، میرے بھیجے ہوئے دین کو مانتے ہو۔ تمھیں انکار کسی بات کا نہیں ہے۔ اب اگر تم دوزخ کی آگ سے اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو بچانا چاہتے ہو تو تمھیں فقط دو کام کرنے ہیں:

ــــ واجب چھوٹنے نہ پائے، اور ــــ حرام ہونے نہ پائے۔

بس! قصہ ختم ہوگیا۔ یعنی میں اب اتنی تقریر کے بعد یہ کہہ سکتا ہوں کہ خدا یہ کہہ رہا ہے: علیؑ والو! تمہاری دو ڈیوٹیاں ہیں کہ واجب چھوٹنے نہ پائے اور حرام ہونے نہ پائے۔ کیوں؟ اس کی قیمت کیا ہے پہچانیے اور صلوات بھیج کر پہچانیے۔

دوزخ کی آگ سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ واجب چھوٹنے نہ پائے اور حرام ہونے نہ پائے۔ تو میں نے کیا سمیٹ دیا بیان میں کہ خدا علیؑ والوں سے ہدایت میں یہی کہہ رہا ہے: علیؑ والو! تمہاری ڈیوٹی ہے کہ واجب چھوٹنے نہ پائے اور حرام ہونے نہ پائے۔ پالنے والے! واجب تو سبھی پر واجب ہے اور حرام تو سبھی پر حرام ہے۔ یہ علیؑ والوں سے تو خاص طور سے کیوں کہہ رہا ہے کہ واجب چھوٹنے نہ پائے اور حرام ہونے نہ پائے۔

پالنے والے! تو نے نماز واجب کی ہے، روزہ واجب کیا ہے، حج واجب کیا ہے تو علیؑ والوں ہی پر تو واجب نہیں ہے، سب پر واجب ہے۔ حرام کمانا حرام ہے، حرام کھانا حرام ہے۔ نجس کھانا حرام ہے، نامحرم کو دیکھنا حرام ہے داڑھی منڈانا حرام ہے۔ جتنے کام ہیں اگر حرام ہیں تو سبھی کے لیے حرام ہیں ـــــ علیؑ والوں ہی کے لیے کیا ضروری ہے۔ مگر تو اس آیت میں ہم سے مخاطب ہو کے کہتا ہے: علیؑ والو! واجب چھوٹنے نہ پائے اور حرام ہونے نہ پائے۔

کہا: میں تم سے اس لیے کہہ رہا ہوں ـــــ متوجہ ہو جائیں فقرہ مکمل کرنے والا ہوں، تقریر ختم کرنے والا ہوں ـــــ کہا: یہ میں تم سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ دوسرے لاکھ واجبات ادا کریں، مگر اس کے بعد بھی دوزخ سے نہیں بچ سکیں گے اس لیے کہ جب انھوں نے اصُول کا انکار کر دیا ہے تو واجبات کی ادائیگی ان کو کہاں بچا سکے گی۔ تو ان سے ہم خاص طور سے کیوں کہیں کہ تم حرام کو چھوڑ دو۔

اس لیے کہ چھوڑیں گے یا نہ چھوڑیں گے، فرق صرف عذاب کے کم اور زیادہ ہونے کا ہوگا ورنہ ان کو رہنا پڑے گا وہیں!۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اگر واجب ادا کرنے کا فائدہ کسی کو پہونچنے والا ہے تو، اور گناہ چھوڑنے اور حرام سے بچنے کا کسی کو فائدہ پہونچنے والا ہے تو یہ فائدہ فقط علیؑ والوں کو پہونچنے والا ہے۔

صلوات

جب واجبات کو ادا کرنے کا فائدہ فقط علیؑ والوں کو پہنچنے والا ہے اور گناہ سے بچنے کا فائدہ فقط علیؑ والوں کو ملنے والا ہے تو بات کو میں مکمل کر چکا ہوں۔ اس کو پھر سے آپ ایک مرتبہ محسوس فرمالیں۔ یعنی شریعت بھیجنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے جتنی شریعتیں بھیجی ہیں یہ ساری شریعتیں بیکار ہو جائیں گی اگر علیؑ والو! تم واجبات ادا نہیں کرو گے۔ علیؑ والو! اگر تم گناہوں سے نہیں بچو گے۔ یعنی میری بھیجی ہوئی شریعت کی پوری قدر و قیمت یہی ہے کہ علیؑ والے واجبات چھوڑیں نہیں اور گناہوں کو کریں نہیں۔ اس لیے کہ جو دوسرے کرنے والے ہیں ان کو فائدہ پہونچنے والا نہیں ہے تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اگر ہم علیؑ والے ہیں تو ہم پر براہ راست ذمہ داری آتی ہے کہ واجب چھوٹنے نہ پائے اور حرام ہونے نہ پائے۔

بس! آج کی بات یہیں تک میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے اور یہیں سے اپنے بیان کو ختم کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارا فریضہ ہے کہ جو ذمہ داری فقط ہماری ہے اس میں کوتاہی نہ ہو۔

ایک آدمی ہے اس کے سات بیٹے ہیں، تو سب یہ سوچ سکتے ہیں کہ ہم پر تنہا ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ کیوں نہیں دیکھتے۔ آج یہ دیکھ لیں کل ہم دیکھ لیں گے۔ باپ کے پاس سات بیٹے موجود ہیں کوئی ہم اکیلے تھوڑا ہی ہیں ـــــ لیکن جن ماں باپ

کا ایک ہی بیٹا ہے وہ کیا سوچ سکتا ہے، ہمارے علاوہ کوئی اور بھی بیٹا ہے؟ ذرا میں اس مثال کو تھوڑا اور بڑھانا چاہتا ہوں۔ ایک ایسا بیٹا جو تن تنہا ہے، اکیلا ہے اپنے ماں باپ کا کوئی اس کے علاوہ نہیں ہے اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس کے نانا نانی بھی زندہ ہیں، دادا اور دادی بھی زندہ ہیں اور ان کا واحد پوتا ہے تو بھی ہے۔ واحد نواسہ ہے تو بھی ہے۔ ان کی اولاد میں بھی اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے تو اس ایک کو یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ ماں کو کوئی زحمت نہ ہونے پائے۔ باپ کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے دادا کو احساسِ لاوارثی نہ ہونے پائے۔ دادی کو تنہائی کا احساس نہ ہونے پائے۔ نانا نانی کو یہ محسوس نہ ہو کہ ان کی اولاد میں ہمارے علاوہ کوئی نہیں ہے تو کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے۔ معلوم ہوا جتنا کنبہ بڑھتا جائے گا اور آدمی ایک رہے گا اتنا ہی اس کی ذمہ داری کا احساس بڑھتا جائے گا۔

میں اس مثال کو بدلنا چاہتا ہوں اور یہ کہہ کے بدلنا چاہتا ہوں کہ اللہ کی ساری اُمید کس سے ہے، فقط علیؑ والوں سے ہے۔ رسول اللہؐ اپنی ساری اُمیدیں کس سے وابستہ کیے ہوئے ہیں: علیؑ والوں سے۔ اور علیؑ اپنی امیدیں کس سے وابستہ کیے ہوئے ہیں؟ اپنے شیعوں سے۔ نسلِ علیؑ کے گیارہ امامؑ کس سے اُمیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں؟ علیؑ والوں سے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ہم نے واجبات کو ادا نہیں کیا اور ہم نے اپنے کو گناہوں سے نہیں بچایا تو نہ ہم خدا کی اُمید پوری کر رہے ہیں، نہ نبیؐ کی اُمید پوری کر رہے ہیں، نہ علیؑ کی اُمید پوری کر رہے ہیں، نہ گیارہ اماموں کی اُمیدیں پوری کر رہے ہیں۔

سوچیے! زمانے میں کتنا اندھیرا ہو جائے گا اگر علیؑ والے واجبات کو ادا نہیں کریں گے اور علیؑ والے اپنے کو گناہوں سے نہیں بچائیں گے۔ صلوات

ہماری سوسائٹی میں، ہمارے خاندانوں میں، ہمارے گھروں میں کیسی باتیں ہوتی ہیں یہی باتیں ہوتی ہیں: بیٹا! تم اکیلے ہو، اپنے باپ کے بھی اکیلے ہو، اپنے دادا کے بھی اکیلے ہو، دادی کے بھی اکیلے ہو۔ چچا بھی تمھارا اکیلا ہے اس کے لیے بھی کوئی سہارا تمھارے علاوہ نہیں ـــــ تو معلوم ہوا جتنی ذمہ داری بڑھتی ہے اتنا ہی ان کے دل و دماغ میں ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیئے۔

بس، ہم کو سوچنا چاہیئے کہ علیؑ والے ہونے کے بعد ہماری ذمہ داریاں گھٹ گئی ہیں کہ ہم آزاد ہوگئے ہیں؟ یا علیؑ والا ہونے کے بعد ہماری ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔!! تو اب اتنا یاد رکھیے گا کہ اگر ذمہ داریاں ایک سے وابستہ ہوں اور وہ غفلت کر جائے تو پھر اندھیرا پھیل جائے گا یا نہیں؟ تو اگر علیؑ والے بھی غافل ہوگئے دین کی پابندی سے، واجبات کے ادا کرنے سے اور گناہوں سے بچنے سے تو زمانے میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا۔

صلوات

میں اپنی اس تقریر کو، اپنے اس بیان کو، میں اپنی اس دردمندانہ اپیل اور گزارش کو بس اتنی ہی سی بات کو سب کے ذہنوں میں راسخ کرنا چاہتا ہوں اور اس مجمع کو متحرک اور بیدار کرنا چاہتا ہوں کہ ہم کو اپنی ذمہ داریاں محسوس کرنی چاہئیں کہ آج خدا سے لے کر بارھویں امامؑ تک سب ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ تو دوست کی نگاہ کو اگر ہم دیکھتے ہیں اور اس کا حق ادا کرتے ہیں۔ بچے کی نگاہ کو ہم دیکھتے ہیں اور اس کی آرزو کو ہم پورا کرتے ہیں۔ بیوی کی نگاہ کو ہم دیکھتے ہیں اور اس کی آرزو پوری کرتے ہیں۔ اور حد یہ ہے کہ راستہ چلتے کسی مجبور اجنبی کی نگاہ کو ہم دیکھتے ہیں اور اس کی آرزو ہم پوری کرتے ہیں ـــــ تو خدا ہماری طرف دیکھ رہا ہے، نبیؐ ہماری

طرف دیکھ رہے ہیں۔ بارہ امامؑ ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ کربلا کے شہیدؑ ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ کربلا کے اسیر ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ کیا اس کے بعد اب گنجائش ہے کہ ہم کسی اور طرف دیکھیں؟

——— خدا ہماری طرف دیکھے اور ہم خدا سے نگاہ موڑ کے روزی کی طرف دیکھیں۔

——— نبیؐ ہماری طرف دیکھیں اور ہم دُنیا کی طرف دیکھیں جبکہ اس کے قدموں کے صدقے میں دُنیا پیدا ہوئی۔ وہ ہماری طرف دیکھے اور ہم دُنیا کی طرف دیکھیں۔

——— فاطمہؑ ہماری طرف دیکھیں کہ ہماری آرزوئیں تم سے وابستہ ہیں اور ہم فاطمہؑ کی طرف سے اپنی نگاہ کو موڑ کے اس ذلیل دُنیا کی طرف دیکھیں، جس ذلیل دُنیا نے فاطمہؑ کی اولاد پر ستم ڈھائے۔!!

ذرا سوچنے کی بات ہے کربلا میں جو ۷۲ شہید ہوئے ہیں، ان کے بعد جو ۶۵ اسیر ہوئے ہیں ان میں معصوم تین ہی تو ہیں ——— امام حسینؑ، امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ پانچویں امام ——— اگر ذمہ داری فقط یہی تین محسوس کرتے کہ ہم امام ہیں تو نتیجہ کیا ہوتا؟ کہ حسینؑ بھی شہید ہو جاتے اور یہ تینوں کے تینوں کربلا ہی میں شہید ہو جاتے اور ان کی شہادت کے ساتھ ساتھ دین بھی ختم ہو جاتا۔ لیکن کربلا میں جو شہید جمع ہوئے تھے، جو ۷۲ شہید ہوئے ہیں ان میں جتنے غیر معصوم تھے اور جو ۶۵ اسیر ہوئے تھے ان میں جتنے غیر معصوم تھے وہ کون تھے؟ وہ، وہ تھے جنھوں نے اپنی ذمہ داری محسوس کی ——— کیسی ذمہ داری محسوس کی؟ ایسی ذمہ داری محسوس کی کہ وہ یہ نہیں دیکھ رہے تھے کہ دُنیا کس طرف جا رہی ہے۔ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ ہمارا فریضہ ہے کہ حسینؑ کی طرف جائیں ——— کیسی ذمہ داری محسوس کر رہے تھے اس کے یاد دلانے کے لیے میں اپنی بہنوں کو، میں اپنی بیٹیوں کو، میں اپنے بچوں کو، میں اپنے بھائیوں کو صرف اتنا

یاد دلانا چاہتا ہوں کہ انسان کی جوانی وہ زمانہ ہوتا ہے جب آرزو ہی آرزو ہوتی ہے اور جوانی کا وہ دَور جب نئی نئی شادی ہوتی ہے۔ اس وقت انسان کی ساری زندگی میں آرزو ہی آرزو ہوتی ہے اور ایسے موقع پر وہبؔ کو حسینؑ کا قافلہ دکھائی دیا۔

ماں نے پوچھا: یہ کون سا قافلہ ہے جو اس راستے سے جا رہا ہے۔ اس موسم میں جا رہا ہے۔ یہ راستہ تو قافلہ چلنے والوں کا نہیں ہے اور اس زمانے میں تو قافلے نہیں چلا کرتے ہیں۔ ذرا بیٹا پتہ لگاؤ یہ کس کا قافلہ جا رہا ہے۔

وھب نے آ کے کہا: "مادرِ گرامی! یہ ہماری آپ کی شہزادی فاطمہ زہراؑ کی اولاد ہے جو مدینہ سے نکلی ہے جس سے مکہ چھوٹا ہے اور وہ عراق جا رہے ہیں کوفہ کی طرف جا رہے ہیں" ـــــ اور اس کے بعد بیٹے نے دیکھا کہ ماں کے چہرے کا رنگ اتر گیا۔

کہا: مادرِ گرامی! آپ کیوں بے چین ہو گئیں۔؟

ماں نے کہا: "بیٹا! یہ بھی پوچھنے کی بات ہے۔"

یہ وھب کی ماں نہیں سوچ رہی ہیں ـــ یہ وھب کی ماں ایک عورت ہونے کے باوجود ایک علیؑ کی کنیز ہونے کے باوجود اپنی ذمہ داری محسوس کر رہی ہیں۔ وہ سوچ سکتی تھیں کہ ہم تین آدمی ہیں جس میں دو عورتیں ہیں ایک وھب ہے۔ یہ حسینؑ کے ساتھ شامل ہوں یا نہ ہوں یہ دو عورتیں، ایک مرد کیا کر سکتے ہیں؟ ـــ لیکن انھوں نے ایسا نہیں سوچا بلکہ اپنی ذمہ داری محسوس کی، اور یہ نہیں دیکھا کہ آج ساری عورتیں اپنی اولادوں کو بچا رہی ہیں ـــ اور وھب نے یہ نہیں دیکھا کہ سارے جوان اپنی آرزوؤں کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں۔ اور وھب کی بی بی نے نہیں دیکھا کہ ساری بیبیاں اپنے ارمانوں کو پورا کر رہی ہیں۔ انھوں نے سوچا ارمان پھر پورے ہو جائیں گے، یہاں نہیں پورے ہوں گے تو اس سے

بہترین جگہ پُورے ہوں گے جو ارمانوں کے پُورے ہونے کی جگہ ہے جس کا نام جنّت ہے۔
اب ہماری ذمہ داری محسوس کرنے کی بات ہے۔ اور یہ ذمہ داری محسوس کرنے والے حسینؑ
کے قافلے میں شامل ہو گئے۔

اور اسی ذمّہ داری کا احساس تھا جو عاشور کے دن وھب کو بلوا رہا ہے۔ ماں
کی آواز کانوں میں آتی ہے ــــــ

بیٹا! اتنے شہید ہو گئے تم اب تک شہید نہیں ہوئے۔ کیا میرے لال تم اپنی
شہادت کی سُرخروئی کے ذریعہ اپنی ماں کو سرخرو نہیں کرو گے!؟ــــ یہ ماں بڑھاپے میں
بیٹے کے لیے موت کی تمنّا کر رہی ہے۔ شہادت کی تمنا کر رہی ہے۔ یہ احساسِ فرض ہے
جو ماں کو آمادہ کر رہا ہے اور جب بیٹے نے اپنی ساری ذمّہ داریوں کو محسوس کیا اور اس
میں سے بی بی کا حصّہ الگ کرنے کے لیے کہا کہ اماں اتنی اجازت دے دیجئے کہ میں
بی بی کو رخصت کر آؤں ــــــ

کہا: جاؤ! ضرور جاؤ۔ منع نہیں کیا، کیوں؟ اس لیے کہ جو دین کا جانے
والا ہے وہ کسی کے حق کو ادا کرنے کو رد کرے۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ مگر کسی کا حق ایسا
نہ بڑھ جائے کہ دوسرے کا حق رُک جائے یا چھن جائے۔ ماں نے کہا:

"جاؤ۔ مگر دیکھو! عورتیں رد کا کرتی ہیں۔ اگر روکے بی بی تو رُکنا نہیں۔"

میں ہمیشہ جب مصائب پڑھتا ہوں، تو ایک گزارش کیا کرتا ہوں۔ اسے آج
بھی آپ کے سامنے دُہرانا چاہتا ہوں کہ جب میں مصائب پڑھتا ہوں تو میں مجبُور ہوتا
ہوں کہ مقاتل کی کتابوں میں جو روایتیں ہیں، ان روایتوں میں جو الفاظ ہیں فقط ان ہی
الفاظ کو میں پیش نہیں کر سکتا ہوں۔ میں اس واقعہ کے ذریعہ جو ماحول بنتا ہے جو سماں
بنتا ہے، جو تصوّر بنتا ہے اور وہ واقعہ خود اپنی زبان میں جس طرح بولنا چاہتا ہے

اس واقعہ کو اس کی زبان میں میں آپ کے سامنے پیش کیا کرتا ہوں ۔ یہ بات میں آپ سے اس لیے کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے میں خدا کے سامنے اپنے ہر لفظ کے لیے جواب دینے کی آسانی پیدا کرسکوں ۔

بس عزادارانِ مظلوم ! جب وھب نکلے تو کیسے نکلے ؟ بی بی کو لے کے نکلے حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا :

" مولا ! میں میدان میں جانا چاہتا ہوں، اور یہ زینبؑ کے خیمہ میں جانا چاہتی ہے ۔ اس نے زینبؑ کے خیمے میں جانے کے لیے اس لیے کہا ہے کہ اس کا خیال ہے کہ میرے مرجانے کے بعد ان کے خیمہ کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہوگا لہٰذا یہ شہزادی زینبؑ کے خیمے میں جانا چاہتی ہیں تاکہ میرے بعد ان کی محافظت ہو سکے ۔

امام حسینؑ نے فرمایا : " ہاں، ہاں ۔ بھیج دو ۔"

وھب نے کہا : ایک اور بات چاہتی ہے کہ آپ سے یہ ضمانت چاہتی ہے، یہ اطمینان چاہتی ہے کہ اس کو بھی جنّت میں جگہ مل جائے اور میرے ساتھ جگہ مل جائے

حسینؑ نے کہا : میں وعدہ کرتا ہوں، میں ضمانت لیتا ہوں، میں ذمہ داری لیتا ہوں ــــ تو جنابِ وھب میدان کی طرف گئے اور وھب کی بی بی شہزادی زینبؑ کے خیمہ میں چلی گئی ۔ اور ماں اپنے خیمہ کا پردہ ذرا سا ہٹا کے اپنے لال کو جاتے ہوئے دیکھ رہی ہے ۔ موت کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہی ہے ۔ بہتے ہوئے خون کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہی ہے ۔ اور تھوڑی ہی دیر میں جو سوچا تھا وہ آنکھوں سے دیکھنے لگی ــــــ

وہ تلوار ہے جو بیٹے پر پڑی ہے ۔ وہ تیر ہے جو آ کے فرزند کو لگا ہے ۔ وہ شانے پہ تلوار پڑی ہے اور ہاتھ بیکار ہوگیا ہے، اب دوسرے شانے پر تلوار پڑی ہے

اور دونوں ہاتھ جھول گئے ہیں، مجبور ہو گیا ہے بیٹا اور اتنا مجبور ہو گیا ہے کہ اس کے ہاتھ کام نہیں کر رہے ہیں۔ لہٰذا اب شیر پر حملہ آسان ہے۔ بزدل آگے بڑھ رہے ہیں۔ کوئی پتھر مار رہا ہے کوئی تیر پھینک رہا ہے کوئی تلوار سے اذیت دے رہا ہے۔

وھب کی بی بی یہ دیکھ کر بے چین ہو جاتی ہے اور خیمہ کی عمود لے کے نکل پڑتی ہے مدد کے لیے ــــ اور وہیں سے وھب آواز دیتے ہیں:

آقا۔ آقا! میری بی بی کو خیمہ میں واپس بلالیں، تاکہ میری ناموس میری زندگی میں محفوظ رہے۔

حسینؑ آواز دیتے ہیں: وھب کی بی بی پلٹ آؤ۔ عورتوں پر جہاد ساقط ہے اور بی بی پلٹ آتی ہے اور ماں دیکھتی ہے۔ آخری منظر دیکھتی ہے ــــ دَو جملے پڑھوں گا اور مجلس تمام کردوں گا ــــ ماں دیکھتی ہے اور آخری منظر دیکھتی ہے، جس کو اپنے سینے پر لٹا کر پالا تھا اسے زمین پر لیٹا ہوا دیکھتی ہے، اور جس کو اپنے سینے پر بٹھایا تھا اس کے سینے پر دشمن کو بیٹھا ہوا دیکھتی ہے اور اپنی آنکھوں سے قاتل کے ہاتھ میں خنجر دیکھتی ہے۔ اور تھوڑی دیر میں ماں نے وہ دیکھا جسے دیکھنے کی کسی ماں میں طاقت نہیں ہے۔ خون ٹپک رہا ہے جوان بیٹے کے سر سے، اور سر قاتل کے ہاتھ میں ہے، ظالم کے ہاتھ میں ہے، جلاد کے ہاتھ میں ہے۔ وھب شہید ہو چکے ہیں کٹا ہوا سر دشمن کے ہاتھ میں ہے اور دشمن نے ایک مرتبہ وہ سر ماں کی طرف پھینکا ہے ... آکے گرا ہے ... ماں نے پردہ اٹھایا ہے خیمہ کا اور سر اُٹھایا ہے ... خاک صاف کی ہے .... خون پونچھا ہے اور کلیجے سے لگایا ہے ... میرے لال ... میرے لال! تو نے میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا ہے۔ یہ کہتے ہوئے سر کو بیٹے کے کٹے ہوئے سر کو ماں کلیجے سے لگا کے یہ بھی کہتی ہے کہ تم نے میرے

لال حق ادا کر دیا۔ یہ فرض کا احساس ہے جو ماں کی زبان سے یہ جملہ کہلا رہا ہے اور پھر اللہ جانے ماں نے اپنے صبر کو کس طرح منزل کمال تک پہونچایا۔ ایک مرتبہ خیمہ کا پردہ اٹھایا اور بوڑھے ہاتھوں نے سر تھاما... جوان کے کٹے ہوئے سر کو تھاما اور اس کے بعد دشمن کی طرف یہ کہہ کے پھینک دیا :

"تم نے ہمیں پہچانا نہیں۔ ہم فاطمہؑ کی لونڈیاں ہیں — تم نے ہمیں پہچانا نہیں ہم فاطمہؑ کی کنیزیں ہیں۔ اور فاطمہؑ کی کنیزیں جو راہِ خدا میں دے دیتی ہیں اسے واپس نہیں لیا کرتی ہیں۔

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ
اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ

مجلس

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا

آج میں آپ کے سامنے قرآن مجید کے اسی فقرہ کو پھر دُہرا رہا ہوں۔

قرآن مجید کے اس فقرہ میں آپ جانتے ہیں کہ اللہ ہم سے اور آپ سے یہ بات کہہ رہا ہے کہ اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو، اپنی فیملی کو اس دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، اور جس پر انسانوں کو سزا اور عذاب دینے کے لئے وہ ملائکہ معین ہونگے جو مزاج کے سخت اور شدید ہوں گے، وہ حکم خدا پر عمل کریں گے، اللہ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

میں نے آپ کے سامنے پہلے ہی دن سے یہ گزارش کی ہے کہ ہماری سوسائٹی کی بالکل صحیح صورتِ حال یہی ہے کہ ہم بے شک وشبہ یقیناً خدا کا یقین رکھتے ہیں، نبیؐ پر ایمان رکھتے ہیں، ائمہ اہلِ بیت علیہم السّلام سے محبّت کرتے ہیں۔

لیکن اس حکم کے ساتھ ساتھ یہ بات بالکل حقیقت ہے جو جھٹلائی نہیں جاسکتی ہے کہ ہم اپنی پرائیوٹ اور نجی زندگی میں ــــ ہماری فیملی اپنی پوری زندگی میں اور ہماری سوسائٹی روزمرہ کے کاموں میں بے شمار خدا و نبیؐ اور امامؑ کے احکام اور

قوانین کی مخالفت کرتی ہے اور ہم واجب چھوڑ دیتے ہیں اور حرام کا ارتکاب کرتے ہیں۔
ہماری سوسائٹی اس صورتِ حال کا مطلب سمجھ لے کہ اللہ ہمیں اس بات سے باخبر کر رہا ہے کہ ایمان لانے والو! اپنے کو، اپنے گھر والوں کو، اپنی فیملی کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔
تو اگر ہم نے اپنی سوسائٹی کو اس حال پر باقی رہنے دیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ایمان کے باوجود آگ سے قریب ہوگئے ہیں۔

میں جو باتیں آپ کے سامنے کہنا چاہتا ہوں، ان کے کہنے سے پہلے ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں اُسے آپ توجہ سے سُنیں! ہر مومن کا فریضہ خدا نے یہ قرار دیا ہے کہ وہ اپنی فیملی کو، اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچائے۔ آپ کی توجہ حاصل کرتے ہوئے ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ جب میں یا آپ میں سے کوئی شخص بھی اللہ کے اس حکم سے مستثنیٰ نہیں ہے کہ جتنے آدمی ہم سے متعلق ہیں، ہم ان کو دوزخ سے بچانے کی کوشش کریں۔

تو اب میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایک ذاکر جب منبر پر آتا ہے جس کو اُس کے سننے والے عزّت دیتے ہیں، تو اس ذاکر کا کیا فریضہ ہو جاتا ہے؟ وہ آگ سے بچانے کی کوشش کرے یا نہ کرے؟ اگر آگ سے بچانے کی کوشش کرے تو یقیناً اس کو ان باتوں کا تذکرہ کرنا پڑے گا، جن کو سُن کر لوگ متوجہ ہو کر اپنے آپ کو آگ سے بچائیں ــــ!

دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم دس دن کے لئے آئے ہیں آپ نے ہمیں عزّت دی ہے ہم اس عزت کا غلط فائدہ اٹھائیں اور صرف عزّت تک بات رہنے دیں اور چلے جائیں۔
میں سمجھتا ہوں کہ محبّت کا تقاضا یہ ہے، آپ سے سچّی اور صحیح محبّت یہی ہے کہ میں ان تذکروں کو پیش کروں جو ہماری سوسائٹی کو اس بات کی طرف متوجّہ کریں کہ کہیں

آگ کے قریب تو نہیں ہو رہے ہیں ؟ تاکہ اپنے کو، اپنے گھر والوں کو، اپنی سوسائٹی کو دوزخ کی آگ سے بچائیں ـــــ تو میں سمجھتا ہوں کہ اگر ایک ڈاکٹر جو فقط آپ سے فیس لے لے، فقط دواؤں کی قیمت لے لے، اور آپ کی بیماری کو نہ دیکھے تو وہ ڈاکٹر، ڈاکٹر نہیں ہے۔ تو آپ اس سے بھی اتفاق کریں گے کہ جو ذاکر آپ کی دی ہوئی عزت پر اکتفا کرے اور آپ سے محبّت نہ کرے وہ ذاکر نہیں ہے۔ اُسے منبر پر آنے کا حق نہیں ہے ہاں ایک بات ٹھیک ہے کہ کبھی کبھی دَوا میٹھی ہوتی ہے تو مریض بھی راضی رہتا ہے اور ڈاکٹر بھی راضی رہتا ہے۔ کبھی دَوا کڑوی ہوتی ہے تو مریض ناراض ہوتا ہے مگر مریض کے ناراض ہونے پر بھی ڈاکٹر کو ناراض ہونے کا حق نہیں ہوتا ہے۔ جب کوئی ڈاکٹر کسی بچّے کے انجکشن لگانا چاہتا ہے تو بچّہ روتا بھی ہے، بچّہ بگڑتا بھی ہے۔ بچّہ گالیاں بھی دیتا ہے ـــــ بچّہ ڈانٹ بھی کھاتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی ڈاکٹر کا فریضہ یہی ہے کہ وہ غصّہ نہ کرے، ناراض نہ ہو ـــــ وہ جو محبّت کا تقاضا ہے اسے پورا کرتا رہے۔

عزیزانِ گرامی!

مجھے چار دن مجلسیں پڑھنے کے بعد یہ محسوس ہوا کہ آپ کے اندر کچھ اختلافات پائے جاتے ہیں ـــــ آپ کے اندر ایک دوسرے کے بارے میں شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں۔ لیکن میں آپ کے سامنے آج کے بعد دوبارہ کبھی کہنے کی ضرورت نہیں محسوس کروں گا۔ آج میں ایک مرتبہ اور آخری مرتبہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں آپ کے درمیان کا آدمی نہیں ہوں۔ میں باہر سے آیا ہوں، میرا رابطہ، میرا تعلق، میری محبت کسی خاص آدمی سے، کسی خاص جماعت سے، کسی خاص گروپ سے نہیں ہے۔ میں ہر شیعہ اثنا عشری کی خدمت کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

اب آپ بتلائیں کہ میں لاعلمی میں اگر کوئی ایسی بات کہتا ہوں جو کسی کی ذات کے مطابق ہوجاتی ہے تو میرے پاس علم غیب تو نہیں ہے لیکن آپ مجھ کو فیصلہ کر کے بتلائیں کہ میں کیا راستہ اختیار کروں۔ ؟

میں نے اگر کہا کہ نماز پڑھو اور وہ آدمی ناراض ہوجائے جو نماز نہیں پڑھتا ہے، تو اس کے ناراض ہونے کی بنا پر کہنا چھوڑ دوں کہ نماز پڑھو؟

میں نے کہا کہ داڑھی رکھو، تو جو داڑھی منڈاتے ہیں جن کو میں نے بتایا کہ داڑھی مُنڈانا حرام ہے، تو وہ ناراض ہوئے، تو میں نے داڑھی کا منڈانا جائز کردیا، یا بیان کرنا بند کر دیا۔ ؟ تو یہ بتائیں کہ میں کیا چیز بیان کروں اور کیا چیز بیان نہ کروں۔

مجھ کو آپ سے صرف اتنا کہنا تھا کہ میں اپنے خیالات پیش کرنے آیا ہوں۔ میں کسی کی ہدایت اور رہبری کے ماتحت کچھ کہنے کے لئے حاضر نہیں ہوا ہوں۔ جو کچھ میں کہتا ہوں اپنے خیال سے کہتا ہوں اور اس لیے کہتا ہوں کہ میں سوسائٹی کو دوزخ کی آگ سے بچانا اپنا فریضہ سمجھتا ہوں۔ میں آپ کے سامنے اس لیے نہیں آیا ہوں کہ میں آپ کو جوابدہ ہوں ــــ میں جب منبر پر آتا ہوں تو میرے سامنے یہ حقیقت رہتی ہے کہ مجھے خدا کو جواب دینا ہے، مجھے نبیؐ کو جواب دینا ہے، مجھے امامؑ کو جواب دینا ہے تو میں صرف یہ سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ میں خدا و نبیؐ و امامؑ کے سامنے کہہ سکوں، کہ پالنے والے! میرے نبیؐ! میرے امامؑ! میں نے اپنی بساط بھر پیغام پہونچانے میں کوئی کمی نہیں کی ہے اور اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو جوڑ کے بڑی دردمندانہ اپیل کے ساتھ یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ اگر لاعلمی میں میں نے کوئی ایسی بات کہی جو کسی کی ذات پر منطبق ہوگئی تو اس کو رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ میں اس سے یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ ہرگز میرا منشا نہیں ہے کہ آپ رنجیدہ ہوجائیں۔ آپ رنجیدہ

ہوجائیں گے تو میں جو آپ میں تبدیلی پیدا کرنا چاہتا ہوں وہ تبدیلی نہیں پیدا کر سکوں گا۔

تو جہاں تک میرا فریضہ ہے کہ میں آپ سے اتنی معذرت کرلوں کہ اب تک میرے بیان میں، یا آئندہ کسی بیان میں کوئی ایسی بات آتی ہے جو کسی کی ذات پر منطبق ہو جائے ایک مرتبہ اور آخری مرتبہ کہتا ہوں اور کبھی دہراؤں گا نہیں، جو کچھ میں کہوں گا وہ بغیر کسی علم کے، بغیر کسی ذات کو سامنے رکھ کر کہوں گا۔ منطبق ہو جانا مجبوری ہے۔

اگر دل دکھ جائے تو دل کے دکھنے کے لیئے تو میں پچھلی تقریروں کے لیئے آپ سے معذرت بھی کر سکتا ہوں اور آئندہ کبھی دل دکھ جائے تو اس کے لیئے ابھی سے معذرت کیے لیتا ہوں۔

لیکن عزیزانِ گرامی! میں اپنے مقصد سے ہٹنے والا نہیں ہوں، میں اپنے راستے کو تبدیل کرنے والا نہیں ہوں، آپ راضی رہیں گے یا ناراض رہیں گے اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

قیمت یہ ہے کہ میں ذاکرِ حسینؑ ہوں ______ حسینؑ مجھ سے راضی رہیں گے یا نہیں راضی رہیں گے ___؟ ____صلوات!

تو میرے بیان سے اگر آج یا آئندہ کبھی بھی یہاں یا کہیں کسی آدمی کا دل دکھ جائے تو وہ میری مجبوری ہے۔ اس لیے میں آپ سے معذرت کرتا ہوں اور معافی مانگتا ہوں لیکن مجھے خدمت کا موقع دیجئے۔

عزیزانِ گرامی!

اب میں اس ضروری تذکرہ کے بعد اپنے اصل بیان کا آغاز کرنا چاہتا ہوں:
میں نے آپ کے سامنے اس سے پہلے کہا تھا کہ یہ جو صورتِ حال پائی جاتی ہے

کہ ہم خدا و نبیؐ و امامؑ کو مانتے ہیں لیکن ان کے احکام کے سامنے سر جھکانے کے بجائے نافرمانی کرتے ہیں اور نافرمانی کرنے پر نہ ڈرتے ہیں نہ جھجکتے ہیں، نہ خوف زدہ ہوتے ہیں نہ لرزتے ہیں، نہ کانپتے ہیں نہ شرمندہ ہوتے ہیں، بلکہ نافرمانی کو بھی باقی رکھنا چاہتے ہیں اور ایمان کو بھی باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ جو عملی تضاد پیدا ہے اس کے اسباب ڈھونڈھنا پڑیں گے اور اسباب کا علاج کرنا ہوگا۔ تاکہ ہم ایمان کے بعد ایمان کا فائدہ اٹھا سکیں اور اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے محفوظ کر سکیں۔

میں نے اب تک آپ کے سامنے جو تذکرے کیے ہیں جن کی وجہ سے ہماری سوسائٹی میں یہ عملی تضاد پیدا ہے کہ خدا کو مانیں اور حکم نہ مانیں۔ نبیؐ کو مانیں اور حکم نہ مانیں امام کو مانیں اور حکم نہ مانیں اس میں سے آج ایک نیا سبب آپ کے سامنے عرض کرنا ہے ــــ اور وہ سبب یہ ہے کہ ہماری سوسائٹی میں دین کی پابندی کے سرکِل بنا دیے گئے ہیں۔ آپ اس بات کو توجہ سے سوچیں کہ میں کیا عرض کرنا چاہتا ہوں۔

ہماری سوسائٹی میں حلال و حرام کی پابندی کے لئے، واجبات کو ادا کرنے کے لئے گناہ اور حرام کاموں سے بچنے کے لئے سرکِل بنا دیے گئے ہیں اور ان سرکلوں کے اندر ہم رہتے ہیں تو ہمارے لیے حلال حلال رہتا ہے، حرام حرام رہتا ہے۔ واجب واجب رہتا ہے۔ لیکن جب سرکل سے باہر چلے جاتے ہیں تو نہ حرام حرام رہتا ہے نہ حلال حلال رہتا ہے نہ واجب واجب رہتا ہے۔

آپ کو مجھ سے پوچھنے کا حق حاصل ہے کہ ہماری سوسائٹی میں کون سے سرکل ہیں تو پہلا سرکل تو یہی ہے جس کا نام ہے اصلِ محبت۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر امام حسینؑ کی محبت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی مصروف زندگی میں وقت نکالیں کہ کہیں نہ کہیں مجلس میں جاکر شریک ہو جائیں ــــ تو یہ حسینؑ کا حق ہماری پوری زندگی پر ہے یا یہ محرّم کے

دس۱۰ دنوں کے اندر؟

اگر ہم گیارہ محرم کو کہتے ہیں کہ ہماری بڑی لائف میں گنجائش نہیں ہے کہ ہم مجلس میں آسکیں، مسجد میں آسکیں، کسی دینی سمینار میں آسکیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں سے دس۱۰ راتیں نکالیں حسینؑ کے لئے، تو دس۱۰ راتیں حسینؑ کے لئے ہیں اور بقیہ ساری راتیں کیا (معاذاللہ) یزید کے لئے ہیں؟

اور جب بات سنگلی پر آگئی ہے تو کچھ وہ ہیں جو پہلی محرم سے دس۱۰ محرم تک آتے ہیں۔ کچھ اتنے مصروف رہتے ہیں کہ وہ سات محرّم سے آتے ہیں، کچھ ان سے زیادہ بڑی لائف والے آتے ہیں وہ فقط شبِ عاشور آتے ہیں۔

ہم نے کہا: فلاں صاحب، جب تک ہم رہے لندن میں مجلس آتے رہے، آپ کو نہیں دیکھا شبِ عاشور کے بعد؟

کہا: وہ بیکار رہے ہوں گے، ان کے پاس کام نہیں رہا ہوگا مجلس میں آتے رہے ہوں گے۔ مولوی صاحب ہم کو تو ہزاروں کام ہیں، ہم کہاں تک مجلس میں آسکتے ہیں۔

دیکھئے! ایک بات سنیئے گا کہ جب ہم نے مجلس کی بات کی، جب ہم نے مسجد کی بات کی، جب ہم نے واجبات کی ادائیگی کی بات کی، جب ہم نے گناہوں سے بچنے کی بات کی تو کسی آدمی نے کہا کہ ہم بہت بزی ہیں، ہماری لائف میں اتنی فرصت نہیں ہے کہ ہم اتنا وقت اپنے کاموں کو چھوڑ کے مذہب کے کاموں کے لئے نکال سکیں۔ تو ایک بات بتایئے ——— جب ہماری نوکری ختم ہوگئی تو ہم نے خدا سے کہا:

"پالنے والے! پھر ہمیں نوکری دلا دے"۔

جب ہمارا بچہ بیمار ہوگیا تو ہم نے کہا:

"پالنے والے! اسے اچھا کردے!"

جب ہم کسی کیس میں پھنس گئے، تو ہم نے کہا:

"پالنے والے! ہم کو نجات دے۔"

کسی بھی مشکل میں پڑے تو خدا سے دُعا مانگنا شروع کی ــــ اگر پلٹ کر اس نے کہا کہ میں بہت بزی ہوں، مجھے تمھاری دُعا سننے کی فرصت نہیں ہے۔ تو کیا ہوگا ہمارا حشر؟

اور اگر آپ سوچئے تو واقعی خدا ہی بزی ہے، وہ اتنا بزی ہے کہ اس سے زیادہ کوئی بزی نہیں ہے، وہ ایک سکنڈ کے لیے بھی خالی نہیں ہے۔ البتہ وہ قدرتِ کاملہ کا مالک ہے۔ وہ لاکھوں، کروڑوں، بے شمار کام کرتا ہے، مگر نہ اس کے لیے تھکن پیدا ہوتی ہے نہ مصروفیت پیدا ہوتی ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ قدرتِ کاملہ کا مالک ہے۔

میں اس مثال کو آگے بڑھانا چاہتا ہوں کہ ہم نے زندگی میں دس دن حسینؑ کیلئے رکھے ہیں اور بقیہ سارے دن حسینؑ کے لیے نہیں رکھے۔ میدانِ حشر میں پہنچے:

اِدھر دوزخ دیکھا، جو ہمارے گناہوں کی پاداش میں ہمیں آواز دے رہا ہے:

"تمھارا ریزرویشن اِدھر ہے، اِدھر آؤ۔"

ہم نے اُدھر جنّت دیکھی ـ جدھر ہم جانا چاہتے ہیں۔ درمیان میں ہم نے دیکھا کہ حسینؑ کے علاوہ کوئی نہیں ہے جو ہمیں جنّت دلا سکے۔ ہم نے حسینؑ سے کہا:

"مولا! شفاعت کر دیجئے ــــ شفاعت کر دیجئے تاکہ ہم دوزخ سے بچ جائیں، اگرچہ ہم نے اتنے گناہ کیے ہیں جو دوزخ کے قابل ہیں، مگر آپ شفاعت کر دیجئے تاکہ ہم جنّت میں پہونچ جائیں۔"

تو اگر حسینؑ نے ہم سے کہا کہ دس راتوں کے لئے تو میں شفاعت کر سکتا ہوں، بقیہ راتیں تو تم نے آزاد رکھی تھیں، ان کے لیے تو دوزخ میں جانا ہی ہوگا۔

یہ باتیں مثالوں میں اس لیے عرض کرتا ہوں کہ میری بیٹیاں، میری بہنیں، میرے

بچے، میرے جوان، میرے بھائی ان باتوں کو پورے طور پر محسوس کر سکیں۔ میں نے ایک مثال دی آپ کے سامنے کہ ہم نے دین کے لیے سرکل بنائے ہیں، محرم کے دس دن ہمارے لیے پابندیٔ دین کی بات ہے۔ کچھ چہلم تک کچھ باتیں چھوڑ دیتے ہیں۔ کچھ رمضان کے آنے پر کچھ نیک کام کرتے ہیں، کچھ گناہ کم کر دیتے ہیں۔

ایک صاحب سے ہم نے پوچھا ــ وہ نماز پڑھ رہے تھے ــ ہم نے پوچھا کہ آپ کے بچّے نے بھی نماز پڑھی؟ انھوں نے مجھے غور سے دیکھا، کہنے لگے:

"جی! آپ نے کیا پوچھا؟"

میں نے کہا: یہ پوچھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ کے بچّے نے بھی نماز پڑھی؟

کہا: ہمارا بچّہ۔؟ ــ ہم نے کہا ہاں آپ ہی کا بچّہ ہے اسی لیے ہم نے آپ سے پوچھا، ــ کہا: "ہم نے بھی ساٹھ سال ہونے کے بعد شروع کی ہے، تو وہ ہمارا بچّہ ایسے کیسے پڑھ لے گا؟"

ہم نے کہا: "نماز واجب ہے۔"

کہا: "واجب تو ہے مگر ابھی تو بچّہ ہے۔"

اور یہ کب تک بچّہ رہے گا ــ جب تک باپ نہ مر جائے!

مذہب یہ کہتا ہے کہ جہاں سے لڑکی یا لڑکا بالغ ہو جائے وہاں سے مذہب کی پابندی اس پر واجب ہو جاتی ہے۔ مذہب کا کیا سرکل ہے؟ مذہب کا سرکل یہ ہے کہ جب تک بالغ نہیں ہے تب تک نہ کوئی چیز واجب ہے اور نہ کوئی چیز حرام ہے۔ بالغ ہونے کے ساتھ ساتھ دوسرا سرکل یہ ہے کہ جب تک عقل باقی ہے تب تک واجبات واجبات رہیں گے، یا خدانخواستہ اگر کسی وجہ سے کسی کے پاس عقل نہ رہے، ہوش نہ رہے، تو اب نہ واجب واجب رہے گا، نہ حرام حرام رہے گا۔ مذہب کے سرکل

ہیں، بالغ پر واجبات ہیں، دین کی پابندی اس پر ہے، دین کی پابندی کی ذمہ داریاں اس پر ہیں ـــــ لیکن اگر مجبور ہو جائے تو جب تک اس کی مجبوری باقی رہے گی تب تک دین کی پابندی وہاں تک اُٹھا دی جائے گی جہاں تک اس کو مجبوری رہے گی۔

تو مذہب نے ہمارے حالات سامنے رکھ کر وہ سرکل مقرر کر دیے ہیں۔ دین کی پابندی کرنا، دین پر عمل کرنا ہمارے لیے مشکل نہ رہ جائے۔ لیکن ہم نے اس سے الگ ہٹ کے سرکل بنا لیے ہیں۔ یہ سوسائٹی کے سرکل ہیں۔ ان کو نہ خدا جائز قرار دیتا ہے، نہ نبیؐ جائز قرار دیتے ہیں، نہ بارہ اماموں میں سے کوئی امام ان کو جائز قرار دیتا ہے۔

میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید ہم سے کیا کہتا ہے؟ قرآن مجید ہم سے کہتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ

"ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا ہے"

صرف عبادت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو حق نہیں ہے کہ وہ ہماری مرضی کے خلاف زندگی بسر کرے۔ بڑی عجیب و غریب بات ہے کہ ہم اس زندگی میں انسانوں کی لگائی ہوئی پابندیوں پر عمل کر رہے ہیں۔ جہاں لکھا ہوتا ہے: NO SMOKING "نو اسموکنگ" تو ہمیں کتنی ہی سگریٹ پینے کی بے چینی کیوں نہ ہو، ہم نہیں پئیں گے۔ اور اگر پئیں گے تو غیر مہذب ہو جائیں گے۔ جس گھر میں آئے ہیں، جہاں آ کر بیٹھے ہیں، ان کے قانون کی خلاف ورزی ہو جائے گی۔ ہم نے کہا: "آپ تو بہت پیتے تھے، اب کیوں نہیں پی رہے ہیں" کہا کہ دیکھتے نہیں ہو، لکھا ہوا ہے "نو اسموکنگ"۔

تو بندے نے لکھ دیا کہ نو اسموکنگ! تو ہم پابندی کریں گے۔

اور اگر شریعت نے کہا کہ یہ کام نہ کرو، تو ہم مجبوریاں بیان کرنے لگتے ہیں، تو ذرا یہ

پہچانیے کہ انسان کی پابندیوں کی قیمت ہمارے سامنے ہے اور خدا کی پابندیوں کی قیمت نہیں ہے۔ تو فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ہماری نگاہ میں انسان بڑا ہے یا خدا بڑا ہے۔

میں آپ کے سامنے تھوڑے سے سرکلوں کا اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرے پیش نظر کوئی ایک شخصیت نہیں ہے اور اگر میری بات کسی پر جاکر منطبق ہو جائے تو اس کی ذمّہ داری ہرگز مجھ پر نہیں ہے اور میں کسی پر پابندی عائد کرنے پر تیار بھی نہیں ہوں۔ میں تو دوزخ کی آگ سے بچنا چاہتا ہوں اور بچانا چاہتا ہوں، بطفیل محمدؐ و آل محمدؐ

صلوات

میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہماری عمر کم ہے ہم پر واجب واجب نہیں ہے، اور حرام حرام نہیں ہے۔ کچھ لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ جناب ہم انڈیا میں ہوتے، ہم پاکستان میں ہوتے وہاں کے حالات کچھ اور تھے اور اس ملک کے حالات کچھ اور ہیں، لہٰذا جو وہاں واجب تھا وہ یہاں واجب نہیں ہے جو وہاں حرام تھا وہ یہاں حرام نہیں ہے ــــ اور بھی سرکل ہیں۔

ایک صاحب ہیں، اعلیٰ عہدہ دار ہیں۔ ہم نے کہا کہ آپ کے لیے کیا حکم ہے۔؟ انھوں نے کہا: "سارے احکام قبول ہیں لیکن ہم کو سب سے پہلے ہماری سروس دے دو۔"

سوال یہ ہے کہ جس خدا نے مذہب بھیجا تھا کیا اس کو یہ خیال نہیں تھا کہ وہ سروس دے دے؟ ــــ ہماری سوسائٹی میں بہت نمونے ملتے ہیں۔ ایک دولت مند آدمی، ایک حکومت میں حصّہ دار آدمی، ایک سیاسی پارٹی میں اثر رکھنے والا آدمی ــــ اس کا جب تذکرہ ہوتا ہے تو ہم نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ یہ دین کو مانتے ہیں، دین کی پابندی نہیں کرتے ہیں۔؟

کہا: "جناب! عید، بقر عید آجاتے ہیں، یہی کیا کم ہے!!"

یعنی چوں کہ ہماری سوسائٹی میں بڑے آدمی ہیں، لہٰذا جو سوسائٹی میں بڑا ہے وہ خدا کے سامنے اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ تین سو پینسٹھ دنوں میں صرف دو دن خدا کے لیے ہیں، تین سو تریسٹھ دن خدا کے علاوہ ہے!

"جناب! ان کو کہاں فرصت ہے، ان کو کہاں موقع ہے"۔۔۔۔۔

لیکن میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو ہم نے جتنے سرکل بنائے ہیں یہ سارے سرکل ہم کو دوزخ کی آگ سے قریب کر رہے ہیں۔ اور خدا ہمیں آواز دے رہا ہے کہ

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْآ اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا

ایمان لانے والو! دین کی پابندی کرو، واجبات کو ادا کرو۔ گناہوں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ یہ مت دیکھو کون بڑا ہے، کون چھوٹا ہے۔ کون مرد ہے، کون عورت ہے۔ کون ایجوکیٹڈ ہے، کون نان ایجوکیٹڈ ہے۔ کون لکھ پتی، کروڑ پتی ہے ۔۔۔۔ نہیں! دین سب کے لئے آیا ہے۔

اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے سامنے ایک عجیب و غریب حقیقت عرض کرنا چاہتا ہوں۔ جو کہتے ہیں کہ یہ بڑے آدمی ہیں، تو بڑے آدمی کا مطلب بتائیں۔

بڑے آدمی کا مطلب ہے پیسوں کا کم نہ ہونا! کردار گھٹ جائے تو کچھ نہیں پتہ۔ کردار بڑھ جائے تو کوئی اس کی تعریف نہیں۔

ایک آدمی جا رہا تھا سڑک کے اوپر، دوسرے نے کہا: "یہ بہت بڑے آدمی تھے۔" اب جو میں نے دیکھا تو بالکل جوان ہیں، ۲۵ سال کے آدمی ہیں، کہیں سے جھکے نہیں ہیں نہ ہارٹ کے مریض ہیں، نہ قد چھوٹا ہو گیا ہے۔ ہم نے کہا:

"جتنے بڑے تھے اتنے ہی بڑے تو ہیں۔"

انھوں نے کہا: مولوی صاحب! آپ تو مولوی صاحب کے مولوی صاحب ہی رہے کیا ہم بڑے آدمی کا مطلب یہ کہہ رہے ہیں؟ ہمارا مطلب ہے کہ کل یہ کروڑپتی تھا، آج غریب ہوگیا ہے۔

دوسرے آدمی کو ہم نے دیکھا، تو انھوں نے کہا کہ یہ بہت چھوٹا آدمی تھا۔ اللہ نے اب اس کو بڑا کر دیا ہے۔ تو ہم نے کہا:

"یہ تو ساڑھے چار ہی فٹ کا ہے۔ بڑا کیسے ہوگیا؟"

کہا: آپ کی عقل موٹی ہے۔ آپ میری باتوں کو سمجھتے نہیں ہیں۔

ہم نے کہا: سمجھانے والے آپ موجود ہیں سمجھا دیجیے۔

کہا: چھوٹے کا مطلب یہ کہ غریب آدمی تھا اور اب یہ کروڑپتی ہوگیا ہے۔

تو ہمارے سماج میں، ہماری سوسائٹی میں، دولت گھٹتی بڑھتی ہے تو آدمی چھوٹا اور بڑا ہو جاتا ہے کیرکٹر گھٹتا اور بڑھتا ہے تو کوئی فرق نہیں۔ لیکن دین کے حدود میں اللہ نے آواز دی:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ

اللہ کی نگاہ میں فقط وہی بڑا ہے، وہی باعفت ہے جو کیرکٹر والا ہے، کردار والا ہے۔ جو پابندِ دین ہے ـــــ ابو جہل بہت بڑا تھا ـــ ابو سفیان بہت بڑا تھا ـــ سردارانِ مکّہ بہت بڑے تھے ـــ مگر جب وہ لوگ کافر ہو گئے تھے تو خدا نے ان کو چھوٹا کر دیا۔

بلال بہت چھوٹے تھے، سلمان بہت چھوٹے تھے، ابو ذر بہت چھوٹے تھے مقداد بہت چھوٹے تھے، عمّار یاسر بہت چھوٹے تھے ـــ لیکن جب انھوں نے دین کی پابندی پر کیرکٹر پیش کیا، تو خدا نے ان کو اتنا بڑا کیا، اتنا بڑا کیا کہ نبیؐ نے سلمان کے لیے کہا: "سلمان ہم اہلبیتؑ میں سے ہیں"۔

میں آپ کی خدمت میں بصدِ ادب یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جتنے ہم نے اپنی سوسائٹی میں اپنے سرکل بنا لیے ہیں، یہ سرکل وہی ہیں جو شیطان نے بنا دیے ہیں تاکہ ہم خدا کو مانیں، ہم نبیؐ کو مانیں، ہم امام کو مانیں اور اس کے باوجود بھی ہم خدانخواستہ دوزخ میں چلے جائیں ـــ آپ کو بچانے کے لئے اور خود اسی سے بچنے کے لئے آپ کے سامنے کوششیں کر رہا ہوں، ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں ـــ

جو ہماری سوسائٹی میں بڑا ہو جاتا ہے، یعنی عزّت اور پیسے میں بڑا ہے ـــ اگر بے دین ہے تو ہوا کرے ـــــ

جو بیچارا غریب ہے، وہ پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہے۔ ہم نے کہا:

"بڑے مومن ہیں پانچوں وقت کی نماز پڑھتے ہیں۔ سال بھر کبھی ان کا روزہ قضا نہیں ہوتا ہے" ـــ کہا: "ہاں ٹھیک ہے۔ یہ ہے ہی اس منزل میں"

اور کروڑپتی، حکومت کا بڑا عہدہ دار کوئی مشہور ریاست داں ـــــ ہم نے کہا "یہ دین کا نام لیتے ہیں، پابندی نہیں کرتے ہیں" ـــ کہا: "جناب! عید بقرعید آجاتے ہیں یہی کیا کم ہے"!

تو ہماری سوسائٹی کا الٹا چلن یہ ہے کہ جس کے پاس نعمتیں کم ہیں وہ خدا کا شکر زیادہ کرتے ہیں اور جن کے پاس نعمتیں زیادہ ہیں وہ خدا کا شکر کم کرتے ہیں۔

حالاں کہ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ جب خدا نے تم کو نعمتیں زیادہ دی ہیں تو تمہارا شکر زیادہ ہوتا۔

اب میں آپ کو ایک حدیثِ قدسی سناتا ہوں۔ خداوندِ عالم نے کہا: میرے نبیؐ میرے بندوں تک یہ پیغام پہونچا دو کہ جن کو میں تھوڑی روزی دیتا ہوں اگر وہ میرے بندے میری تھوڑی دی ہوئی روزی پر راضی ہو جاتے ہیں تو میں ایسے غریبوں سے، جو

تھوڑی روزی پاکر راضی رہتے ہیں، میں ان کی تھوڑی سی عبادت پر راضی ہو جاتا ہوں ــــ اس لیے کہ جب یہ بندہ ہو کے تھوڑی روزی پر راضی ہو گئے تو میں خدا ہو کر ان کی تھوڑی سی عبادت پر راضی کیوں نہ ہو جاؤں۔ صلوات!

اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جن کو زیادہ روزی دے گا تو زیادہ روزی کا ٹیکس بھی یہی ہو گا کہ جب تک یہ زیادہ عبادت نہیں کریں گے خدا بھی ان سے راضی نہیں ہو گا۔

میں نے آپ کے سامنے جو سرکلوں کا تذکرہ کیا ہے اب اگر ان کو مکمل بھی نہیں کر سکوں تب بھی آپ کے سامنے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ذرا ارکانِ دین سُنیے۔ کل بھی آپ کے سامنے میں نے کہا تھا، آج بھی کہنا چاہتا ہوں، حالات کچھ بھی ہوں، ہماری باتیں کچھ بھی ہوں ــــ ہماری گفتگو کچھ بھی ہو ــــ حقیقتیں نہیں بدلا کرتیں۔ اگر حقیقتیں بدل جایا کرتیں تو حسینؑ یزیدؔ سے صلح کر لیتے!، یزید کی بیعت کر لیتے، یزید سے اپنے معاملات طے کر لیتے ــــ لیکن حُسینؑ نے جہاد کر کے، شہادت قبول کر کے بتایا کہ باطل سے، خراب کیرکٹرے عدم پابندیِ دین سے صلح نہیں کی جا سکتی۔

میں آپ کی خدمت میں گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ لوگ ہم سے کہتے ہیں، یہیں کی بات نہیں کر رہا ہوں ــــ کہ جناب روزی کا خیال تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ سوسائٹی کس راستے پر جا رہی ہے اس کو تو دیکھنا ہی پڑے گا۔ بچّوں کو تعلیم دلانا ہے، اس کو تو دیکھنا ہی پڑے گا۔ حرام، حلال کو تو بعد میں دیکھیں گے۔

مذہب ہم سے کیا کہتا ہے۔ مذہب ہم سے یہ کہتا ہے کہ اگر تم کسی ایسی زمین پر ہو، جہاں دین کی پابندی نہیں کر سکتے ہو، تو تم کو دُو باتوں میں سے ایک بات کو اپنانا پڑے گا۔ یا تو تم وہاں ایسے حالات بناؤ کہ اپنے دین کی پابندی کر سکو۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مذہب کہتا ہے کہ ہجرت واجب ہے۔ اس زمین کو چھوڑ کر اس جگہ بسو جہاں تمہارا

دین تمہارے لیے آزادی کے ساتھ حاصل ہو سکے۔

ہجرت کی بابت حضور سرور کائنات محمد مصطفیٰ ؐ نے فرمایا:

"جن بنیادوں پر کل ہجرت واجب تھی، ان بنیادوں پر آج بھی ہجرت واجب ہے"۔ کل بھی یہی بات تھی کہ جو مسلمان اپنے دین پر باقی نہیں رہ سکتا ہے اس کو اس ماحول سے، اس زمین سے، اس سوسائٹی سے نکل آنا واجب ہے جہاں پر دین کو چھوڑنے پر مجبور ہے اور وہاں آنا، جہاں پر اس کے لئے دین آزادی کے ساتھ حاصل ہو سکے۔

یہی معاملہ ایجوکیشن کا ہے، تعلیم کا ہے۔ یہی معاملہ شادی بیاہ کا ہے۔ یہی معاملہ روزی کا ہے ـــــ لیکن ہم نے کیا کیا ہے؟

ہم نے یہ کیا ہے کہ ہم نے سرکل بنا دیے ہیں۔ دین بعد میں دیکھیں گے، روزی پہلے دیکھیں گے۔ بچّوں کی ایجوکیشن اور تعلیم پہلے دیکھیں گے، دین بعد میں دیکھیں گے ـــــ یہ ہماری پیدا کردہ وہ چیزیں ہیں جو ہم کو دوزخ سے قریب کر رہی ہیں۔ میں ایک ایک کر کے تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے مسائل کو پیش کروں گا ـــــ اگلی تقریروں میں پیش کروں گا۔ لیکن آج میں آپ کے سامنے یہی کہنا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید نے ہم سے کہا ہے تم پر ساری چیزیں واجب ہیں۔ تمہارے لیے جتنی چیزیں حرام ہیں وہ حرام ہیں۔ جب سے تم بالغ ہو اور جب تک تم زندہ ہو اور تمہارے حواس اور تمہاری عقل باقی ہے۔ البتہ اگر تم مجبور ہو گئے ـــــ بالکل مجبور ہو گئے ـــــ مجبوری کے کیا معنی ہیں؟ کہ جان کو خطرہ ہے۔

ـــــ مجبوری کے معنی ہیں کہ خطرہ عزت کو ہے

ـــــ مجبوری کے معنی ہیں کہ خطرہ مال کی اتنی بڑی مقدار کو ہے کہ اگر اتنا حصہ مال کا ضائع ہو جائے کہ ہماری زندگی اقتصادی اور مالی اعتبار سے بالکل ختم ہو جائے گی اور ہم

بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں گے ۔

ذرا دیکھیئے۔ مذہب نے انسانی زندگی کے کس رُخ کو نظر انداز کیا ہے ـــــ وہ کہتا ہے جان بھی محفوظ رہنا چاہیئے ـــ وہ کہتا ہے عزّت بھی محفوظ رہنا چاہیئے ـــ وہ کہتا ہے وہ مال بھی، جس سے تم باعزّت رہو، دوسروں کے سامنے بھیک نہیں مانگنا پڑے ـــ وہ مال بھی محفوظ رہنا چاہیے ـــــ

اگر خطرہ جان کو ہے۔ اگر خطرہ مال کو، اس مال کو جس مال کی میں نے تشریح کی ہے۔ خطرہ عزّت کو ہے ـــ تو تمھارے لیئے ہر حرام اتنی دیر کے لئے حلال ہے جب تک تمھاری جان نہیں بچتی اس کے بغیر۔ جب تک تمھارا مال نہیں بچتا اس کے بغیر ـــــ جب تک تمھاری عزّت نہیں بچتی اس کے بغیر ـــ لیکن بقدرِ ضرورت حرام حلال ہو جائیگا یہ نہیں ہے کہ ہماری مرضی کے مطابق حرام حلال ہو جائے۔

میں روزی کے مسئلے میں جو آج کی ہماری سوسائٹی کے قلب و دماغ میں سب سے زیادہ چھائی ہوئی چیز ہے، ایک آخری بات سُنا کے آج کی تقریر کو مکمّل کر دینا چاہتا ہوں۔

میری بہنو! میری بیٹیو! میرے بچّو! میرے نوجوانو! ہمیں فیصلہ کرنا پڑے گا ہم دنیا کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں یا جسے امام مانتے ہیں اس امامؑ کی بات پر یقین رکھتے ہیں۔ مولائے کائنات امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کی بات پر یقین ہے کہ نہیں؟ اگر مجھے موقع ملے گا تو میں روزی سے متعلق اور مسائل بھی آپ کے سامنے پیش کروں گا اس لیے کہ میں سمجھتا ہوں کہ سب سے زیادہ عہدِ حاضر میں روزی کے مسائل کو سمجھ لینا چاہیئے کہ قرآن ہم کو کیا کیا ضمانتیں دے رہا ہے، کیا کیا اطمینان دلاتا ہے اور ہم نے اُس ضمانت اور اطمینان کو چھوڑ کے اپنے کو کتنا بے چین بنا لیا ہے اور اس کے نتیجے میں ہم

دین چھوڑنے پر تیار ہیں۔ تو کیا روزی کے لیے ہم جتنا پریشان ہیں اتنا ہمیں پریشان ہونا جائز ہے قرآن کے صریح بیانات کی روشنی میں؟ یہ میں آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ لیکن آج میں مولائے کائنات ؑ کی زندگی کا ایک واقعہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

میں بھی آپ کی طرح سے ایک زندہ انسان ہوں۔ آپ کو بھی روزی چاہیئے تو مجھے بھی چاہیئے۔ میں آپ کی خدمت میں وہ واقعہ عرض کر رہا ہوں جس نے مجھے روزی کے معاملے میں صدفی صد، سنٹ پرسنٹ، سو فیصدی مطمئن کر دیا ہے ــــ تو میں چاہتا ہوں اس واقعے کو آپ بھی سُن لیں۔ شاید وہ اطمینان آپ کو بھی حاصل ہو جائے جو مجھے حاصل ہوا۔ اور اگر یہ اطمینان روزی کے بارے میں حاصل ہو جائے تو دین کی پابندی کرنا، واجبات کو ادا کرنا، گناہ اور حرام باتوں سے بچنا ہمارے لیئے آسان ہو جائے۔

اس واقعے کو سننے کے لیئے آپ اک صلوات بھیجیں اور استقبال کریں اس واقعے کا ــــ (اللّٰھم صلِّ علیٰ محمدٍ وآلِ محمّد)

مولائے کائنات ؑ کچھ عبادتیں کرنے کے لیئے کچھ نمازیں پڑھنے کے لیئے تشریف لائے مسجدِ کوفہ میں۔ کوفہ کی مسجد سے باہر ایک آدمی بیٹھا تھا۔ مولاؑ جس جانور پر بیٹھ کر آئے تھے، گھوڑے پر بیٹھ کے آئے تھے مثلاً ــــ تو یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اتنی دیر ہم مسجد میں رہیں گے گھوڑا کہیں بھاگ نہ جائے۔ تو وہ آدمی جو باہر بیٹھا تھا، اس سے کہا: کیا یہ ممکن ہے کہ تم میری سواری کے جانور کی اتنی دیر نگرانی کرو جتنی دیر میں عبادت کروں؟ اس نے بڑی خوشی کے ساتھ کہا کہ ہاں جائیے مولا، میں نگرانی کروں گا ــــ اس لیئے کہ دُنیا میں کسی کام کرنے والے کو اچھی اُجرت پانے کا اگر یقین ہو سکتا ہے تو کسی ایسے کام کرنے والے کو، جس کو مولا علی ؑ سے اُجرت ملنے والی ہو، اس سے زیادہ

کسی کو اطمینان نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ان کا ہر چاہنے والا جانتا ہے کہ ان سے بہت اُجرت کون دے گا۔ اس نے یہ بھی طے نہیں کیا کہ کتنے پیسے دیں گے۔

مولا چلے ــــ اور جب آپ نمازوں سے فارغ ہو کے نکلے ــــ توجہ کے ساتھ میری بیٹیاں سنیں، میری بہنیں سنیں، میرے خاص طور سے نوجوان سنیں، بھائی اور بزرگ سنیں ــــ مولا جب عبادت کر کے مسجد سے باہر آئے تو جس جانور کے بارے میں امید تھی کہ یہ بھاگ جائے گا، وہ کھڑا تھا۔ اور جس آدمی پر اعتماد کیا تھا کہ یہ بھاگنے والے جانور کو روکے رکھے گا، وہ آدمی بھاگ چکا تھا۔ مگر بھاگنے لگا ...... جب جانے لگا تو جو گھوڑے کی لگام تھی وہ بھی لیتا گیا ــــ!

تو میں سمجھتا ہوں .... اس کا تعلق واقعے سے نہیں ہے۔ یہ میری بات ہے۔ جانور سے اُمّید ہے کہ یہ بھاگے گا، انسان سے اُمّید ہے کہ نہیں بھاگے گا۔ تو اس آدمی نے سوچا ہوگا کہ جب یہ جانور اتنی دیر سے کھڑا ہے نہیں بھاگتا ہے تو یہ جانور نہیں رہا، آدمی ہو گیا، اور جب وہ چلنے لگا تو اس نے سوچا کہ میں بھاگ رہا ہوں تو میں آدمی نہیں رہا میں جانور ہو گیا۔ تو اُس نے جانور سے کہا تم آدمی ہو گئے، تم کو لگام کی ضرورت نہیں، میں جانور ہو گیا مجھے لگام کی ضرورت ہے ــــ تو آدمی مع لگام کے غائب ہو گیا اور جانور بے لگام ہونے کے بعد بھی وہیں پر کھڑا رہا، نہیں گیا۔

مولا گھر پر تشریف لائے، اپنے خادم کو بُلایا۔ بُلانے کے بعد اسے دُو درہم کا ایک سکّہ دیا اور کہا: جاؤ مارکیٹ سے، بازار سے ایک، میرے جانور کے لیے لگام لے آؤ۔ ــــ یہ جگہ ہے جو مجھے سمجھانا ہے ــــ جب وہ آدمی بازار میں لگام خریدنے کے لیے گیا تو اس نے دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھ میں لگام لیے خود ہی آواز لگا رہا ہے: "کوئی ہے خریدار اس لگام کا" ــــ تو وہ بیچ رہا تھا اِنھیں خریدنا تھی۔ مولاؑ کا خادم

قریب گیا۔ کہا: "کتنے میں بیچو گے۔؟"

اور اس کے بعد تو مولاؑ جانتے تھے مگر۔۔ اگر مولاؑ پوچھیں نہیں، سوال جواب نہ ہو تو واقعہ کیسے بنے گا۔

فرمایا: "تم نے کتنے میں خریدا؟"

کہا: "دو درہم میں۔"

پوچھا: "تم نے دام لگائے تھے یا اس نے کہا تھا تم سے؟"

کہا: "اس نے دو درہم مانگے تھے میں نے کوئی بحث نہیں کی۔"

مسکرائے ــــ مسکرائے مولا اور مولاؑ نے مسکرا کے کہا کہ "اُس شخص کی اس وقت کی روزی دو درہم مقرر تھی، اس کو دو درہم ملنے والے تھے" ــــ

اب ہم کو آپ کو فیصلہ کرنا ہے ــــ ہم زندگی بھر کہتے ہیں: ہم مولاؑ کو مانتے ہیں۔ مولا علیؑ کو ہم مانتے ہیں تو ہم کو خود اپنا حساب کر کے فیصلہ کرنا پڑے گا کہ مولاؑ کی بات پر ہمارا دل یقین کر کے زندگی کے راستے کو بدلنے پر تیار ہے یا نہیں؟

اگر سارا واقعہ سن کے میرے کسی بزرگوار نے۔۔۔۔۔۔۔ اگر سارا واقعہ سن کے میری کسی بیٹی نے کہا، میری کسی بہن نے کہا، میرے کسی بچے نے کہا، میرے کسی بھائی نے کہا کہ مولاؑ نے جو کہا ہے وہ بات تو صحیح ہے "مگر" اس زمانے میں۔۔۔ تو جہاں سے "مگر" شروع ہوا ــ میں ایک دن کہہ چکا ہوں آپ کے سامنے جہاں سے "مگر" شروع ہوا۔ وہاں سے یہ "مگر" اعلان کر گیا ہے کہ ہم مولا کو زبان سے مولا کہتے ہیں دل سے مولا نہیں کہتے ــــ ہم دل سے مانتے ہیں۔۔۔۔۔ ہم دل سے مانتے ہیں سوسائٹی کی باتوں کو، ہم دل سے مانتے ہیں دُنیا کی باتوں کو، اور زبان سے مانتے ہیں اللہ کو، نبیؐ کو اور قرآن کو ــ!! اور اگر ایسا نہیں ہے۔۔۔۔ اور اگر

ایسا نہیں ہے تو پھر آج کے بعد ــــ جہاں تک میری آواز جا رہی ہے ـــــ ہر علیؑ کی کنیز اور غلام کو جان لینا چاہیئے کہ ہم کو روزی کے بارے میں پریشان نہیں ہونا چاہیئے روزی دینا خدا نے اپنے ذمّہ رکھا ہے۔ میں اس کے مزید ثبوت آپ کے سامنے پیش کروں گا انشاء اللہ ــــــــ

روزی دینا اللہ نے اپنے ذمہ رکھا ہے لیکن ہماری ذمہ داری ہے واجباتِ دین کو ادا کرنا اور گناہوں سے بچنا اور اپنے کو بچانا۔

تو مولاؑ نے کہا: اللہ نے آج اس کی روزی میں دو درہم رکھے تھے۔ اس کو دو درہم ملے۔ نہ دو درہموں میں کوئی کمی ہوئی نہ زیادتی ہوئی۔ ایسا نہیں ہوا کہ سوا دو مل گئے ہوں یا پونے دو مل گئے ہوں، جو طے تھے وہ ملے.... جو طے تھے وہی ملے۔

سب سے زیادہ قیمتی فقرہ جس نے میرے دل کو یقین دلا دیا ہے۔ میری زندگی جس شئے کے سہارے بسر ہو رہی ہے، وہ میں آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں ــ مولاؑ نے کہا: اسے دو درہم ملنے والے تھے اگر یہ صبر کرتا تو یہی دو درہم اس کو حلال سے ملتے اور یہی اس نے بے صبری کی نوا سے راہِ حرام سے ملے ہیں۔

بھول جایئے دُنیا کے شور کو کہ جو ہم یہ نہ کرتے یہ نہ ملتا۔ نہیں حقیقت یہ ہے کہ جو ملنے والا ہے وہی مل رہا ہے، جو مِل رہا ہے یہی ملنے والا تھا ـــــ کیا آپ تیار ہیں یاد رکھنے پر؟ قرآن مجید آپ کے گھروں میں موجود ہے۔ اُسے جایئے اور کھولیئے اور بارھویں پارے کا پہلا فقرہ پڑھیئے ـــ کل کا انشورنس ہے۔ کل کی ضمانت ہے۔ کل کی گارنٹی ہے۔ اور قرآن مجید کے اس فقرہ کو پڑھنے کے بعد ہم کو آپ کو طے کرنا پڑے گا کہ ہم زبانی خدا کے ماننے والے ہیں یا دل سے خدا کے ماننے والے ہیں۔

قرآن مجید کے بارھویں پارے کے پہلے فقرہ میں خدا کہتا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا

"زمین میں ایک بھی زندہ جان دار چلنے پھرنے والی مخلوق ایسی نہیں ہے جس تک اس کی روزی پہونچانا خدا نے اپنے ذمّہ نہ رکھا ہو" ــــ ہم میں سے وہ کون ہے جسے کلمہ نہیں یاد ہے۔ ہم کلمۂ توحید پڑھتے ہیں: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ــــ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی ہیں کوئی خدا نہیں ہے، کوئی خدا نہیں ہے اگر ہے تو صرف اللہ ــــ لَآ اِلٰہَ کے معنی ہیں کوئی خدا نہیں۔ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی ہیں سوائے اللہ کے ــــ آپ یقین مانیے، دُنیا کی کوئی زبان ہو۔ اُردو ہو، ہندی ہو، سنسکرت ہو، فارسی ہو، پنجابی ہو، کوئی بھی زبان ہو ــــ سب میں بولنے کے تین طریقے ہوتے ہیں۔ ایک میں ہم کسی چیز کا اقرار کرتے ہیں۔ جیسے میں کہتا ہوں، اس وقت شب ہے، رات ہے۔ ایک جملہ وہ ہوتا ہے جس میں ہم کسی چیز کا انکار کرتے ہیں: ــــ اس وقت دن نہیں ہے ــــ اور ایک جملہ اس طرح بنایا جاتا ہے کہ ہاں اور نہیں دونوں مِلا کے بناتے ہیں: یعنی کسی آدمی نے کہا، آپ کو یقین ہے کہ دن نہیں ہے رات ہی ہے ہم نے کہا: ہم کو اتنا یقین ہے کہ اس وقت کچھ نہیں ہے اگر ہے تو رات ہے۔

تو اللہ نے جب اپنی توحید کا اقرار لیا تو اس نے کہا: صرف یہ مت کہو "قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ"۔ ہم نے تم سے جو کہا ہے قرآن مجید میں صرف "اللہ احد" نہیں کہو کہ اللہ اکیلا ہے اس میں فقط اقرار ہے۔ لَا شَرِیْکَ لَہٗ فقط نہیں کہو کہ اس کا کوئی ساتھی نہیں ہے۔ اگر تم کو میری توحید کا اقرار کرنا ہے تو یوں کہنا پڑے گا: لَآ اِلٰہَ کوئی خُدا نہیں، اِلَّا اللّٰہُ اگر ہے تو صرف اللہ ہے۔

کیوں؟ اس لیے کہ جب ہم نے کہا کہ کوئی خدا نہیں ہے تو جتنے بنائے گئے ہیں جتنے بنائے جائیں گے ــــ وہ مٹی کے ہوں، لوہے کے ہوں، وہ دھات کے ہوں، وہ خیالی ہوں، وہ سماجی ہوں، وہ رسموں کی شکل میں ہوں، وہ فلسفے کی شکل میں ہوں ــــ

جو چیز بھی بنائی گئی ہے خدا، وہ خدا نہیں ہے۔ اگر ہے تو صرف اللہ ہے۔

تو جیسے اللہ نے کہا کہ کہو کوئی خدا نہیں ہے، اگر ہے تو صرف اللہ ہے۔ اسی لب و لہجہ میں کہتا ہے: زمین میں کوئی زندہ نہیں ہے ـــــ زمین میں کوئی زندہ نہیں ہے اگر کوئی زندہ ہے تو اس تک روزی پہونچانا میری ذمہ داری ہے۔ صلوات!

کیا اس کے بعد بھی ہم کو شبہ ہوگا ـــ شبہ ہوگا کہ پتہ نہیں ہم یہ نہ کرتے تو ہم روزی نہ پاتے ـــ؟ میں آپ کی خدمت میں پورے یقین کے ساتھ، پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو روزی ـــ جو روزی ہمیں مل رہی ہے یہ ہمیں ملنے والی تھی ـــ جو مل رہی ہے یہ روزی ہمیں ملنے والی تھی اور جو ملنے والی ہے وہی ملے گی۔

اگر آپ کو اب بھی مزید ثبوت چاہیئے تو میں نے تین چیزیں آپ کے سامنے بیان کیں ـــ ایک مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی حدیث جس میں مولاؑ نے کہا ـــ مولا نے کہا کہ اس کو آج دو درہم ملنے والے تھے نہ زیادہ ہو کے ملے نہ کم ہو کے ملے ـــ جو ملنے والا تھا وہ ملا۔ مگر کیا فرمایا؟ یہ فرمایا اگر صبر کرتا تو بھی دو درہم اس کو حلال سے ملتے اور اگر اس نے بے صبری کی تو بھی دو درہم اسے حرام سے ملے ـــــ تو اگر ہم حرام سے کچھ کماتے ہیں تو ہمیں کبھی یہ خیال نہیں ہونا چاہیے کہ اس حرام کو ہم چھوڑ دیں گے تو جو ہمیں مل رہا ہے وہ نہیں ملے گا ـــــ نہیں! جو مل رہا ہے وہی ملے گا، جو ملنے والا ہے وہی ملے گا۔ اور اگر ہم صبر کریں گے، اگر ہم پابندی کریں گے وہ ہم کو حلال سے ملے گا۔

میری تمنّا ہے ـــ میں چاہتا ہوں کہ واقعات کے سہارے ہمارا ایمان بڑھے، ہمارا یقین بڑھے، ہماری ہمّت بڑھے، ہمارا حوصلہ بڑھے ـــ ہم زمانے سے شکست کھا کے شیطان کے راستے پر جانے کے بجائے زمانے کو شکست دے کے

رحمٰن کے راستے پر بڑھیں۔

دوسرا فقرہ میں نے آپ کے سامنے عرض کیا کہ خدا نے گارنٹی دے دی انشورنس دیا ہے، ضمانت دی ہے کہ ایک بھی زندہ مخلوق زمین میں نہیں پائی جاتی ہے جس تک روزی پہونچانا میری ذمّہ داری نہ ہو۔

تیسرا فقرہ میں سُناتا ہوں، امام حسن عسکری علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ـــــ آپؑ نے فرمایا: "لَا یَشْغُلُكَ رِزْقٌ مَّضْمُونٌ عَنْ عَمَلٍ مَّفْرُوضٍ"

ــــــ میں نے جتنی آپ کے سامنے آج تک باتیں کہی ہیں، جتنی زحمت دی ہے، جتنی تقریریں کی ہیں، جتنی گزارشیں کی ہیں، وہ سب گیارھویں امام علیہ السّلام کی زبان مُبارک سے سُنیئے۔ امام نے کہا:

اے انسان! ـــ اے انسان! کہیں ایسا نہ ہو کہ تم روزی حاصل کرنے میں اتنے مصروف ہو جاؤ، اتنے بزی ہو جاؤ، اتنے منہمک ہو جاؤ کہ جو تمھارے ذمّہ فرائض ہیں، واجبات ہیں، ڈیوٹیاں ہیں ان دینی فرائض کو ادا کرنے سے تم غافل ہو جاؤ۔ جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ روزی پہونچانا خدا نے اپنے ذمّے رکھا ہے اور اعمال کا بجالانا خدا نے تمھارے ذمّے رکھا ہے۔ اگر اب بھی آپ کو مزید ذخیرہ چاہیئے کہ جب کبھی ہمارے خیالات پر شیطان حملہ کرے تو ہم معصومینؑ کے ارشادات کے ذریعہ اس کے حملے کو دُور کر دیں۔

تو پھر میں مولائے کائنات امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُس ارشاد کو آپ کے سامنے نقل کرنا چاہتا ہوں جس میں مولاؑ نے کہا ـــــ مولاؑ نے کہا کہ میں یہ دیکھ کے حیرت زدہ ہو جاتا ہوں کہ انسان اُس روزی کو حاصل کرنے کے لیے بے چین ہے جس کے لیے خدا کہتا ہے کہ میں پہونچاؤں گا اور اس جنّت کو حاصل کرنے

کے لئے بالکل اس کو فکر نہیں ہے جس کے لئے خدا نے کہا ہے کہ یہ جنت تمہیں حاصل کرنا ہے۔

اگر ہمیں یہ یقین پیدا ہو جائے، جو ہمارے اماموں کی زبانوں سے حاصل ہو رہا ہے جو قرآن میں خداوند عالم فرما رہا ہے تو ہمیں یہ اطمینان ہو جائے کہ ہم کو حلال و حرام دیکھنا ہے ـــــ روزی جو ملنے والی ہے وہ ملنے ہی والی ہے۔ ہم نے جتنے سرکل بنائے ہیں یہ سارے سرکل جھوٹے ہیں۔ یہ سارے سرکل شیطان نے ہماری سوسائٹی کو ڈرا کے بنوا لیے ہیں۔

میں اپنی تقریر کو ختم کرتے کرتے ایک آخری بات کہنا چاہتا ہوں۔ آج سے چودہ سو سال پہلے جب حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تھی تو اس وقت عربوں میں سرکل بنا تھا ـــــ عربوں میں سرکل کیا بنا تھا چودہ سو سال پہلے کی زندگی میں جب ترقی اتنی نہیں ہوئی تھی وہ بھی عرب ـــــ عربوں میں بھی وہ حجاز جو سب سے زیادہ ریگستانی علاقہ تھا۔ وہاں یہ سرکل بن گیا تھا کہ عرب سوچتا تھا ـــــ عرب کا خیال تھا کہ بیٹی تو کما نہیں سکتی ہے۔ بیٹا کما سکتا ہے۔ تو بیٹا اگر زندہ رہے گا تو مال لائے گا اور اگر بیٹی زندہ رہے گی تو فقط کھائے گی! ـــــ ہماری سوسائٹی نے یہ الزام ختم کر دیا ہے اب عورتیں بھی نوکری کر رہی ہیں، مرد بھی نوکری کر رہے ہیں۔ اب یہ الزام نہیں لگ سکتا۔ آپ قبول کریں یا نہ کریں۔ میں پھر بھی آپ کی خدمت میں یہ کہنے کی ہمت رکھتا ہوں کہ حقائق بدلا نہیں کرتے۔

مجھے کسی دن موقع ملے گا تو میں آپ کے سامنے مذہب کی بنیاد پر یہ تذکرہ پیش کروں گا کہ روزی حاصل کرنے کی ذمہ داری خدا نے مردوں پر رکھی ہے اور جو روزی مرد حاصل کرے اُسے صحیح طور پر خرچ کرنے کی ذمہ داری اللہ نے عورتوں پر رکھی ہے۔

اگر ہم نیچر سے لڑجاتے ہیں، اگر ہم حقیقت سے لڑجاتے ہیں، اگر ہم کسی اُلٹے سیدھے چلن کو اپنے یہاں رائج کرلیتے ہیں تو اس کا نقصان ہو کے رہتا ہے۔ اس کا پہلا نقصان یہ ہوتا ہے ــــ پہلا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جن گھروں میں ـ جن کنبوں میں عورت اور مرد دونوں کما رہے ہیں ــــ میاں اور بیوی دونوں کما رہے ہیں، دونوں ہاتھوں سے مال تو خوب آرہا ہے مگر اولاد کو نہ باپ مِل رہا ہے نہ ماں مل رہی ہے۔

یہ دوسروں کے ذریعہ پلنے والی اولاد جب بڑی ہوگی تو اس سے ہم یہ امید کریں کہ یہ ہم کو باپ کہے گی، یہ ہم کو ماں کہے گی۔ اس کا بھی جواب یہ ہوگا کہ جب ہم پلنے کے قابل تھے تب تم نے دوسروں کے حوالے کردیا تھا۔ اب جب تم بُڈھے ہوگئے ہو، تو ہم بھی کسی کے حوالے کیے دیتے ہیں ـ میں ایک نہیں ایک ہزار باتیں اس سلسلے میں کہنے کی آپ کے سامنے ہمّت رکھتا ہوں اور موقع ملے گا تو میں آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

آپ میری اس بات کو یاد رکھیں، میں حقائق کو حقائق ماننے کا عادی ہوں ــــ چلن کو، رواج کو، سوسائٹی کو حقیقت ماننے پر تیار نہیں ہوں۔ اگر میں سوسائٹی کو حقیقت ماننے پر تیار ہوجاؤں تو حسینؑ کے زمانے میں جو یزید کی سوسائٹی پائی جارہی تھی، حسینؑ نے اس سوسائٹی کو مان لیا ہوتا، حسینؑ نے اس سوسائٹی کے آگے سر جُھکا دیا ہوتا۔ انھوں نے کہا ــــ انھوں نے کہا نہیں! ایسا نہیں ہونا ہے۔ ہم حقیقت کو رکھیں گے۔ ہم سوسائٹی کو نہیں مانیں گے۔

تو میں آپ کی خدمت میں وہ پُرانے پیغام بھی پیش کرنے حاضر ہوا ہوں، جیسے جیسے موقعے ملیں گے پیش کروں گا ــــ اور میرے بھائیو! میری بہنو! میرے بچّو! میرے نوجوانو! آپ مجھے پہچان لیں۔ مجھے تو یہ بھی ڈر نہیں ہے کہ آپ سُننا چھوڑدیں گے تو کیا ہوگا اس لیے کہ بہت بڑا مجمع سُننے والا میری قبر میں کام نہیں آئے گا، مگر ایک سننے والا

جو دین دار ہوگیا ہوگا اس کی دینداری کے ذریعے سے میری قبر میں چراغ جل جائیں گے اندھیرا دُور ہو جائے گا ــــ تو مجھے ایک سننے والا چاہیئے جو اپنے کو دوزخ سے بچا لے تاکہ اس کے کیشن میں مَیں بھی دوزخ سے بچ جاؤں ــــ اُس مجمع کا مجھے کوئی فائدہ نہیں ہے آپ کو بھی کوئی فائدہ نہیں ہے جو یہ سننا چاہے کہ ہمیں سُناؤ مگر ہمارے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہیں ہونا چاہیے کہ ہماری کسی روش میں تبدیلی پیدا ہو جائے ۔

میں آپ کی خدمت میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں، میں آپ سے محبّت کرنے آیا ہوں، حق خدمت ادا کرنے کے لئے آیا ہوں، میں آپ کی دی ہوئی عزّت کے ذریعہ آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں، خود غرضی کا شکار بن کے نہیں آیا ہوں ــــ تو جو آخری بات میں سُنا رہا تھا اسے سُن لیجئے کہ عربوں کا سرکل بن گیا تھا کہ بیٹا زندہ رہے گا ــــ لوٹے گا، مارے گا، قتل کرے گا، چھین کے لائے گا، حلال کمائے گا، حرام کمائے گا، مگر لائے گا ــــ اور بیٹی زندہ رہے گی تو جب تک شادی نہیں ہوگی بیٹھ کے کھائے گی، اور جب شادی ہوگی تو اپنے ساتھ بہت کچھ لے جائے گی ــ لہٰذا ان کے یہاں سرکل بن گیا تھا کہ بیٹا پیدا ہو تو اسے زندہ رکھو اور بیٹی پیدا ہو تو اس کا گلا گھونٹ دو ۔

آج ہم کہتے ہیں: بڑے ظالم تھے، بڑے جلّاد تھے، بڑے سنگ دل تھے، بڑے نالائق تھے یہ عرب جو اپنی بیٹی کا گلا دبا دیتے تھے ۔ لیکن یاد رکھیے جب وہ گلا دبا رہے تھے تو یہ سمجھتے تھے کہ یہ بہترین کام ہے جو ہم انجام دے رہے ہیں. وہ اس کو غیرتِ عرب سمجھتے تھے وہ اس کو اپنی شجاعت سمجھتے تھے، وہ اپنا کارنامہ سمجھتے تھے ۔ تو سوسائٹی کبھی کبھی اس منزل پر آدمی کو لے آتی ہے کہ وہ قتل کرتا ہے، مرڈر کرتا ہے باپ ہو کے بیٹی کا قتل کرتا ہے اور سمجھتا ہے میں نے بڑا شاہکار انجام دیا ہے تو آج بھی سوسائٹی میں رہ کے ہم کسی غلط کام کو صحیح سمجھنے لگیں تو ہم کو سوسائٹی چھوڑ کے حق کی

طرف آنا پڑے گا، جدھر قرآن آواز دے رہا ہے ــ جدھر اسلام آواز دے رہا ہے جدھر خدا آواز دے رہا ہے ــ جدھر نبیؐ آواز دے رہے ہیں ــ جدھر بارہ کے بارہ امام ہمیں آواز دے رہے ہیں۔ صلوات!

میں آپ کی خدمت میں اس سرکل کا تذکرہ کر کے آج کی تقریر تمام کرنا چاہتا ہوں ــ وہ یہ کہ جب اسلام آیا تو حضورؐ نے کہا ــ حضورؐ نے فرمایا: آج سے بیٹیوں کا قتل کرنا بند کرو ــ آپ قرآن مجید پڑھیں ــ قرآن مجید میں ایک دو جگہ نہیں متعدد جگہوں پر خدا نے کہا کہ تم اپنی بیٹیوں کو غربت، مفلسی، پیسے کی کمی کے خوف کے تصور سے قتل کرنا بند کردو۔ تم ہم پر بھروسہ کرو، جو تمھیں روزی دے گا وہ تمھاری بیٹیوں کو بھی دے گا۔ خدا نے کہا ــ خدا نے کہا: شیطان تم کو خوف دلائے گا غربت کا اور تم سے کہے گا اولادوں کو قتل کردو ــ میں رحمان ہو کے، رزاق ہو کے بہت زیادہ روزی دینے والا ہونے کے بعد، ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْن نہ ٹوٹنے والی طاقتوں کا مالک ہونے کے بعد تم سے وعدہ کرتا ہوں، تم کو گارنٹی دیتا ہوں کہ تم سب کو میں روزی دوں گا ــ تو شیطان کی بات نہ سننا، میری بات سننا۔

کل کے جاہل عربوں نے اپنا سرکل توڑ دیا، اسلام قبول کر کے مسلمان ہو گئے جس بچّی کا گلا دبایا کرتے تھے اس کو کلیجے سے لگا کے پالنا شروع کر دیا۔

آج پیغمبرؐ بھی، فاطمہ زہراؑ بھی ــ آج بارہ کے بارہ امامؑ بھی ہمیں آواز دے رہے ہیں۔ کل کا بدترین عرب سرکل توڑ کے مسلمان ہو سکتا تھا۔ آج یہ چودھویں صدی کا مسلمان، پندرھویں صدی کا مسلمان، یہ آج بیسویں اکیسویں صدی کا مسلمان، یہ ہمارے حکم پر وفادار سوسائٹی کا سرکل توڑ کے ہمارے دین کی طرف آنے کو تیار ہے یا نہیں تیار ہے۔ ہم کو فیصلہ کرنا پڑے گا۔ ہم کو فیصلہ کرنے کے بعد ہمت کرنا پڑے گی۔ ہم کو ہمت کرنے

کے لیے اپنے ایمان کو مستحکم کرنا پڑے گا۔

بس میں نے بات ختم کی۔ قرآن مجید نے کہا ہے: تمہارے لیے جو واجب ہے وہ واجب ہے، جو حرام ہے وہ حرام ہے۔ سرکل مت بناؤ۔ سرکل مت بناؤ ـــ ہاں جہاں مجبوریاں ہوں گی ہم خود ہی تم کو اجازت دے دیں گے۔

میں مجلس ختم کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں اس موقع کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ کل میں نے بچّوں کا تذکرہ کیا تھا۔ آج میں باپ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں:

جناب مسلمؑ بن عقیل کوفے میں تشریف لا چکے ہیں اور میں سارے واقعات چھوڑ کے تذکرے کو اس منزل پر لانا چاہتا ہوں کہ مسلم قیدی بنا کے گرفتار کر کے ابنِ زیادہ ملعون کے دربار میں لائے گئے۔ جو مصائب مجھے پڑھنا ہیں وہ تو پڑھوں گا۔ لیکن جناب مسلم بن عقیل نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں، آخری منٹوں میں ہم کو جو پیغام دیا ہے، جو میسیج دیا ہے وہ سننے کے قابل ہے۔

جنابِ مسلمؑ ابنِ عقیل، ابنِ زیاد کے دربار میں آئے تو آپ نے کہا کہ "میں سارے مسلمانوں سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں" ـــ کون تھا وہاں، مسلمؑ کا کوئی دوست نہیں تھا، جتنے تھے سب مسلمؑ کے دشمن تھے، حسینؑ کے دشمن تھے، علیؑ کے دشمن تھے، اسلام کے دشمن تھے ـــ لیکن کلمہ پڑھتے تھے ـــ لہٰذا مسلمؑ نے ان کو مسلمان کہا اور کہا کہ "میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ میں جب سے کوفہ میں آیا ہوں میں نے کچھ لوگوں سے قرض لیا ہے۔ آج میں قتل ہونے کے لیے جا رہا ہوں تو میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے قتل ہونے کے بعد تم میں سے کوئی آدمی میری تلوار کو بیچ دے، میری زرہ کو بیچ دے اور میرے قرض کو ادا کر دے۔"

اے مسلمؑ! جن سے تم نے قرض لیا ہے وہ اسی کوفہ والے ہیں جنھوں نے تمھارے

ساتھ دغا نہیں کی ہے، دغا کی ہے۔ جنھوں نے تمھارے ساتھ ظلم کیا ہے رحم نہیں کیا ہے۔ کیوں ان کے قرض کو آج یاد رکھے ہوئے ہو۔؟

کہا: تم نے پہچانا نہیں۔ مسلمان وہ ہے ـــــ مسلمان وہ ہے جسے مرتے دم بھی واجب واجب یاد رہے، حرام حرام یاد رہے ـــــ

دشمنوں سے مسلمؑ کہہ رہے ہیں، میں تم سے صرف اتنی مدد چاہتا ہوں کہ تم میرے مرنے کے بعد میری تلوار کو بیچ کے میرا قرض ادا کر دو تاکہ میں خدا کے سامنے جاؤں تو کسی بندے کا حق میرے ذمّے باقی نہ ہو۔ یہ مسلمؑ قرض ادا کرنے کا پیغام نہیں دے رہے ہیں، آواز دے رہے ہیں کہ اگر حسینی ہو تو موت گلے گلے تک آجائے تب بھی واجب کو چھوڑنا نہیں حرام کو کرنا نہیں۔

اس کے بعد ابنِ زیاد نے کہا: تمھارے قتل کا فیصلہ میں نے کیا ہے۔ مسلمؑ نے کہا: میں خوشی سے اس فیصلے کو قبول کرتا ہوں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس سے زیادہ بہتر موت کوئی نہیں ہے۔ بس میں اتنا چاہتا ہوں، اتنا چاہتا ہوں کہ یہاں کوئی آدمی ایسا ہو جو میرے مولا کو مکّے میں خبر پہونچا دے کہ وہ کوفے تشریف نہ لائیں۔

اے میرے مسلمؑ! اس کوفے میں تم یہ کیوں توقع کر رہے ہو۔؟ کہا: میں اعلان اس لیے کر رہا ہوں ـ میں اعلان اس لیے کر رہا ہوں کہ شاید کوئی دبا چھپا مجبور شیعہ ہو جو اس خبر کو سن کے میرے امامؑ تک پیغام پہونچا دے۔ میں مسلمؑ سے کہوں گا کہ جب موت تمھارے سامنے آگئی ہے تو حسینؑ کو کیوں یاد کر رہے ہو۔ کہا: میری ڈیوٹی ہے میرا فریضہ ہے، میری ذمّہ داری ہے کہ موت آجائے تو آجائے لیکن واجب کی ادائگی میں دین کی پابندی میں کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے۔

میری مجلس تمام، میرا میسج مکمل، میرا پیغام ختم۔ میری تقریر ختم۔ لیکن

لیکن مجلس ابھی نہیں ختم ہوگی جب تک کہ میں چند فقرے.. مصائب کے آپ کے سامنے نہ پڑھوں ــــ جلّاد چلا ــ جلّاد چلا اور مُسلمؑ کو لے کر چلا۔ جناب مسلمؑ کو دارالامارہ کی چھت پر لے گیا اور اس کے بعد اس نے نیام سے تلوار نکالی ــ

سننا بہت آسان ہے۔ سنانا بہت آسان ہے۔ لیکن تلوار کی چمک جھلک میں موت کو دیکھنے کے بعد پیشانی پر پسینے کا نہ آنا، آنکھوں میں خوف کی جھلک کا نہ پیدا ہونا۔ چہرے پر پسینے کا نہ آنا، تنفّس اور سانس میں اضافہ نہ ہونا بڑا مشکل کام ہے لیکن جب ــ جیسے ہی جلّاد نے تلوار نیام سے نکالی ویسے ہی مسلمؑ مڑے، کہاں مڑے؟ مکّے کی طرف مڑے ــ اس مکّے کی طرف مڑے جہاں حسینؑ کو چھوڑ کے آئے تھے، اور ایک مرتبہ اس بلندی سے چھت کی بلندی سے آواز دی:

" اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مَوْلَایَ یَآ اَبَا عَبْدِاللّٰہِ "

اے میرے مولا! ابو عبداللہ الحسینؑ! گواہ رہیے گا میں آپ کی راہ میں قتل ہو رہا ہوں۔ مُسلمؑ، حسینؑ کو کوفہ میں دارالامارہ کی چھت سے مکّہ تک سلام پہونچا رہے ہیں۔ ظالم! اس نے مسلمؑ کا نشانہ لے کر تلوار چلائی، لیکن تلوار کا وار ہلکا پڑا۔ زخم آیا، گردن کٹی مگر سر کٹ کے جُدا نہ ہوا۔ مُسلمؑ مڑے اور مسکرا کے کہا: جب قتل کرتا ہے تو گھبرا کے تلوار کیوں چلاتا ہے۔؟ جلّاد نے دوسری مرتبہ تلوار چلائی۔ مُسلمؑ کا سر کاٹا اور لے کے اُترا مگر کہتا ہوا اُترا کہ خدا کی قسم! مُسلمؑ اُس انسان کا نام ہے ــ مُسلمؑ اس انسان کا نام ہے جو موت کا مذاق اُڑاتا ہوا چلا گیا ــ جو موت سے ہنستا ہوا چلا گیا ــ جو موت سے مسکراتا ہوا چلا گیا ــ دُنیا میں سب مرتے وقت رونے لگتے ہیں۔ موت کو بُرا سمجھتے ہیں۔ مُسلمؑ اس انسان کا نام ہے جس نے موت کو حقیر اور چھوٹا سمجھا۔

ظلم کی حد ہوگئی۔ سر کٹ گیا، سر کاٹنے کے بعد اپنے ہاتھ میں لیا اور ابنِ زیاد

کے پاس لے کے چلا۔ مگر اس سے پہلے اس سے پہلے اس نے ایک ظلم اور کیا کہ مسلمؑ کی وہ لاش جس سے خون بہہ رہا تھا ــــ مسلمؑ کی وہ لاش جو ابھی تڑپ رہی تھی ــــ مسلمؑ کی وہ لاش جو ابھی ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی، اس کو دارالامارہ کی چھت سے سڑک پر پھینک دیا۔ اس بلندی سے تڑپتی ہوئی لاش کا گرنا۔ اور اس کے بعد ہانیؓ لائے گئے جو آپ کے میزبان تھے وہ بھی قتل کیے گئے۔ ان کی لاش بھی زمین پر پھینک دی گئی، پھر دونوں کی میتوں اور لاشوں کے پیروں میں رسیاں باندھی گئیں اور ان کو سڑکوں میں، گلیوں میں دروازوں کے سامنے کھینچا گیا۔

یہ حسینؑ کے سفیر کی لاش ہے، یہ علیؑ کے بھتیجے کی لاش ہے۔ یہ ان کے میزبان ہانیؓ ابن عروہ کی لاش ہے اور اس کے بعد سر ابنِ زیاد نے یزید کے پاس بھیج دیا اور لاش کو دارالامارہ کے دروازے پر لٹکا دیا۔

میری بہنو! میری بیٹیو! دو فقرے پڑھنا چاہتا ہوں تاکہ حقِ غم اور ماتم ادا ہو جائے۔ کل میں نے آپ کو سنایا تھا کہ جناب مسلمؑ ابنِ عقیل کی بیوی رقیہؑ جنابِ عبّاس کی سگی بہن تھیں، وہ اپنے ساتھ سوتیلے بیٹے لائی تھیں اور رقیہؑ کے بیٹے، رقیہؑ کے بیٹے مسلمؑ کے ساتھ آئے تھے۔

کل میں نے آپ کو سنایا تھا: مسلمؑ جب شہید ہوئے تو مسلمؑ کے یہ بچے جو رقیہؑ کے بیٹے تھے، یہ قید خانے میں ڈال دیے گئے اور کربلا میں وہ مسلمؑ کے نوجوان شہید ہوئے۔ جب یہ لٹا ہوا قافلہ کربلا سے دمشق کے لئے روانہ ہو کر کوفے پہونچا اور دارالامارہ کے پاس پہونچا تو بڑا سخت مرحلہ تھا کہ مسلمؑ کی لاش لٹک رہی ہے۔ مسلمؑ کی لٹکی ہوئی لاش کو سیدِ سجّادؑ نے دیکھا ــــ مسلمؑ کی لاش کو لٹکا ہوا جناب رقیہ نے دیکھا ــــ رقیہؑ کی وہ بیٹی جو پانچ برس کی تھی جس کا نام بھی رقیہ تھا، اس نے بھی دیکھا

اور لوگوں نے بھی دیکھا۔ جناب سید سجادؑ نے کہا:

پھوپھی اماں! مرحلہ مشکل ہے سنبھالیے۔ سید سجادؑ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں سنبھال کے آگے بڑھے اور جناب رقیہؑ زوجۂ جناب مسلمؑ، لاشِ مسلمؑ کے قریب آئیں۔ لاش کے نیچے کھڑی ہوئیں۔ سر اونچا کیا، نگاہوں کو بلند کیا، کٹی ہوئی گردن کو دیکھا، چھدے ہوئے جسم کو دیکھا، جس پر کفن نہیں ہے۔ اس لاش کو دیکھا اور اس کے بعد نیچے آگئیں اور کہا ٹھیک ہے مسلمؑ! ہم تم مکّے میں چھوٹے تھے آج کوفے میں جمع ہو گئے۔ تم مجھے دیکھ لو، میں تمھیں دیکھ رہی ہوں۔ تمھاری لاش پر کفن نہیں ہے، میرے سر پر چادر نہیں ہے۔ تمھاری لاش پر سر نہیں ہے وہ یزید کے پاس بھیجا گیا ہے، تمھاری بیوہ بھی قیدی بنا کے یزید کے پاس بھیجی جا رہی ہے۔

ایک مرتبہ اور قریب آئیں۔ شاید میں عالمِ تصور میں سوچتا ہوں کہ زینبؑ نے کہا ہو بہن آگے چلو ـــ ربابؑ نے کہا ہو: بہن آگے چلو ـــ امِّ کلثومؑ نے کہا ہو بہن آگے چلو ـــ لیکن میرا تصور مجھ سے یہ کہتا ہے کہ ایک مرتبہ بیوۂ مسلمؑ اور قریب آئیں اور قریب آنے کے بعد کہا: تم نے اے مسلمؑ مجھے دیکھ لیا میں نے تمھیں دیکھ لیا۔ میرے ساتھ تمھارے دو جوان بیٹے تھے، دیکھو دونوں کے سر ساتھ لائی ہوں نوکِ نیزہ پر، یہ تمھاری امانتیں تمھارے سامنے حاضر ہیں۔ اے میرے والی و وارث مجھے بتا دو میرے چھوٹے چھوٹے بچے کہاں ہیں؟

اللہ! دنیا روتی رہے گی، قیامت تک روتی رہے گی ـــ یہ سوچ کے روتی رہے گی کہ ماں آئی اور بچوں کو یاد کرتی ہوئی چلی گئی۔ بچے قید خانے میں رہے اور ماں کو یاد کرتے رہے۔ ایک ہی کوفے میں ماں بھی ہے اور بیٹیانِ مسلمؑ بھی ہیں مگر ایک دوسرے کو خبر نہیں ہے۔

سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ
اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

مجلس

۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا

—— صلوات ——

پروردگار عالم کا یہ مخصوص کرم رہا ہے ایمان لانے والوں پر کہ اس نے ایمان لانے کے بعد ان کو متوجہ کیا کہ اپنے ایمان کو کافی نہ سمجھنا بلکہ ایمان لائے ہو تو دین کی پابندی کرنا تاکہ تم کو ایمان لانے کا فائدہ حاصل ہو اور دوزخ کی آگ سے بچو اور محفوظ رہو — یہی وہ بات ہے جو پروردگار عالم اس آیۂ کریمہ میں بیان فرماتا ہے۔ جس کا میں ابتدائی فقرہ آپ کے سامنے پڑھتا ہوں کہ ——

"اے ایمان لانے والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو، فیملی کو اور خاندان کو آگ سے بچاؤ اور اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں" — وہ آگ جس پر اللہ نے وہ ملائکہ معین کیے ہیں جو سخت اور شدید مزاج کے مالک ہیں وہ صرف اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں، ہرگز اُس کی نافرمانی نہیں کرتے۔

میری پچھلی تقریریں آپ کے سامنے ہیں۔ میں نے بہت سے مسائل کو چھوڑ کر کے اس مسئلہ سے بحث شروع کی ہے کہ آج ہم مسلمانوں کی، ہم شیعوں کی ہم اثنا عشریوں کی سوسائٹی اس صورت حال سے دوچار ہے کہ ایک طرف ہم

خدا پر، نبیؐ پر، امامؑ پر مستحکم یقین و ایمان رکھتے ہیں اور دوسری طرف ہم اُن کے احکام کے سامنے سر جھکانے کے بجائے سر تابی کرتے ہیں تو قرآن کے بیان کے مطابق یہ ہم ان کے احکام کو چھوڑ نہیں رہے ہیں ـــــ ان کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنے کو آگ سے قریب کر رہے ہیں ـــــ لہٰذا میں نے ان مجلسوں میں صرف اسی کوشش کو شروع کیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے سوسائٹی کو میں اس بات کی طرف متوجہ کروں کہ اگر ہم دین کو مانتے ہیں تو پابندِ دین بھی ہم کو ہونا چاہیئے۔

کل میں نے آپ کے سامنے ایک بات کہی تھی کہ قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ ہم نے تم کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ یعنی ہم کو سمجھ دار اور عاقل و بالغ ہونے کے بعد سے جب تک ہمارے حواس برقرار رہیں، زندگی کو احکامِ خدا کے مطابق بسر کرنا ہے۔ لیکن اس کے بعد ہماری سوسائٹی میں دین کی پابندی کے بہت سے سرکل بنا دیئے گئے، جب کہ مذہب مُطلقاً ہم کو پابند کرتا ہے کہ تم جب تک حواس میں رہو، جب تک عقل مند رہو، جب تک اپنے ہوش میں رہو تب تک تمھارا فریضہ ہے کہ پابندِ دین بنو۔

میں نے کل اس میں سے ایک مسئلہ شروع کیا تھا، آج بھی مجھے اسی مسئلہ کے بارے میں آپ سے کچھ باتیں کہنا ہیں۔ اور اگر ساری باتیں مکمل نہ ہو سکیں تو میں کل بھی آپ کے سامنے اس سلسلے کی کچھ باتیں کہوں گا اور اس بات کو میں اتنی تفصیل کے ساتھ، اتنی ڈیٹیل کے ساتھ اس لیے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ سوسائٹی کو پابندِ دین بنانے کے لیے بے حد ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم رزق اور روزی کے مسئلے کو پورے طور پر سمجھ لیں، پورے طور پر جان سکیں۔

میں آپ کی بہترین توجہ حاصل کرتے ہوئے آج کی اپنی گفتگو اور تقریر کو شروع کرنا چاہتا ہوں کہ پریشانیاں دو طرح کی ہوتی ہیں: ایک وہ بے چینی ہوتی ہے جو واقعی بے چینی

ہوتی ہے۔ اور ایک بے چینی وہ ہوتی ہے کہ ہم بے چینی پیدا کر لیتے ہیں ___ بے چینی ہوتی نہیں ہے۔ تو روزی کے معاملے میں، رزق حاصل کرنے کے معاملے میں آج پوری دُنیا اور ہماری سوسائٹی جتنی بے چین ہے، قرآن مجید، احادیثِ معصومینؑ اور عقل کے دلائل کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ روزی کے لئے ہمیں اتنا بے چین اور پریشان ہونا چاہیئے جتنے ہم پریشان ہیں، یا نہیں ہونا چاہیئے۔ ہم نے زبردستی بے چینی اپنے لیے مول لے لی ہے۔ یہ مسئلہ آپ کے لیے اور میرے لیے سب کے لیے بہترین توجہ کا حقدار ہے۔

ایک صلوات بھیجیں مُحَمَّد و آلِ مُحَمَّد پر !

نہیں ___ ایک پُرزور صلوات بھیجیں مِل جُل کے محمّد و آل محمّد پر !

مثال کے طور پر مجھے سفر کرنا ہے تو ایک بات تو یہ ہے کہ جس ٹرین سے جانے والے ہیں، اس کے وقت کے حساب کو سامنے رکھ کے اور درمیان میں کتنا پہونچنے میں اسٹیشن تک وقت خرچ ہوتا ہے، ساری باتوں کو رکھ کے ہم چلے۔ اب ہماری کوشش ہے کہ ٹرین مس نہیں ہونے پائے ہم اپنے سفر پر روانہ ہو جائیں۔

یہ تو ہے وہ تدبیر، وہ کوشش جو سفر کے لئے اس ٹرین کو پکڑنے کے لئے واجب اور لازم ہے۔ لیکن ہمیں چلنا ہے دسؔ بجے اور ہم صبح سے پریشان ہیں راستے میں کار فیل ہو گئی تو کیا ہو گا۔ پانی برس گیا تو کیا ہو گا ___ کوئی سامان چھوٹ گیا تو کیا ہو گا۔ تو ہم نے صبح چھ بجے سے جو پریشانی مول لے لی تو اب نتیجہ یہ ہوا کہ ہم بھی پریشان ہیں اور پوری فیملی کو پریشان کیے ہوئے ہیں ___ ابھی دوؔ گھنٹے باقی ہیں اور ہم اتنے پریشان ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے ٹرین چھوٹنے والی ہے ___ تو یہ پریشانی ہے نہیں، ہم نے پریشانی مول لے لی ہے۔

تو میں آپ کی خدمت میں جو گزارش کرنا چاہتا ہوں ــــ میں پوری توجہ چاہتا ہوں اپنی ہر بیٹی سے، اپنی ہر بہن سے، اپنے ہر بچے سے، اپنے ہر بھائی سے کہ وہ پورے صبر سے، سکون کے ساتھ ان مسائل پر سنجیدگی سے غور کرے کہ ہم نے روزی حاصل کرنے کے لیے، دولت کمانے کے لیے، ضروریات زندگی فراہم کرنے کے لئے جتنی فکرمندی مول لے لی ہے یہ واقعی صحیح فکرمندی ہے یا ہم خواہ مخواہ کچھ زیادہ پریشان ہیں؟

آپ کہیں گے مجلسوں سے اس موضوع سے کیا تعلق ہے؟ میں تعلق آپ کی خدمت میں عرض کروں۔ جب میں ایک مصروف آدمی سے یہ کہتا ہوں تم نے نماز پڑھی؟ تو وہ پلٹ کے یہ کہتا ہے ہم سے کہ نماز کو ہم واجب سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ بتائیے پہلے بچوں کے لئے پیٹ پالیں، ان کے لئے کپڑے اور مکان کا انتظام کریں۔ ان کے لیے روزی حاصل کریں یا آپ کی نماز کے لیے نکلیں؟

یعنی میں بتدریج اپنے محترم مجمع کے ذہن کو اس مسئلہ سے قریب کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہمارا ذہن رات و دن، صبح و شام ــــ عورت اور مرد، چھوٹے اور بڑے سب فکرمند رہیں گے روزی کے بارے میں ــــ تو جتنی زیادہ دنیا کی فکر ہمارے دل و دماغ پر چھائی رہے گی اتنی ہی زیادہ دین کی، آخرت کی فکر ہماری زندگی میں کم ہو جائے گی لیکن اگر فکرِ دنیا کم ہو جائے، فکرِ رزق کم ہو جائے، روزی کی فکریں کم ہو جائیں تو فکرِ آخرت کے لیے گنجائش نکل آئے گی۔ تو ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ جتنے ہم فکرمند ہیں اتنا ہم کو فکرمند ہونا چاہیے یا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ہونا چاہیے تو عذر صحیح ہے کہ دنیا کی فکروں کے لیے ہم پریشان ہیں تو آخرت کے لئے وقت کہاں سے لائیں۔ لیکن اگر ہم نے غلط طور پر اپنی فکروں کو بڑھا لیا ہے تو قرآن و حدیث کی روشنی میں ایمان حاصل کرنا چاہیے، یقین مضبوط کرنا چاہیے اور اس کے استحکام کے ساتھ ساتھ دنیا کی

فکروں کو کم کرنا چاہیئے تاکہ فکر آخرت کے لئے ہماری زندگی میں جگہ رہ جائے۔

یہ وہ مسئلہ ہے جسے میں آج اپنے مجمع کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں اور اگر اس کے ضروری حصّے مکمل نہ ہو سکے تو کل بھی آپ کی توجہ اس مسئلے کے لیے چاہوں گا۔

اب میں آغاز کرنا چاہتا ہوں ـــــ آیئے پہلے ہم یہ دیکھیں کہ روزی کے بارے میں خداوند عالم نے کیا کہا ہے؟ معصومینؑ کی حدیثیں کیا کہتی ہیں اور دلائل عقلی کیا کہتے ہیں؟ ـــــ کل میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید کا ایک فقرہ پڑھا تھا، آج اُسے پھر پڑھنا چاہتا ہوں ـ بارھویں پارے کا پہلا فقرہ:

"وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا"

زمین میں ایک بھی جان دار مخلوق ایسی نہیں ہے جس مخلوق تک اس کی روزی پہونچانا خدا نے اپنے ذمّہ نہ لے رکھا ہو ـ یہ بات میں کل کہہ چکا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ قرآن کی اس آیت کے ایک دن سُن لینے کے بعد بھی بہت سے دل و دماغ ابھی مطمئن نہیں ہو سکیں گے مسئلہ کے بارے میں ـــ تو میرا فریضہ ہے کہ میں اپنی طاقت بھر ان کو مطمئن کروں ـــــ

اب میں آپ کے سامنے ایک چیز کا اور تذکرہ کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ ہم کو یہ بھی دیکھنا ہے کہ موت آنے کے بارے میں ہمارا یقین کیسا ہے۔ آپ کی توجہ اگر مجھے حاصل ہے تو میں یہ کہنے کی ہمّت رکھتا ہوں کہ دُنیا کا کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے ـــ کوئی مومن ایسا نہیں ہے، ضعیف سے ضعیف ایمان والا، کمزور سے کمزور عمل والا، دین کی پابندی بالکل نہ کرنے والا ـــــ کسی طرح کا کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جس کو موت آنے کا یقین نہ ہو۔

بندہ پرور! عزیزان گرامی! میں آپ کے سامنے اس مسئلہ کو اس رُخ سے

پیش کرنا چاہتا ہوں کہ بحیثیت مسلمان کے ہمارا یقین ہے کہ موت خدا بھیجتا ہے ــــ موت خدا بھیجتا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ موت آ کر رہے گی ــــ تو اگر آپ متوجّہ ہیں تو میں آپ سے اک بات کہنا چاہتا ہوں کہ ایک خدا ہے دو چیزیں بھیجنے کا اعلان کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے موت بھی میں ہی بھیجنے والا ہوں اور روزی بھی میں ہی بھیجنے والا ہوں! ــــ یہ ہم کیسے مسلمان ہیں کہ موت کے آنے کا یقین ہے اور روزی کے ملنے کا شک ــــ شک ہونا چاہیئے تو دونوں باتوں کا ہونا چاہیئے اور یقین ہونا چاہیئے تو دونوں باتوں میں ہونا چاہیئے۔ یہ کیسا یقین کا تضاد ہے کہ موت کے آنے کا یقین ہے اور روزی کے ملنے میں شبہ۔ !!

میں نے ناسمجھی میں روزی کے ساتھ موت کا تذکرہ نہیں شروع کیا ہے۔ میری رہبری کی ــــ میری رہبری کی ہے حضور سرورِ کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے! آپ نے فرمایا:

"جس طرح موت تمہارا پیچھا کرتی ہے ویسے ہی روزی تمہارا پیچھا کرتی ہے"

پیغمبرؐ فرماتے ہیں کہ جس طرح آنے والی موت اس تک پہونچ کر رہے گی جس کے لیے خدا نے موت بھیجی ہے، دُنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو آنے والی موت کو روک سکے ــــ وہی پیغمبرؐ کہتا ہے کہ جیسے آنے والی موت پہونچ کر رہے گی، کوئی اُسے روک نہیں سکتا ہے ویسے ہی خدا کی بھیجی ہوئی روزی ــــ اللہ کا بھیجا ہوا رزق تم تک پہونچ کر رہے گا۔ دُنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو روزی کو تم تک پہونچنے سے روک سکے۔

میں بات جلدی بھی کہہ سکتا ہوں لیکن میں مسئلہ کی نزاکت سے باخبر ہوں، تو میں ذہنوں کو سوچ کے سنبھلنے کا موقع دینا چاہتا ہوں تاکہ میں آگے بڑھوں تو

مَیں اکیلا نہ رہ جاؤں بلکہ سمجھنے والے ذہن بھی میرے ساتھ رہیں ــــــ تو میں پھر اس جُملے کی تکرار کرنا چاہتا ہوں کہ موت کا بھیجنے والا بھی خدا ہے۔ قرآن مجید میں دونوں اعلان کرتا ہے: موت بھی میں ہی بھیجتا ہوں اور روزی بھی میں ہی بھیجتا ہوں ــــ تو پھر یہ کیسی بات ہے کہ موت کے آنے کا ہم سب کو یقین ہے اور روزی کے ملنے پر ہمیں یقین نہیں۔؟

اب حضورؐ کے تذکرے کے بعد میں آپ کے سامنے مزید یقین کو مضبوط کرنے کے لیے مولائے کائنات امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس واقعے کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں کہ ایک دن منبر پر تشریف لائے مولا نے کہا کہ ہمارے نبیؐ نے یہ کہا ہے کہ جیسے موت پیچھا کرتی ہے ویسے ہی روزی پیچھا کرتی ہے اگر موت پہونچ کر رہے گی تو روزی بھی پہونچ کر رہے گی۔ یعنی جو نبیؐ نے کہا تھا اُسے علیؑ نے دُہرا دیا۔

وہاں پر ایک سمجھدار آدمی بیٹھے تھے۔ اس سمجھدار کا مطلب مجھ سے سمجھ لیجیے اس لیے کہ "سمجھدار" میری اصطلاح ہے یہ کوئی اور لفظ نہیں ہے۔ میں سمجھدار اُن کو کہا کرتا ہوں ــــ میں سمجھدار اُن کو کہا کرتا ہوں جو یہ طے کرکے بیٹھتے ہیں کہ نہیں سمجھنا ہے۔ مجھے یہ شبہ نہیں ہے کہ ایسا کوئی سمجھدار یہاں بھی ہوگا ــ جن کو اپنے سمجھدار ہونے پر ناز ہوتا ہے، غرور ہوتا ہے وہ دُو گھنٹے باتیں کریں گے، دُو گھنٹے سوال جواب کریں گے اور پھر جب اُٹھیں گے تو وہ جہاں پہ تھے، وہیں پہ تھے ــــ تو یہ وہ سمجھ دار ہیں جو یہ سوچ کے بیٹھتے ہیں کہ ماننا تو ہے ہی نہیں ــــ تو ایسے ہی ایک سمجھ دار مولاؑ کی بزم میں بیٹھے تھے۔ مولا نے نبیؐ کے نفرے کو دُہرایا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جیسے موت پہونچ کر رہے گی ویسے ہی روزی پہونچ کر رہیگی

ایک مرتبہ وہ سمجھدار جو بیٹھے تھے انھوں نے کہا:

"علیؑ! ہم ایک بات سوچ رہے ہیں۔"

کہا: "بتاؤ کیا سوچ رہے ہو۔"

علیؑ کی بات تو سُن لی، اب ذرا سمجھدار کی بات بھی سُن لیجئے۔ انھوں نے کہا:

ایک آدمی نے بڑے بڑے، موٹے موٹے مضبوط پتھروں سے ایک روم بنایا، ایک کمرہ بنایا، ایسے مضبوط پتھر جو ہٹائے نہیں ہٹ سکیں اور ایسا کمرہ بنایا کہ چاروں طرف سے وہ کمرہ بند ہو گیا، وہ رُوم بند ہو گیا اس میں سُوئی کی نوک کے برابر ـــــ سُوئی کی نوک کے برابر بھی کوئی سُوراخ نہیں چھوڑا اور وہ کمرہ بنا کے وہ آدمی اس کے اندر بیٹھ گیا۔

مولا نے پوچھا: بیٹھ گیا پھر کیا ہوا؟

کہا: میں یہی سوچ رہا ہوں کہ جب وہ آدمی ایسے روم میں جہاں مضبُوط پتھروں سے دیواریں اور چھت سب بنی ہوں اور سوئی کی نوک برابر بھی کوئی سُوراخ باقی نہیں ہے وہاں جب بیٹھ گیا ہے تو روزی لے جانے والا فرشتہ وہاں پہونچے گا کیسے؟

سمجھ داری دیکھ لی آپ نے! ـــــ اچھا! ایک سمجھداری آپ اور کر سکتے ہیں کہ تھوڑی جگہ اسٹیج پر خالی ہے اور تھوڑا آپ آگے بڑھ سکتے ہیں تاکہ نئے آنے والوں کو جگہ مل جائے ـــــ ایک صلوات بھیج دیں۔

اچھا یہ مسئلہ روز پیدا ہوتا تھا کہ آگے بڑھیے، آگے بڑھیے اور میں کسی دن نہیں کہتا تھا۔ کیوں نہیں کہتا تھا، اس کی وجہ سُن لیجئے: جب بیٹھے ہوئے مجمع سے کہیے کہ آگے بڑھیے تو دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں، کچھ تو بیچارے آگے بڑھ جاتے ہیں اور کچھ اپنی جگہ پر ایسے ہلتے ہیں کہ معلوم ہوا آگے بڑھے ہیں پھر وہیں بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہمّت کر کے آگے بڑھ ہی لیجئے۔ کوئی آپ سے پیچھے ہٹنے کو نہیں کہہ رہا ہے، آگے

بڑھنے کو کہہ رہا ہے ـــــ صلوات بھیج دیں محمدؐ و آلِ محمدؐ پر!

تو آپ کو سمجھ دار کی بات یاد ہوگی۔ انھوں نے کہا: بڑے بڑے مضبوط پتھروں کی دیواروں سے روم بناکے، کوٹھری بناکے، کمرہ بناکے اپنے کو بند کرکے بیٹھ گیا اب روزی لانے والا فرشتہ جائے گا کیسے؟ یعنی یہ اپنے خیال میں جھٹلا رہے ہیں اس بات کو کہ جو نبیؐ نے کہا تھا کہ تمھارا پیچھا جیسے موت کرتی ہے ویسے ہی روزی کرتی ہے۔ موت پہونچ کر رہے گی، روزی پہونچ کر رہے گی ـــــ انھوں نے کہا: روزی کیسے آئے گی؟ سوئی کی نوک کے برابر راستہ نہیں ہے۔

متوجہ ہیں آپ؟ جب سمجھ دار نے اپنی بات مکمل کی اور مکمل کرنے کے بعد کہا کہ علیؑ میرے سوال کا جواب دو۔ جب سُوئی کی نوک کے برابر راستہ نہیں ہے تو روزی کا فرشتہ کیسے جائے گا؟

تو مولا نے کہا: میں دوسری بات سوچ رہا ہوں ـــــ میں دوسری بات سوچ رہا ہوں تو اُن سمجھدار کو یہ خیال پیدا ہوا کہ علیؑ کے پاس میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ اس لئے علیؑ جواب دینے کے بجائے بات ٹال رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں میں دوسرا مسئلہ سوچ رہا ہوں ـــــ تو انھیں خیال پیدا ہوا کہ پُوری تاریخ میں پہلا اور آخری آدمی ہوں گا جس نے ایسا سوال کیا ہے جس کا جواب بابِ مدینۂ علم کے پاس نہیں۔ لہٰذا وہ اصرار کرنے لگے کہ علیؑ دوسری بات پھر سوچیے گا میرے سوال کا جواب دیجیے۔

وہ جتنا شدّت سے اصرار کرتے جارہے ہیں کہ علیؑ میرے سوال کا جواب دیجیے مولا نے کہا میں دوسری بات سوچ رہا ہوں ـــــ میں دوسری بات سوچ رہا ہوں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے زور کی وجہ سے سارا مجمع متوجّہ ہوگیا، تو مولا نے کہا:

میں تمھارے سوال کا جواب تو دوں گا مگر ایک میری بات بھی تو سنو۔

کہا: اچھا خیر علیؑ آپ بھی اپنی بات سُنا لیجئے۔ یعنی یہ تو اُن کو اطمینان ہو گیا کہ ان کے پاس جواب میرا نہیں ہے۔

مولا نے کہا، میں یہ سوچ رہا ہوں کہ جب سُوئی کی نوک کے برابر راستہ نہیں ہے ــــ تو روزی پہونچنے نہ پہونچے مگر یہ آدمی ہمیشہ زندہ رہے گا مر نہیں سکتا۔

سمجھدار کہنے لگے: "علیؑ! موت تو یقینی ہے۔"

کہا: کیوں ــ؟

کہنے لگے: جب اس کو نہ کھانا ملے گا نہ پانی ملے گا، نہ اچھی ہوا ملے گی تو یہ تو یقیناً مر جائے گا۔

علیؑ نے کہا: جب سُوئی کی نوک کے برابر راستہ نہیں ہے تو ملک الموت جائیں گے کیسے؟ یہ تو قیامت تک زندہ رہے گا۔

کہنے لگے: علیؑ! ہمارے پاس کوئی دلیل ہو یا نہ ہو مگر ہمیں یقین ہے کہ یہ مر تو ضرور جائے گا۔ بھوکا پیاسا مر جائے گا۔ کیسے نہیں مرے گا۔

تو مولا نے مسکرا کے کہا: جب سُوئی کی نوک کے برابر راستہ نہیں ہے مگر ملک الموت راستہ بنا لیں گے۔ تو جب خدا کا بھیجا ہوا ایک فرشتہ جو ملک الموت ہے وہ راستہ بنا سکتا ہے تو جو روزی والا فرشتہ ہے وہ بھی راستہ بنا لے گا۔ یہ کیا تمھارا یقین ہے کہ روزی والا فرشتہ نہیں پہنچ سکتا ہے موت والا فرشتہ پہونچ سکتا ہے۔؟ صلوات

میں آپ کا ابھی مزید وقت لوں گا اور گزارش کروں گا کہ تھوڑی سی باتیں اس مرحلہ پر اور آپ سُن لیں تاکہ پہلے یہ طے ہو جائے کہ خدا نے، نبیؐ نے، امامؑ نے یہ کہا ہے کہ روزی ملنے والی ہے، روزی پہونچنے والی ہے۔ پھر اس کے بعد جتنے اس سے متعلق مسائل پیدا ہوں گے، کہ پھر تدبیر کریں یا نہ کریں، تدبیر واجب ہے کہ نہیں ہے

حلال تدبیر کیا ہے، حرام تدبیر کیا ہے ــــ یہ سارے مسائل بعد میں آئیں گے میں اُسے پیش کروں گا آپ کے سامنے، لیکن پہلے یہ تو طے ہو جائے کہ قرآن بھی کہتا ہے کہ خدا نے ہر زندہ مخلوق کی روزی پہونچانے کے لئے خدا کا اعلان بنایا ہے قرآن نے کہ خدا ذمّہ دار ہے پیغمبرؐ نے اس اعلان کو دُہرایا ہے۔ مولائے کائناتؑ نے اسی پیغام کو دُہرایا ہے تو اگر ہم اللہ والے ہیں، اگر ہم نبیؐ والے ہیں، اگر ہم علیؑ والے ہیں تو ہمیں یقین ہونا چاہیئے کہ جیسے موت ہم تک پہونچ کر رہے گی ویسے ہی روزی ہم تک پہونچ کر رہے گی۔

ایک صلوات بھیجیں محمّد و آلِ محمّدؐ پر

اصل میں ہم ابھی خالی کہہ ہی رہے ہیں کہ روزی پہونچے گی۔ اگر پہونچ گئی ہوتی تو مومنین نے اس سے پُرزور صلوات بھیجی ہوتی۔!

قرآن مجید کے اس اعلان کے سلسلے میں تفسیروں میں ایک واقعہ ملتا ہے، اسے بھی سُن لیجئے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ جو بھی زمین پر زندہ مخلوق موجود ہے، حرکت کرنے والی مخلوق موجود ہے، چلنے پھرنے والی مخلوق موجود ہے اس تک روزی پہونچانا خدا نے اپنے ذمّہ رکھا ہے۔ ایک بھی جان دار زمین پر ایسا نہیں ہے جس تک روزی پہونچانا خدا نے اپنے ذمّے نہ رکھا ہو ــــ اس ذیل میں ایک واقعہ ملتا ہے اسے بھی سُن لیجئے ــــ اچھا میں اس پر اصرار ابھی نہیں کروں گا کہ ہر سننے والا باتوں کو سچّا مان لے لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ جس کو اعتماد آجائے وہ مان لے ــــ

سمندر کے کنارے جناب سلیمانؑ بیٹھے تھے ــــ جناب سلیمانؑ نے دیکھا کہ ایک چیونٹی پانی کے بالکل کنارے آئی اور جیسے ہی وہ کنارے آئی اس کے منھ میں ایک دانہ تھا ــــ جیسے ہی وہ کنارے آئی ویسے ہی ایک مچھلی نے منھ کھولا اور چیونٹی مچھلی کے منھ میں چلی گئی ــــ چیونٹی مچھلی کے منھ میں چلی گئی اور مچھلی نے غوطہ

لگا یا اور پانی میں چلی گئی۔ جناب سلیمان وہیں پر بیٹھے رہے۔ تا دیر بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مچھلی۔ وہی مچھلی اسی جگہ پر آئی اور اس نے اپنا منھ نکالا۔ منھ کھولا اور اس کے منھ سے وہ چیونٹی باہر نکل آئی۔ فرق صرف اتنا ہوا کہ جب اس مچھلی کے منھ میں گئی تھی۔ جب اس مچھلی کے منھ میں گئی تھی تو چیونٹی کے منھ میں ایک دانہ تھا۔ اب جب واپس آئی ہے تو چیونٹی تھی اس کے منھ میں دانہ نہیں تھا۔

جناب سلیمان تو اللہ کے نبی ہیں۔ اللہ کے نبی کے پاس علمِ غیب ہوا کرتا ہے۔ لیکن علمِ غیب کے باوجود بھی نبی سوالات کر لیا کرتے ہیں۔ اور یہاں پر میں ایک بات آپ کے سامنے کہنا چاہتا ہوں کہ بہت سے ہمارے مسلمان بھائیوں کو قرآن مجید اور احادیث و تفاسیر میں اور واقعات کو پڑھ کے جب یہ ملا کہ فلاں نبی نے فلاں بات پوچھی۔ فلاں نبی نے فلاں بات پوچھی تو ان کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ نبی کے پاس علمِ غیب نہیں ہوتا ہے اور انھوں نے دلیل قائم کر دی کہ اگر نبی کے پاس علمِ غیب ہوتا تو نبی پوچھا کیوں کرتے۔

میرا اس وقت کا موضوع علمِ غیب نہیں ہے، لیکن میں ایک بات ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ میرے جن مسلمان بھائیوں کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ نبیؐ کے پاس علمِ غیب نہیں ہوتا۔ نبیؐ کے پاس علمِ غیب نہیں ہوتا ہے اور جب نبیؐ کے پاس نہیں ہوتا ہے تو امامؑ کے بارے میں تو سوچ ہی نہیں سکتے ہیں۔ تو میں ان سے صرف اتنی سی بات پوچھتا ہوں کہ ٹھیک ہے نبیؐ کے پاس علمِ غیب نہیں ہوتا ہے یہ بات نبیؐ جانتے ہیں یا خدا جانتا ہے آپ کو اس علمِ غیب کا پتہ کیسے چل گیا کہ ان کے پاس علمِ غیب نہیں ہوتا۔ لیکن جتنی دلیلیں ہیں، انھوں نے کہا قرآن مجید میں فلاں نبی نے فلاں بات پوچھی۔ فلاں بات فلاں نبی کو خدا نے بتائی۔ تو اگر ان کے

پاس علم غیب ہوتا تو یہ پوچھتے کیوں اور خدا ان کو بتاتا کیوں ۔ تو ایسی ساری دلیلوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے میں قرآن مجید کا ایک چھوٹا سا فقرہ، چھوٹا سا واقعہ یاد دلانا چاہتا ہوں اگر آپ اسے یاد رکھیں گے تو علم غیبِ انبیاء اور ائمہؑ کے بارے میں کبھی سوالات کرنے کی وجہ سے شبہ پیدا نہیں ہوگا۔

توجہ چاہتا ہوں ــــ جنابِ موسیٰ کوہِ طور پر ہیں اور خدا پوچھتا ہے کہ موسیٰ یہ بتاؤ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے :

" وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ "

" موسیٰ یہ بتاؤ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے "ــــ تو جتنے آدمی یہ کہتے ہیں اگر نبی جانتے ہوتے تو خدا سے نہ پوچھتے ۔ اگر امام جانتے ہوتے تو خدا اور نبی سے نہ پوچھتے ۔ میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں اگر خدا جانتا ہوتا کہ موسیٰ کے ہاتھ میں کیا چیز ہے تو موسیٰ سے نہ پوچھتا ــ یعنی اگر سوال کرنے سے معاذاللہ جہالت ثابت ہو جاتی ہے تو یہ خدا کا جس کا علم عین ذات ہے یہ کیوں پوچھ رہا ہے ــ تو خدا نے کہا میں سوال کرتا ہوں تاکہ جب کوئی سوال کرے تو ہر سوال کرنے والے کو جاہل نہ سمجھ لینا ــــــ

دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اگر انھوں نے پوچھا بھی تھا تو خدا جواب نہ دیتا اور کہتا کہ نبی آپ تو جانتے ہیں کیوں پوچھتے ہیں ۔ اللہ نے کہا یہ جواب بھی ہمیشہ کے لئے باقی رہے اور سوال ختم ہو جائے ۔ جناب موسیٰ سے پوچھا کہ موسیٰ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟ اور موسیٰ نے بتانا شروع کیا : یہ عصا ہے، یہ لکڑی ہے، اس پر میں تکیہ کرتا ہوں، بھروسہ کرتا ہوں، میں اس سے اپنے جانوروں کو ہنکاتا ہوں ــــــ اے موسیٰ! اتنا کہدو خدا تو تو جانتا ہے کیوں پوچھ رہا ہے ــــ تو خدا نے پوچھ کے

موسیٰؑ نے بتا کے بتایا کہ ہر سوال و جواب کو بنیادِ جہالت سمجھنا جہالت ہے۔

تو میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا تھا کہ جب وہ چیونٹی نکل کے جانے لگی تو جناب سلیمانؑ نے کہا:

اے خدا کی مخلوق، یہ بتاتی جا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟

وہ پلٹی اور اس نے پلٹ کے کہا: اللہ کے نبی! آپ جانتے ہیں مگر آپ نے پوچھا ہے تو میں عرض کرتی ہوں:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

"زمین میں ایک بھی مخلوق ایسی نہیں جس تک روزی پہونچانا خدا نے اپنے ذمّے نہ رکھا ہو" —— اس کی تفصیل عرض کر رہا ہوں، تفسیر عرض کر رہا ہوں، تشریح عرض کر رہا ہوں —— اس چیونٹی نے کہا:

سمندر کی تہوں میں پتھریلے غار ہیں —— ان غاروں میں پتھروں کے ٹکڑے ہیں۔ دو پتھروں کے درمیان ایک ذرا سی جگہ ہے اس جگہ پر اللہ نے ایک کیڑا پیدا کیا ہے جس کے ہاتھ پیر نہیں ہیں، جس کے آنکھ، کان، ناک نہیں ہیں؛ اس کیڑے کی چوبیس گھنٹے کی غذا ایک دانہ! تو چونکہ اللہ نے روزی پہونچانا اپنے ذمّے رکھا ہے تو دانہ لے کے دریا تک میں آتی ہوں اور مجھے مچھلی وہاں تک پہونچاتی ہے۔ اس طرح اس کمزور اور مجبور مخلوق تک اس کی روزی خدا پہونچا دیتا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ میری بیٹیاں، میری بہنیں، میرے بھائی، میرے بچے آج ہی میرے بیان کو تسلیم کر لیں۔ ابھی تو میرے پاس وقت باقی ہے۔ آپ کے پاس موقع باقی ہے مسائل کو سننے اور سمجھنے کا۔ جتنے بھی سوالات آپ کے ذہن میں پیدا ہوں وہ آپ مجھے بتائیں۔ اگر میری حدِ لیاقت کے اندر ہوگا تو میں اس کا جواب

دوں گا۔ ابھی تو میں نے کل سے لے کر آج تک صرف اتنا کہنا چاہا ہے کہ خدا یہی کہتا ہے کہ روزی پہونچانا ہماری ذمّہ داری ہے۔ حضورؐ یہی کہتے ہیں کہ خدا نے روزی پہونچانے کی ذمّہ داری لی ہے۔ مولا علیؑ یہی کہتے ہیں کہ روزی پہونچانے کی ذمّہ داری خدا نے لی ہے۔ تو ہم کو اب یہ یقین تو ہونا چاہیے کہ روزی پہونچنے والی ہے۔

اگر تذکرہ یہاں تک پہونچ گیا تو میں ـــــ سمجھدار اور فہیم علمی مجمع سے خطاب کرتے ہوئے دوسری بات کہنا چاہتا ہوں کہ اب میرا بیان سیدھا سیدھا اس راستے پر آیا کہ جیسے موت کا آنا یقینی ہے ویسے ہی روزی کا آنا یقینی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو شک ہو سکتا ہے روزی کے ملنے میں تو اسے شک کرنا ہوگا موت کے ملنے میں اور اگر موت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے تو کم سے کم مسلمان تو روزی کا انکار نہیں کریں گے۔

میں نے ایک دن آپ کے سامنے ترجمہ عرض کیا تھا: خدا نے اپنے لیے کہا ہے میں رازق ہوں ـ روزی دینے والا ہوں اور پھر کہا ہے، میں رزّاق ہوں۔ بہت زیادہ روزی دینے والا "ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِیْن" اور میں مضبوط توانائیوں کا مالک ہوں ـــ یعنی وہ یقین دلانا چاہتا ہے کہ میری قدرت میں جب کمی نہیں ہے اور میں نے انشورنش کیا ہے، میں نے ضمانت دی ہے، میں نے گارنٹی دی ہے میں نے وعدہ کیا ہے کہ روزی پہونچاؤں گا تو تم شبہ کیوں کر رہے ہو۔ اگر میں کمزور ہوتا تو تم شبہ بھی کر سکتے تھے۔ جب میرے پاس توانائیاں مکمّل ہیں تو شبہ کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

میں آگے بڑھنے سے پہلے اور مسئلے کے دوسرے مرحلے کو شروع کرنے سے پہلے ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں ـــــ اس دُنیا میں انسان کتنے پائے جاتے ہیں؟ یہ گن لیے گئے ہیں۔ دس دس سال پر مردم شماری ہوتی رہتی ہے۔ میں یہ بھی

مانے لیتا ہوں کہ نہ صحیح ہوتی ہے نہ یہ صحیح ہو سکتی ہے ۔ لیکن بہر حال انسان گن لیے گئے ہیں ۔ پوری دنیا میں کتنے آدمی پائے جاتے ہیں ۔ فلاں ملک میں کتنے آدمی پائے جاتے ہیں ۔ یہ گنے ہوئے آدمی!

لیکن ۔ میں دونوں ہاتھوں کو جوڑ کے اپنی ہر بیٹی اور ہر بہن سے، اپنے ہر بچے اور نوجوان سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا دنیا میں کبھی کوئی ایسی طاقت پیدا ہوئی ہے یا ہو سکی ہے جو یہ گن سکے جانور کتنے ہیں ۔ سمندر میں پانی میں کتنے جانور پائے جاتے ہیں ۔ جنگلوں میں کتنے جانور پائے جاتے ہیں، اس میں درندے کتنے پائے جاتے ہیں، پرندے کتنے پائے جاتے ہیں۔ زمین کے سوراخوں میں رہنے والے کیڑے مکوڑے حشرات الارض کتنے پائے جاتے ہیں؟ ۔ انسان کو گنا جا سکا ہے مگر یہ مخلوق خدا نہیں گنی جا سکی ہے ۔!!

بڑی توجہ چاہ کے ایک فقرہ کہنا چاہتا ہوں: اگر اس ان گنت، بے شمار مخلوق کو خدا روزی پہونچا رہا ہے تو جو بے گنتی والی مخلوق کو پہونچا سکتا ہے تو یہ گنے چنے انسانوں کو روزی نہیں پہونچا سکتا؟ کون نہیں جانتا ۔ کون نہیں جانتا ہے کہ معصومین نے ارشاد فرمایا ۔ معصومؑ نے ارشاد فرمایا کہ روزی کے بارے میں کم سے کم ویسا یقین رکھو جیسا یقین رکھ کے صبح آشیانے سے، اپنے گھونسلے سے چڑیا اور طائر نکلتے ہیں، کس طرح نکلتے ہیں؟ بھوکے نکلتے ہیں۔ مگر انھیں یقین ہوتا ہے کہ جب شام کو پلٹیں گے تو بھوکے نہیں پلٹیں گے پیٹ بھرا ہوا ہوگا۔ تو معصوم نے کہا کہ ایک طائر، ایک اڑنے والی چڑیا کو یہ یقین ہے کہ خدا رازق ہے۔ ہم صبح بھوکے نکلیں گے شام کو بھوکے نہیں پلٹیں گے ۔ اے انسان! کیا تیرے پاس اتنا بھی ایمان اور یقین نہیں ۔؟

میں سمجھتا ہوں کہ اب مزید اس سلسلے میں دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے قابلِ اعتنا حصّہ میں نے آپ کے سامنے پیش کردیا ہے۔ اب میں اس بات کو خود آسان کیے دیتا ہوں، ماننا نہ ماننا الگ بات ہے لیکن کم سے کم اتنا تو ماننا پڑے گا کہ خُدا یہ ضرور کہتا ہے کہ روزی پہونچانا میری ذمّہ داری ہے قرآن کا بھی یہی بیان ہے اور نبیؐ و امامؑ کا بھی یہی بیان ہے ـــــ ہم کو خدا کے بیان پر اعتماد آئے یا نہ آئے یہ الگ مسئلہ ہے مگر خدا نے یہ کہا ہے، یہ تو طے ہے اس میں تو کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اب میں بیان کو دوسرے مرحلے میں لانا چاہتا ہوں۔ یہ طے ہے کہ خُدا کہتا ہے جیسے موت پہونچ کر رہے گی ویسے ہی روزی پہونچ کر رہے گی۔ چار، چھ مرحلے ہیں، جہاں تک سُنا سکوں گا آج سناؤں گا بقیہ کل سے میں زیادہ سنا دوں گا۔

دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ موت کا دن معیّن ہے۔ قرآن مجید نے ایک دو جگہ نہیں، درجنوں جگہ کہا ہے کہ موت کا دن معیّن ہے ـــــ آپ جیسے مجمع کی توجّہ حاصل کرتے ہوئے کہنا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید و احادیثِ معصومینؑ اس بات پر متفق ہیں کہ موت کا دن معین ہے۔ کس کو موت آئے گی، کس دن آئے گی، کس وقت آئے گی، کس زمین پر آئے گی، کس حال میں آئے گی، کس کے ذریعے سے آئے گی ـــــ یہ ساری تفاصیل معین ہیں ـــ تو بس! جیسے، جیسے موت کا ایک دن معین ہے، میں اس سے ایک فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں اگر آپ متوجہ ہو جائیں۔

موت کا ایک دن معیّن ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن سے پہلے موت ـــــ؟

ـــــ (نہیں آئے گی) ـــــ

ہاں! یہی ہم چاہتے ہیں کہ کچھ آپ بھی تو بولیں۔

موت کا ایک دن معیّن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس دن سے پہلے موت نہیں آسکتی ــــ نہیں آسکتی۔ تو جب موت کا دن معین ہے اور اُس دن سے پہلے موت نہیں آسکتی تو اس کا دوسرا جزء بھی یہ ہے کہ ــــــ

اور اس دن سے ٹل نہیں سکتی ــــ جی! میں اسی جُملہ کو پھر دُہرانا چاہتا ہوں کہ جب تک موت کا دن نہیں آنا ہے موت نہیں آسکتی ہے اور جب موت کا دن آجاتا ہے تو موت؟ ــــ جا نہیں سکتی! عجیب و غریب بات ہے اگر یقین پیدا ہو جائے تو زندگی کتنی ہلکی ہو جائے ــــــــ زندگی میں کتنی اُلجھنیں ختم ہو جائیں!

میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب بحیثیت مسلمان کے ہم کو قرآن مجید کے بیان کے بعد یہ یقین ہے کہ موت کا ایک دن معین ہے اس دن سے پہلے موت نہیں آسکتی ــــ تو یہ جو ساری زندگی ہم ڈرتے رہتے ہیں کہیں مر نہ جائیں ــــ! بلڈنگ سے باہر نکلے کسی کار کے آنے کی آواز سُنی ــــ ڈریں گے کہ نہیں؟ ــــ میں احتیاط سے منع نہیں کر رہا ہوں، احتیاط تو واجب ہے مگر احتیاط کرنے کے بعد بھی خواہ مخواہ بے چین رہنا ــــ کہیں مر نہ جائیں!

میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دو طرح کے آدمی ہوتے ہیں ایک وہ ہیں جن کو اطمینان ہے کہ اس دن سے پہلے موت نہیں آئے گی جو موت کا دن معین ہے اور ایک وہ ہیں جو روز ڈرتے ہیں کہیں مر نہ جائیں ــــ کہیں مر نہ جائیں۔ تو رزلٹ کیا نکلتا ہے؟ مرتے ہیں ایک مرتبہ کوئی آدمی بھی آپ کو دو مرتبہ مرتا ہوا نہیں ملے گا۔ مرتے ہیں ایک مرتبہ لیکن ڈرتے ہیں زندگی میں لاکھوں مرتبہ۔

کہیں مر نہ جائیں۔

آپ کے قدیم ذوق کے مطابق ایک جُملہ عرض کر دوں کہ جسے یقین ہے کہ وقت سے پہلے موت نہیں آسکتی ہے وہ میدانِ جہاد میں کونے کونے میں، گوشے گوشے میں ڈھونڈھتا ہے کہ موت کدھر ہے اور موت اس سے بھاگتی نظر آتی ہے اور جو صبح شام ڈرتا رہتا ہے کہیں مر نہ جائیں نبیؐ اسے آواز پر آواز دیتے رہتے ہیں مگر اس کے قدم میدانِ جہاد میں نہیں ٹھہرتے۔ میدانِ جہاد میں جانے والے ــــ میدانِ جہاد میں جانے والے دو ــــ ایک وہ جن سے موت سہمی نظر آتی ہے۔ ایک وہ جو موت سے ڈرے نظر آتے ہیں۔ یہ دو کردار کیوں ہیں؟ ایک کو یقین ہے موت وقت سے پہلے نہیں آئے گی اور ایک ڈر رہا ہے کہیں موت نہ آجائے۔

آج میں چھٹی مجلس پڑھ رہا ہوں، لیکن آج پہلی مرتبہ میرے درجن بھر دوستوں نے "واہ" کی آواز بلند کی۔ یہ میں صرف آپ کو یہ بات نوٹ کرانا چاہتا تھا کہ ہماری سوسائٹی اور ہمارے مجلس سننے والوں کا مزاج یہ ہے کہ جو سنتے آئے ہیں وہ سناؤ گے تو خوش ہوں گے ــــ ایک خراب مثال ہے مگر مثال سُن لیجیے:

انڈیا میں، پاکستان میں گھوڑے تانگے بہت چلتے ہیں۔ ایک تانگے پر ہم بیٹھے ــــ اور گھوڑے نے سرپٹ دوڑنا شروع کیا۔ ایک پانچ میل چلنے کے بعد ایک چوراہا جو آیا تو داہنی طرف موڑا گیا۔ گھوڑا اب نہیں چلتا۔ چابک پہ چابک، تازیانے پہ تازیانے کوڑے پہ کوڑے مارے جا رہے ہیں مگر گھوڑا نہیں چلتا۔ ہم نے گھوڑا چلانے والے سے کہا: بھئی ابھی تو یہ دوڑ رہا تھا، اب کیوں رُک گیا ہے؟

اس نے کہا: میاں ابتک جس راستہ پر دوڑ رہا تھا اس راستے پر روز آتا جاتا ہے، اب ہم نے جدھر موڑا ہے نیا راستہ ہے لہٰذا اڑ گیا۔

بندہ پرور! بُرا نہ مانیے گا۔ مثال پھوہڑ ضرور ہے لیکن ہمارے مجمع کا مزاج بھی یہی ہے کہ جو ہم سُننے آئے ہیں اگر وہ ذاکر بیان کرے گا تو مجمع دوڑتا رہے گا۔ اور اگر ہم نے موڑ دیا مسائل کی طرف تو مجمع اُڑ گیا۔ لیکن اتنا یاد رکھیئے گا اڑیل کو اڑیل ہی ہانکتا ہے دوسرا نہیں ہانکتا۔ میں مسائل پیش کرنے کی ہمّت رکھتا ہوں اور میں خدا نبیؐ اور امام کے سہارے تذکرے پیش کرتا ہوں ـــ بس اتنی میں دُعا کرتا ہوں کہ پالنے والے مجھے اتنی توفیق دے کہ مجمع کی توجہ مجھے حاصل ہو جائے۔

تو کیا میں واہ واہ نہیں کرا سکتا ہوں؟ میں نے ایک ذرا سا نمونہ آپ کے سامنے پیش کر دیا ـــ لیکن سوال یہ ہے کہ کون رہا کون بھاگا یہ تو کل بھی طے ہو جائے گا پہلے یہ طے ہو جائے کہ ہم جنّت کے قریب جا رہے ہیں یا دوزخ کے قریب جا رہے ہیں۔ میں نے یہ آپ کا قیمتی وقت، یہ عظیم وقت اسی لیے لیا ہے کہ یہ طے ہو جائے کہ روزی کے بارے میں جتنا ہم سوچ کے بے چین ہیں یہ صحیح ہے یا غلط ہے۔ اگر غلط ہے تو روزی کی فکر کو ہلکا کر دیں اور رازق کی فکر کو بڑھا دیں، تاکہ جنّت بھی مل جائے، دوزخ سے بھی بچ جائیں۔

اگر ممکن ہو تو ایک پُر زور صلوات بھیج دیں محمّدؐ و آلِ محمّدؐ پر!

تو دو فقرے میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیے۔ پہلا فقرہ یہ کہا کہ موت کا آنا بھی یقینی ہے اور روزی کا آنا بھی یقینی ہے ـ دوسرا فقرہ میں نے آپ کے سامنے یہ کہا کہ موت کا ایک دن معین ہے اس دن سے پہلے موت ـ؟ (نہیں آسکتی) یہ بات دو تین چار مرتبہ بیان کر چکا۔ ایک مرتبہ پھر جی چاہتا ہے کہ عرض کر دوں اگر ہم قرآن کے اس بیان پر یقین کر لیں کہ موت کا ایک دن معین ہے تو پھر اس دن سے پہلے موت نہیں آسکتی ہے اور اتنا اطمینان ہمیں کرنا چاہیئے۔ فقرہ عرض کر رہا ہوں کہ

جب اُس دن سے پہلے موت نہیں آسکتی ہے تو ہم کو موت سے نہیں ڈرنا چاہیئے ــــ کیوں؟ اس لیے کہ موت خود ہماری حفاظت کر رہی ہے۔ جب وقت سے پہلے نہیں آسکتی تو موت خود ہماری حفاظت کر رہی ہے۔

میرے عزیزو! مجھے بتاؤ اُس مال کے لُٹنے کا کہاں خطرہ ہے لوٹنے والا ہی جس کا محافظ ہو! ــــ تو موت کا ایک دن معیّن ہے۔ اور کل کی میری تقریر آپ مجھے واپس کر دیں دُو منٹ کے لئے ــــ مولا علیؑ نے بتایا کہ موت کا ایک دن معین ہے اور روزی ہر دن کی معین ہے۔ دُو درہم والا واقعہ یاد ہے؟ علیؑ کے اس بیان نے بتایا کہ روزی ہر دن کی معین ہے تو اب میری گزارش یہ ہے اپنی بیٹیوں اور نوجوانوں سے، بچوں سے کہ دُو باتیں یاد رکھنا ــــ مَوت کا آنا یقینی ہے اور روزی کا ملنا بھی یقینی ہے ــــ موت کا ایک دن معین ہے اور روزی ہر دن کی معین ہے۔

تیسری ضروری بات اور سُن لیجئے ــــ تیسری ضروری بات یہ ہے کہ میں نے ابھی آپ کے سامنے گزارش کی ہے کہ قرآن مجید میں تذکرہ ہے، احادیث میں تذکرہ ہے کہ پُوری ڈیٹیلس، پُوری تفصیل معین ہے۔ کس کو کہاں موت آئے گی، کب آئے گی، کیسے آئے گی، کس بیماری میں آئے گی، کس حادثہ سے آئے گی۔ یعنی موت سے متعلق کوئی تفصیل ایسی باقی نہیں ہے جسے قرآن مجید نے بیان نہ کر دیا ہو۔ مگر کسی مرنے والے کو موت کی تفصیل نہیں بتائی جاتی۔ یہ بڑا اہم مسئلہ ہے۔ میں بہت دیر تک آپ کو اس جُز پر روکوں گا نہیں، لیکن ضروری تذکرے کو مجھے سُنا لینے دیجئے ــــ موت کی ساری تفصیل معین ہے مگر موت بھیجنے والا جانتا ہے، موت لانے والے ملک جانتے ہیں ــ جو اس سلسلے کے واقف کار ہیں وہ جانتے ہیں مگر مرنے والے کو اطلاع نہیں دی گئی ہے کہ فلاں دن موت آئے گی، فلاں وقت موت آئے گی

فلاں جگہ موت آئے گی ـــــ کیوں؟ اس سے علمِ موت چُھپایا کیوں گیا۔ لمبی چوڑی بات کے بجائے بڑے مختصر طور پر ایک بات سُن لیں۔ بس اتنی مثال رکھیے:

مجلس میں دو آدمی بیٹھے ہیں، ایک دل کے کمزور ـــ 'مَیں' ـــ ایک دل کے مضبوط ـــ 'آپ' ـــ اب تو بگڑنے کی بات نہیں ہے' ـــ تو ایک آدمی ہے دل کا مضبوط اور ایک دل کا کمزور۔ جو دل کا کمزور تھا اس کو خدا نے مجلس میں بیٹھے بیٹھے یہ اطلاع دی کہ تمہاری موت کے آنے میں دُو مہینے، دُو دن، دُو گھنٹے باقی ہیں ـــ! کیا بتایا؟ دُو مہینے، دُو دن دُو گھنٹے باقی ہیں۔ یہ کسے بتایا؟ کمزور دل والے کو۔ اور جو مضبوط دل والا تھا اس کو بتایا: تمہاری موت آنے میں ایک مہینہ، ایک دن، ایک گھنٹہ باقی ہے۔ کس کی موت قریب ہے؟ اس کی ہی قریب ہے، لیکن ـ ذرا صورتِ حال سُنیے ـــ کمزور دل والے کو جو پتہ چلا کہ موت میں دُو مہینے، دُو دن، دُو گھنٹے باقی ہیں تو جب مجلس ختم ہو گئی، لوگ چلے گئے، ماتم ختم ہو گیا۔ لوگ چلے گئے وہ نہیں جاتے۔

کسی نے کہا: کیا خیال ہے جائیے گا نہیں؟

کہنے لگے: کیا کریں گے جا کے۔ ساری زندگی میں دُو مہینے باقی ہیں دُو دن باقی ہیں۔ دُو گھنٹے باقی تھے اس میں سے ایک گھنٹہ تو مولوی صاحب لے گئے ـــــ

تو، لوگوں نے کہا کہ جو کچھ بھی ہے مگر جائیے گا نہیں؟

کہنے لگے: اب کیا جائیں۔ ہاں بھائی اب تو ہمیں جانا ہی ہے۔ جب لوگوں نے بہت گھبراگھاری کی، گئے۔ بڑی مشکل سے گھر پہونچے۔ گھر کے اندر جو داخل ہوئے تو بیوی نے پوچھا: خیریت ہے؟!

کہنے لگے: کیا خیریت ہے۔ دُو مہینے، دُو دن، دُو گھنٹے باقی تھے، دُو گھنٹے

تو ختم ہو گئے۔ جو دوسرا دن تھا وہ شروع ہو گیا۔

دوسرے دن لوگوں نے کہا: سروس پر نہیں گئے؟

کہا: سروس پر کیا جائیں دو مہینے باقی ہیں۔

پانی برسا، گھر میں ٹپکا۔ سارا سامان بھیگ گیا۔ لوگوں نے کہا: کسی کو بلائیے مرمت کرا لیجئے۔

کہا: جس کو رہنا ہو مرمت کرائے۔ اپنے کو تو اب ایک ہی مہینہ رہ گیا۔

تو ـــ نتیجہ یہ ہوا کہ علمِ موت پا کے، علمِ موت پا کے ان کی قوتِ عمل اتنی مفلوج ہو گئی کہ نہ یہ اب کچھ سوچ سکتے ہیں نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ کاروبارِ حیات بند ہو گیا۔ موت ابھی نہیں آئی ـــ یہ زندہ ہیں مگر کاروبارِ حیات بند ـــ موت آنے پر زندگی بند ہونی تو بند ہوتی لیکن جو علمِ موت مل گیا تو اس سے پہلے ہی بند ہو گئی۔ لوگوں نے پوچھا: کہیے کیا حال ہے؟

کہا: کیا حال ہے؟ پندرہ دن باقی ہیں۔!!

اچھا ـــ اب اُس کا حال بھی سُن لیجئے ایک منٹ میں، مضبوط دل والے کا۔ اس کو آ کے فرشتے نے کہا کہ اللہ نے کہا ہے کہ تمھاری زندگی میں، یعنی موت آنے میں ایک مہینہ، ایک دن، ایک گھنٹہ باقی ہے۔ دُبلا پتلا کمزور آدمی تھا۔ لیکن اب جو اُٹھا تو جو سامنے آیا اس کو اُٹھا کے پٹخ دیا۔ چار چار چھ چھ آدمی اسے پکڑنے کے لیے آتے ہیں مگر معلوم ہوا بجلی بنا ہوا ہے ـــ بجلی بنا ہوا ہے کسی کے ہاتھ نہیں آتا۔ انھیں مارا، اُنھیں گرایا۔ انھیں مارا، انھیں گرایا پولیس آئی تو اسے بھی مارا ـــ میں خالی مثال سنا رہا ہوں واقعہ نہیں سُنا رہا ہوں ـــ تو لوگوں نے اس کے قریب جا کے کہا: بھئی تم نے اتنے

آدمی زخمی کر دیئے، اتنے آدمی قتل کر دیئے یہ تمھاری آفت کیا ہے؟

کہا: چلے جاؤ! اس لیے کہ ہم کو اللہ کی طرف سے یقین ہو گیا ہے کہ ابھی ہماری زندگی میں ایک مہینہ باقی ہے۔ جس کو کہو اُسے مار دیں، جس کو کہو اسے زخمی کر دیں، جو چاہیں کر لیں۔

تو معلوم ہوا کمزور دل والے کو بتایا تو اس نے کاروبارِ حیات ہی بند کر دیا۔ اور مضبوط دل والے کو بتایا تو اس نے فساد ہی فساد برپا کر دیا۔ لہٰذا خدا نے کہا کہ انسان کے کمزور ظرف میں صلاحیت نہیں ہے کہ اس کو علمِ موت دیا جائے۔ ہر چیز کا جاننا ہی اچھا نہیں ہوتا ہے، کچھ چیزوں کا نہ جاننا بھی اچھا ہوتا ہے۔ ہر چیز کا یاد رکھنا ہی اچھا نہیں ہوتا ہے کچھ چیزوں کا بھول جانا بھی اچھا ہوتا ہے۔ اگر ماں کو بیٹا نہ بھولے جو مر گیا ہے، تو ماں زندہ نہیں رہے گی، مر جائے گی۔ تو بھول یہاں کام دیتی ہے تو غم ہلکا ہو جاتا ہے۔ تو ہر چیز کا جاننا مناسب نہیں ہے۔ کچھ چیزوں کا نہ جاننا مناسب ہے۔

کبھی کبھی ہمیں ایک آدھ ملتے ہیں۔ ہم نے کہا۔ ہم نے کہا قرآن مجید نے کہا ہے شراب پینا حرام ہے۔

کہا: پی ہے؟ جو آپ حرام سُنا رہے ہیں تو پی ہے؟

ہم نے کہا: ہم تو حرام بتا رہے ہیں۔

کہا: اگر حرام بتانا ہے تو پہلے پیو، پھر کہو کہ حرام ہے۔

یعنی معلوم ہوا کہ پہلے ہم شراب کے نشے کو جان لیں تب حرام کہہ سکتے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم سے عقل کہتی ہے کہ نہ جاننا بہتر ہے جاننے سے۔ یاد رکھنا چاہیئے نہیں بھولنا چاہیے۔ یاد رکھنا اچھی چیز ہے بھُول جانا بُری چیز ہے

لیکن جب لڑائی ہوجائے تو لڑائی میں ایک دوسرے کے خلاف کہہ دیا ہے اس کو یاد رکھنا اچھا نہیں ہوتا ہے، بھول جانا اچھا ہوتا ہے۔

بات آگئی ہے تو میں امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ..... (میں مقابلہ تو نہیں کراتا لیکن فی الحال صلواۃ میں ڈائس والے ٹکڑے پڑ رہے ہیں، نیچے جو بیٹھنے والے ہیں کمزور پڑ رہے ہیں)۔ تو مولا نے کہا۔ مولا نے کہا دیکھو جب کوئی تمھارا دوست ہو تو دوستی میں اپنے راز نہ بتا دینا کہ کبھی دشمنی ہوجائے تو وہ تمھارے راز سے فائدہ اٹھائے اور تم کو نقصان پہونچائے؛ اور کہا اگر کسی سے لڑائی ہوجائے تو اتنا نہ لڑ جانا، اتنا نہ لڑ جانا کہ جب کبھی دشمنی ختم ہو تو لڑنے کے زمانے کی باتیں کھلنے لگیں۔

یہ وہ اصولِ زندگی ہے، یہ وہ دستورِ حیات ہے جو مولائے کائناتؑ ہم کو اور آپ کو بتا گئے ہیں کہ ملو تو اتنا نہ ملو کہ اپنے کو اس کے قابو میں دے دو، اور لڑو تو اتنا نہ لڑو کہ پھر ملنے کے لئے جگہ نہ رہ جائے۔

تو خیر بات کہیں سے کہیں نکل جائے گی۔ میں آپ کی خدمت میں ـــــ میں آپ کی خدمت میں اس تفصیل کو عرض کر رہا تھا کہ موت کی ساری ڈیٹیلس طے ہیں مگر انسان کو اس سے بے خبر رکھا جاتا ہے۔ ہاں جن کے ظرف میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ علم موت پانے کے بعد نہ ان کا جوشِ عمل کم ہوتا ہے نہ فتنہ و فساد کرتے ہیں ان کو علمِ موت بھی دے دیا جاتا ہے۔

حبیبؓ کو علمِ موت دے دیا جاتا ہے، میثمؓ تمار کو علمِ موت دے دیا جاتا ہے۔ یہ اصحابِ امیر المومنینؑ ہیں جن کو علمِ موت دے دیا جاتا ہے۔ رشید ہجریؓ ہیں جن کو علمِ موت دے دیا جاتا ہے۔ حجرؓ ابنِ عدی ہیں جن کو علمِ موت دے دیا

جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ علم موت کے بعد بھی نہ جوشِ عمل کم کرتے ہیں نہ فساد پیدا کرتے ہیں۔

سوچو ــــ جس تاریخ کے صحابی ایسے ہیں اس تاریخ کے امام کیسے ہوں گے اور جس تاریخ کے امام ایسے ہوں گے ایسے اماموں کا نبی کیسا ہوگا اور یہ نبی جس کو سجدہ کرے گا وہ خدا کیسا ہوگا ــــ

صلوات بر محمّد و آلِ محمّد

تو موت کی ساری تفصیلات معین ہیں مگر ہم کو بتائی نہیں جائیں، تو میں نے آپ کے سامنے ایک فقرہ کہا تھا: موت کا ایک دن معین ہے اور روزی ہر دن کی؟ ــــ (معین ہے) لیکن جیسے موت کی ڈیٹیلس، موت کی تفصیلیں نہیں بتائی جائیں ویسے ہی کسی کو نہیں بتایا جاتا آج تمہاری کتنی روزی معین ہے۔ کہاں ملنے والی ہے، کس کے ہاتھ سے پہونچنے والی ہے۔ کس شکل میں ملنے والی ہے تو ساری تفصیلیں کیوں نہیں بتائی جائیں۔ اگر سارے پیغام ہمارے پاس آجائیں تو آپ یقین مانیے ہم بستر سے باہر ہی نہیں نکلیں گے ــــ تو اللہ نے اس دُنیا کو ویران نہیں بنانا چاہا، لہٰذا روزی معین کی مگر روزی کی تفصیل ہمیں نہیں بتائی۔

میں آج کے بیان کو یہیں پر نامکمل چھوڑتا ہوں اور اس لیے نامکمّل چھوڑتا ہوں کہ جو اُکتا گئے ہوں گے، تھک گئے ہوں گے وہ نہ آئیں گے اور جو مسائل کو سمجھنے کا شوق پیدا کرلیں گے وہ انشاء اللہ آئیں گے۔

میں آپ کی خدمت میں دو بڑی بنیادی گزارشیں کرنا چاہتا ہوں۔ ایک کل کر چکا ہوں اسے دُہراؤں گا، ایک اور کرنا چاہتا ہوں۔ میرا کام ہے، میری کوشش ہے کہ میں آپ کی خدمت کردوں ــــ لہٰذا میں کسی قیمت پر آپ کو رنجیدہ کرنا نہیں

چاہتا۔ اور دوسری گزارش یہ ہے کہ میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اس کے لیے میرا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ سینئے اور غور کیجئے۔ اگر صحیح ہو تو قبول کر لیجئے۔ میرا یہ مطالبہ نہیں ہے کہ میں نے کہا ہے لہٰذا مان لیجئے ــــ یہ حق خدا کو ہے ــــ یہ حق نبیؐ کو ہے ــــ یہ حق امامؑ کو ہے۔ کسی غیر معصوم کو حق نہیں ہے ــــ

تو میں نے آپ کے سامنے اپنے خیالات رکھے ہیں۔ انھیں آپ رات بھر سوچیں، دن بھر سوچیں ـ کل میں پھر انشاء اللہ آپ کی خدمت کروں گا۔ آج کے بیان کا خلاصہ یاد رکھیے گا کہ جیسے موت کا آنا برحق ہے ویسے ہی روزی کا آنا بھی یقینی ہے۔ موت کا ایک دن معین ہے، روزی ہر دن کی معین ہے۔

انسان کی بھلائی اسی میں ہے کہ اس کے لیے موت معین کی جائے مگر اُسے علمِ موت نہ دیا جائے، ویسے ہی انسان اور پوری دُنیا کا مفاد اور فلاح اسی میں ہے کہ روزی معین کی جائے، ہر روز کی معین کی جائے مگر علمِ روزی انسان کو نہ دیا جائے۔

یہ تین مسئلے ہیں جو میں نے آج آپ کے سامنے پیش کیے ہیں اور کل میں آپ کے سامنے سب سے اہم ترین مسئلے کو انشاء اللہ پیش کرنا چاہوں گا کہ جب روزی ملنے ہی والی ہے تو روزی حاصل کرنے کی تدبیر ہم پر واجب کیوں قرار دی گئی ہے اور اس تدبیر کا کیا مطلب ہے اور تقدیر کا کیا مطلب ہے۔ جن مسائل کو مشکل کہا جاتا ہے انشاء اللہ وہ مشکل نہیں نکلیں گے۔ بابِ مدینۂ علم سے جو مجھے بھیک ملی ہے اس بھیک کو تقسیم کرنے کے لیے حاضر ہوں۔

بس کل اگر آپ میرے خیالات کو سنیں گے تو کل ہم آپ اس فیصلے تک پہونچ سکیں گے کہ روزی کے لیے ہم جتنے بے چین ہیں اتنا ہمیں بے چین ہونے چاہیئے یا نہیں بے چین ہونا چاہیے۔ اگر ہم زیادہ بے چین ہیں تو روزی کی بے چینی

کم کر کے اطمینان پیدا کریں، تاکہ جنّت کے حاصل کرنے کے لیے ہمارے پاس گنجائش نکل سکے۔ میں آج آپ کی خدمت میں صرف اتنی سی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میری ساری محنت کا ماحصل یہ ہے کہ ہم روزی کے لیے اتنا بے چین ہوجائیں کہ دین کو چھوڑ دیں، یہ ایک راستہ ہے ___ اور ایک راستہ یہ ہے کہ روزی کے بارے میں رازق کے اوپر بھروسہ کریں اور دین کی پابندی کرنے کے لیے اپنے کو تیار رکھیں۔ میں سمجھتا ہوں ___ میں سمجھتا ہوں حسینی مجمع کو ___ حسینی مجمع کو اتنا سُنا دینا کافی ہے ___ اتنا سُنا دینا کافی ہے کہ کربلا میں دونوں کردار موجود تھے۔

ایک طرف یزید کے فوجیوں کی شکل میں وہ کردار موجود تھا ___ وہ کردار موجود تھا جو روزی کے لیے بے چین تھا ___ روزی کے لیے بے چین تھا چاہے دین چلا جائے۔ اور دوسری طرف حسینیوں کی شکل میں وہ کیرکٹر وہ کردار موجود تھا جس نے یہ طے کیا تھا روزی ___ روزی پہونچانا اُس کے ذمّے ہے، جنّت حاصل کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

مجھ پر فریضہ ہے، میری ڈیوٹی ہے کہ میں دونوں کرداروں کا ہلکا ہلکا ثبوت آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ کون یہاں ایسا بیٹھنے والا ہے جس تک میری آواز جارہی ہے اور اُس نے یہ نہیں سنا ہے کہ عصرِ عاشور کو جب خیمے جلا ڈالے گئے تھے جب بچوں کو طمانچے مارے گئے تھے ___ جب بی بیوں کو تازیانے مارے گئے تھے۔ جب سامان لوٹا گیا تھا تو اس لوٹ کے درمیان کا ایک عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ حسینؑ کے خیموں میں رہنے والی ایک بچی جس کے پیر میں چاندی کا ایک چھوٹا سا معمولی قیمت والا زیور ہے ___ وہ بچّی چادر چھننے کے بعد منھ کے بل زمین پر گری ہوئی ہے، اپنا چہرہ اس لیے نہیں اٹھاتی ہے کہ چادر چھن گئی ہے ___ اور

اُسی وقت ــــ اسی وقت اس کے کانوں میں آواز آتی ہے کہ کوئی رو رہا ہے اور جب وہ سنتی ہے کہ کوئی رو رہا ہے تو اسے یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ جو رو رہا ہے وہ اس کے چھوٹے سے پیر سے اس زیور کو نکال لینا چاہتا ہے جو اس کے پیر میں ہے۔ زیادہ قیمتی نہیں ہے ــــ تو اس بچّی نے پوچھا:

یہ بتاؤ، یہ بتاؤ کہ تم ہم کو دیکھ کے رو کیوں رہے ہو۔ اور اگر تم کو رونا آتا ہے ہم کو دیکھ کے تو پھر یہ ہمیں لوٹ کیوں رہے ہو۔!

پہچانیے روزی کے لیے ــــ روزی کے لیے اتنا بے چین ہو جانا کہ دین چھوٹ جائے ــــ یہ یزید کا کردار ہے، یہ یزیدیوں کا کردار ہے۔ اس نے کیا جواب دیا ہے؟ اس نے جواب دیا ــــ اس نے جواب دیا ہے کہ تمھاری مصیبت اتنی سخت ہے کہ مصیبت دیکھ کے آنسو رُکتے نہیں، میں جو رو رہا ہوں ــــ میں جو رو رہا ہوں یہ اپنے ارادے اور اختیار سے نہیں رو رہا ہوں، محبّت میں نہیں رو رہا ہوں ــــ تمھاری مصیبت دیکھے نہیں دیکھی جاتی ہے، بے قرار ہو کے، بے تاب ہو کے، بغیر اپنے ارادے اور اختیار کے رو رہا ہوں۔

تو شہزادی نے کہا: جب ہماری مصیبت اتنی سخت ہے کہ تم بے اختیار رو رہے ہو، بغیر ارادے اور بغیر محبّت کے رو رہے ہو تو لوٹ کیوں رہے ہو؟

اس نے کہا: لوٹ اس لیے رہا ہوں کہ جو میں نہ اس زیور کو اُتاروں گا تو دوسرا اُتار لے گا۔

ــــــــ معلوم یہ ہوا کہ جب رازق پر سے بھروسہ اٹھ جاتا ہے تو کردار اس منزل پر آجاتا ہے ــــ جب رازق پر سے بھروسہ اُٹھ جاتا ہے تو کردار اِس منزل پر آجاتا ہے!۔ اور دوسری طرف صورت حال یہ ہے ــــ دوسری طرف

صورتِ حال یہ ہے کہ عاشور کی رات ـــــ عاشور کی رات کو حسینؑ نے اپنے اصحاب کو جمع کرنے کے بعد، اپنے مجمع کو جمع کرنے کے بعد یہ کہا ـــــ کیا کہا؟ ہاتھ اٹھائے خدا کے سامنے اٹھائے اور کہا:

پالنے والے! میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں ـــــ میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تونے جیسے ساتھی، جیسے عزیز مجھے دیے ہیں اتنے اچھے عزیز، اتنے اچھے ساتھی میرے نانا کو بھی نہیں ملے، میرے بابا کو بھی نہیں ملے، میرے بھائی کو بھی نہیں ملے ـــــ یہ حسینؑ شکر نہیں ادا کر رہے ہیں عزیزوں کے بہترین عزیز ہونے کی سند دے رہے ہیں۔ کسی کا اپنے بارے میں خیال کرنا اور ہے اور کسی کا فرزندِ رسولؐ کی زبانِ مبارک سے اچھے ہونے کی سند پانا اور منزل ہے اور اس کے بعد، اس شکرانے کو ادا کرنے کے بعد، اس اعلان کو سنانے کے بعد ایک مرتبہ چراغ بجھایا، اندھیرا کر دیا اور کہا:

دیکھو! کل قتل کا دن ہے، کل موت کا دن ہے۔ یہ میرے سر کے دشمن ہیں، یہ میرے گلے کے دشمن ہیں۔ اگر تم میرے ساتھ رہو گے تو تم میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا، کسی کا سر سلامت نہیں رہے گا۔ کسی کی گردن پر اس کا سر باقی نہیں رہے گا۔ تو میں تم سے بے پناہ محبت کرتا ہوں اس لیے بر بنائے محبت میری تم سے خواہش ہے کہ تم میدان سے چلے جاؤ۔ اور کبھی یہ نہ سوچو کہ میں تم سے رنجیدہ اور ناراض ہوں ـــــ نہیں! میں سند دیتا ہوں، تم میرے گھر میں سے ایک ایک آدمی کو اپنے ساتھ لیتے جاؤ کہ وہ بھی بچ جائیں اور تم بھی بچ جاؤ ـــــ

ذرا سوچیے! دنیا میں کوئی دوسرا ہوتا تو سوچتا امامؑ خود کہہ رہے ہیں کہ

چلے جاؤ۔ لیکن یہ کربلا والے تھے جنھوں نے طے کیا تھا ـــــ جنھوں نے طے کیا تھا کہ جنّت حاصل کرنا ہماری ذمّہ داری ہے۔ وہ ہمیں ملنے والی نہیں ہے۔ روزی ہمیں ملنے والی ہے، جنت، ہمیں حاصل کرنا ہے۔ اُٹھے، ایک ایک کر کے اُٹھے۔

کہا: مولا! مر جائیں گے مگر نہیں جائیں گے۔

جب میں نے کتابیں پڑھیں، جب میں نے مقاتل پڑھے، جب میں نے واقعات پڑھے تو سب سے پہلے اُٹھنے والوں میں ابوالفضل العباسؑ تھے۔ اب میں آپ کے سامنے گزارش کروں گا کہ جو میں نے کتابوں میں پڑھا ہے اُسے کتاب کے الفاظ میں نہیں سُنا رہا ہوں، اپنے الفاظ میں سُنا رہا ہوں ـــــ یعنی واقعے کی زبان میں سُنا رہا ہوں:

عبّاسؑ اُٹھے اور انھوں نے کہا: ہم نہیں جا سکتے ہیں ـــــ ہم نہیں جا سکتے ہیں۔ کیا کہا ہو گا عبّاسؑ نے، وہ عبّاس جانیں۔ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ شاید عبّاسؑ نے یہی کہا ہو۔ یہی کہا ہو کہ مولاؑ ـــــ مولاؑ! اگر آج کربلا کے میدان میں آپ کو چھوڑ کے چلا جاؤں تو کل محشر کے میدان میں جب میرے بابا مجھ سے پوچھیں گے عبّاسؑ! ـــــ عبّاسؑ تجھے یاد نہ تھا کہ تیرے پیدا ہونے کی تمنّا میرے دل میں کیوں پیدا ہوئی تھی ـــــ تو مولا بتایئے میں بابا کو کیا جواب دوں گا۔

بنی ہاشم میں سے ایک ایک اٹھا، اصحابِ حسینؑ میں سے ایک ایک اُٹھا۔ تاریخوں میں ان کے جملے بھی محفوظ ہیں ـــــ ان کے جملے بھی محفوظ ہیں۔ بوڑھے، سب سے زیادہ بوڑھے مسلمؒ ابنِ عوسجہ اُٹھے۔ اٹھنے کے بعد انھوں نے کہا:

آقا! جب تک ہاتھ میں تلوار رہے گی لڑوں گا۔ آپ کے دشمنوں کو قتل

کروں گا، آپ کی حفاظت و حمایت کروں گا اور جب تلوار نہیں رہے گی تو ہاتھوں سے لڑوں گا۔ جب ہاتھ بھی بے کار ہو جائیں گے تو اس سر سے دشمنوں کے سروں کو ٹکراتا رہوں گا اور جب تک مر نہیں جاؤں گا تب تک آپ کے قدموں سے نہیں ہٹوں گا۔

زہیرؒ قین اُٹھے۔ الفاظ تنگ تھے اس جذبہ کو بیان کرنے کے لیے جو زہیر کے دل کو بے چین کیے ہوئے تھے۔ زہیرؒ نے کہا: مولاؑ! ایک موت کیا ہے، اگر ستّر مرتبہ میں قتل کر کے زندہ کیا جاؤں تو آپ کے دشمنوں سے لڑتا رہوں گا۔ آپ کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گا۔

یہ کون تھے؟ یہ وہ تھے جن کو — جن کو ہمارے سامنے یہ پیغام پیش کرنا تھا کہ روزی دینا خدا کی ذمہ داری ہے، جنّت لے لینا ہماری ذمہ داری ہے۔ عاشور کا دن آیا۔ پھر آئے گا موقع تو میں سناؤں گا۔ لیکن میں عاشور کی رات میں سے اتنا حصہ سُنانا چاہتا ہوں — کوئی مورخ وقت نہیں بتا سکا — بس اتنا مجھے ملا کتابوں میں — اتنا مجھے ملا کتابوں میں کہ کسی وقت حسینؑ اپنی بہن کے خیمے سے باہر نکلے۔ جب حسینؑ بہن کے خیمے سے باہر نکلے تو کربلا کے میدان میں چلنا شروع کیا آپ نے اور جب کربلا کے میدان میں چلنا شروع کیا تو حسینؑ کے کان میں آواز آئی — قدموں کی چاپ آئی — آہٹ آئی کہ پیچھے پیچھے کوئی آ رہا ہے۔

حسینؑ رک گئے اور پوچھا: "کون۔؟"

آنے والے نے کہا: مولاؑ! میں ہوں ہلال۔ مولاؑ! میں نے آپ کو شہزادی کے خیمے سے نکلتے دیکھا۔ میرا فریضہ ہے کہ میں آپ سے پوچھتا۔ لیکن میرا دل نہیں مانا کہ اگر آپ روک دیں گے تو مجھ پر رُکنا واجب ہو جائے گا۔ اور میرے دل میں طاقت

نہیں ہے کہ میں آپ کو اکیلا جانے دیکھوں اور رُک جاؤں، لہٰذا میں نے جسارت کی اور جرأت کی کہ آپ سے پوچھے بغیر چلا آیا۔

حسینؑ آگے بڑھے اور کہا: ہلال آؤ۔ ہلال آؤ۔ اور اپنا ہاتھ ہلال کے ہاتھ میں دیا اور کہا: ذرا جنّت کی طرف نگاہ اُٹھاؤ۔ جنّت کی طرف نگاہ اٹھاؤ۔

یہ کون ہیں؟ —— یہ کون ہیں جو طرزِ عمل سے ہمیں یہ پیام دے رہے ہیں کہ روزی دینا خدا کے ذمّہ ہے، جنّت لینا ہمارے ذمّہ ہے۔ ہم جنّت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ حسینؑ نے ہلالؓ کے ذریعہ ان کی کوشش کی کامیابی کو پیش کردیا اور کہا: آسمان کی طرف نظر اُٹھاؤ۔

اب جو نظر اٹھائی تو دیکھا دروازے آسمان کے کھل گئے ہیں، جنّت نظر آرہی ہے، کہا: پہچانو ہلالؓ۔ وہ تمہاری جگہ ہے —— وہ زہیرؓ کی جگہ ہے۔ وہ حبیبؓ کی جگہ ہے —— یعنی حسینؑ نے بتا دیا کہ یہ کربلا والے ہیں جو جنّت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس میں کامیاب ہیں۔ مگر کامیاب کیسے ہوں گے ..... جنّت دکھا کے حسینؑ آگے بڑھے اور اس کے بعد کہا:

ہلال! یہ جگہ پہچانو —— یہ جگہ پہچانو! یہاں تم گھوڑے سے زخمی ہو کے گرد گے۔ آگے بڑھے حسینؑ اور کہا: یہ جگہ پہچانو۔ یہ جگہ پہچانو! یہاں میرا بچپن کا ساتھی حبیبؓ آواز دے گا —— آگے بڑھے حسینؑ، کہا: یہ جگہ پہچانو! یہ بڑی مشکل جگہ ہے۔ یہاں میرا زندہ بھتیجہ قاسمؑ مجھے آواز دے گا لیکن میں تب پہونچوں گا جب زندہ قاسمؑ پر سے گھوڑے گزر چکے ہوں گے۔

آگے بڑھے حسینؑ: یہ وہ جگہ ہے یہاں میرا شیر مجھے آواز دے گا۔ شانے کٹانے کے بعد آواز دے گا —— آنکھ میں تیر لگنے کے بعد آواز دے گا۔

سر پر گرز پڑنے کے بعد آواز دے گا۔ اور جب میں پہونچوں گا تو میرا شیر میرے قدموں میں سر رکھ کے جان دے دے گا۔

آگے بڑھے حسینؑ۔ کہا: یہ وہ جگہ ہے جہاں مجھے اکبرؑ کے زخمی کلیجے سے نیزے کے ٹوٹے ہوئے پھل کو نکالنا پڑے گا۔ آگے بڑھے حسینؑ، کہا: یہ جگہ بڑی نازک جگہ ہے۔ یہاں میں تلوار سے ننھی سی قبر کھود کے ـــ تلوار سے ننھی سی قبر کھود کے اپنے چھ مہینے کے چاند علیؑ اصغر کو دفناؤں گا۔

آخر میں ہلالؒ کا ہاتھ لیے ہوئے ـــ آخر میں ہلالؒ کا ہاتھ پکڑے ہوئے حسینؑ ایک نشیب میں اُترے اور اُترنے کے بعد کہا: ہلالؒ! یہاں میں ذبح کیا جاؤں گا۔ یہاں میری سوکھی رگوں پر خنجر پھیرا جائے گا۔

حسینؑ ہلال سے کچھ کہہ رہے تھے کہ ہلالؒ نے ایک مرتبہ داہنی طرف دیکھا پھر بائیں طرف دیکھا۔ حسینؑ نے کہا: کیا دیکھ رہے ہو؟

کہا: مولا! جو دیکھ رہا ہوں وہ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔

کہا: کیوں دیکھ رہے ہو؟

کہا: میرے کان میں، میرے کان میں کسی رونے والے کی آواز آرہی ہے رونے والا بڑی بے چینی کے ساتھ رو رہا ہے۔ بس یہ سمجھئے مولا، جیسے کوئی بوڑھی ماں زندہ رہ جائے اور اس کا جوان بیٹا مر جائے تو یہ تڑپ کے اپنے جوان بیٹے کی لاش پہ روتی ہے ویسے ہی کوئی رو رہا ہے۔

حسینؑ نے کہا: ہلالؒ! تم نے صحیح پہچانا۔ یہ مجھ پر میری ماں فاطمہ زہراؑ رو رہی ہیں۔ اور سنو ـــ سنو جب ہم مدینے سے چلے ہیں یہ روتی ہوئی ماں ہمارے ساتھ ساتھ چلی ہے اور جہاں جہاں ہمارے قیدی جائیں گے

یہ روتی ہوئی ماں ساتھ جائے گی۔

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ

کریم! تجھے واسطہ محمدؐ و آل محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام کا، ہم کو قرآن و احادیث کے ارشادات پر بھرپور یقین رکھنے کی توفیق عنایت فرما۔ ہمارے ایمان میں استحکام عطا فرما تاکہ ہم دُنیا کی فکر کو روز بروز کم کرتے جائیں اور تیرے دین کی پابندی کی فکر کو روز بروز بڑھاتے چلے جائیں۔

کریم! تو ہم کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھ، ہماری فیملی اور خاندانوں کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھ۔ ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ہمارے والدین پر رحمتیں نازل فرما۔ تمام مرحومین پر رحمتیں نازل فرما۔

کریم! ہم سب کی دینی اور دُنیوی حاجتوں کو پُورا فرما۔

کریم! ہم کو دین حاصل کرنے اور پابند دین بننے کی توفیق عنایت فرما تاکہ جب تیری آخری حجت ظہور کرے تو ہمیں شرمندگی نہ اُٹھانا پڑے۔

مجلس

(۶)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَ اَهۡلِیۡكُمۡ نَارًا

صلوات

آج تیسرا دن ہے، جب میں آپ کے سامنے اس مسئلے کو پیش کر کے مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ مسئلہ کیا ہے؟ انسان اپنے رزق اور روزی کو حاصل کرنے میں ضرورت سے زیادہ مصروف ہے، منہمک ہے اور اس نے بے سبب روزی کے بارے میں اتنی بے چینی اور تشویش پیدا کر لی ہے کہ وہ اپنے کو حلال و حرام سے، جائز و ناجائز سے آزاد رکھ کے روزی کمانا چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی روزی جو حلال و حرام کو چھوڑ کر، جائز و ناجائز کو نظر انداز کر کے حاصل کی جائے گی وہ ہمارے لیے روزی نہیں بلکہ دوزخ کی آگ ہوگی۔

وہ دوزخ کی آگ جس کے لیے خداوند عالم بار بار ہمیں آواز دیتا ہے:

"اے ایمان لانے والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ وہ آگ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر ہیں، اس آگ سے بچاؤ جس پر عذاب دینے کے لیے وہ ملائکہ ہیں جو نرمی نہیں برتیں گے بلکہ سخت مزاج ہیں

جو تمہاری فریاد نہیں سنیں گے بلکہ حکم خدا کی تعمیل کریں گے اور نافرمانی نہیں کریں گے۔"

تو آپ کے سامنے روزی اور رزق کے مسئلے میں میں نے پچھلے دو دنوں میں جو بیان کیا ہے آج اسے مکمل کر دینا چاہتا ہوں ـــــ اور یہ میں نے تین دن آپ کے اسی لیے لیے ہیں کہ ایک مسلمان قرآن مجید کی روشنی میں حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت طیبین وطاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اقوال وارشادات کی روشنی میں یہ بات محفوظ کر لے، سمجھ لے کہ روزی مشکل مسئلہ نہیں ہے وہ انشاءاللہ ملنے ہی والی ہے۔ ہماری ڈیوٹی ہے اس جنّت کو حاصل کرنا جو خُدا کسی کو دے گا نہیں بلکہ اس کو ملے گی جو اپنے ایمان اور عمل سے خدا سے حاصل کرے۔ !!

اب میں آپ کو اپنا کل کا بیان خاص طور سے یاد دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے کل تین باتیں آپ کے سامنے کہی تھیں۔ پہلی بات یہ کہی تھی کہ روزی کا بھیجنے والا بھی خدا ہے اور موت کا بھیجنے والا بھی خدا ہے۔ جب ہمیں یہ یقین ہے کہ موت یقیناً آنے والی ہے کوئی اسے روک نہیں سکتا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ روزی جو موت ہی کی طرح ہمارا پیچھا کر رہی ہے، ہمارا تعاقب کر رہی ہے وہ نہیں پہونچے گی۔

دوسری بات میں نے آپ کے سامنے یہ کہی تھی کہ موت کا ایک دن معین ہے اس دن سے پہلے موت نہیں آسکتی، اور روزی ہر دن کی معین ہے۔

تیسری بات میں نے آپ کے سامنے یہ کہی تھی کہ موت کا دن معین ہے، موت سے متعلق ساری باتیں معین ہیں مگر عام انسان کے ظرف میں صلاحیت نہیں ہے

کہ اس کو علمِ موت دیا جائے۔ لہٰذا خدا انسان کو موت بھیجتا ہے مگر انسان کو موت کا علم نہیں ہوتا۔ ویسے ہی اگر وہ ہم کو یہ بتا دے کہ روزانہ تمھاری کتنی روزی معین ہے اور کس کے ذریعہ سے ملنے والی ہے تو یہ دنیا ویران ہو جائے لہٰذا روزی معین ہے مگر اس کا علم اللہ کے پاس ہے ہمارے پاس نہیں ہے۔

یہ وہ تین باتیں ہیں جن کو میں نے کل آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا اور آج بھی اسی سلسلے کی تین ہی باتیں سنا کے اس موضوع کو ختم اور مکمل کردینا چاہتا ہوں تاکہ جو تھوڑی سی راتیں باقی ہیں ان میں، میں آپ کے سامنے اُن ضروری مسائل کا تذکرہ کرسکوں جو میرے خیال میں از بسکہ ضروری ہے کہ بیان کردی جائیں ــــ ایک مرتبہ یاد دلادی جائیں۔

ایک مرتبہ مل جُل کے حصولِ ثواب و برکت کے لئے محمّد و آل محمّد علیہم الصلوٰۃ والسّلام پر دُرود بھیجیں۔

جس مخصوص مسئلے کے بارے میں آج میں آپ کے سامنے جن تین اہم باتوں کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ نے سارے انسانوں کی عمر برابر نہیں رکھی۔ کسی کی عمر کم ہے اور کسی کی عمر زیادہ ہے اور آج تک ہم میں سے ایک آدمی ایسا نہیں پیدا ہوا جسے یہ خیال ہوا ہو کہ خدا کے بجائے ہم نے اپنی عمر بڑھا لی ہے ـــــ نہیں! ہر انسان کو اطمینان ہے، ہر مسلمان کو یقین ہے۔ ہر مومن کو پکا یقین ہے کہ خدا نے جس کی جتنی عمر رکھی ہے اتنے ہی دن وہ زندہ رہتا ہے۔

تو اب میں آپ کی خدمت میں اسی سے ملتی جلتی دوسری بات کہنا چاہتا ہوں کہ جیسے عمر ہمارے قبضے کی چیز نہیں ہے ویسے ہی روزی بھی ہمارے قبضے کی چیز نہیں ہے۔ اس نے کسی کی عمر زیادہ رکھی ہے اور کسی کی عمر کم رکھی ہے ویسے ہی

اس نے ہر شخص کی روزی معین کی ہے، کسی کی روزی زیادہ رکھی ہے اور کسی کی کم۔ پہلے آپ قرآن مجید کا فقرہ پڑھ لیں:

اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ

"اللہ جس کے لیے مناسب سمجھتا ہے اس کے لیے روزی زیادہ معین کرتا ہے اور جس کے لئے مناسب سمجھتا ہے اس کے لیے روزی کم معین کرتا ہے۔"

میں ارباب کرم سے، صاحبانِ فکر و علم سے، اپنے پڑھے لکھے مجمع سے ایک لفظ کے لیے توجہ چاہتا ہوں کہ قرآن مجید میں بہت جگہ آیا ہے کہ خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ یہاں بھی ترجمہ میں نے نہیں کیا ہے۔ لیکن لفظ یہ تھا کہ وہ جس کے لیے چاہتا ہے زیادہ روزی رکھتا ہے، معین کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم روزی دیتا ہے۔ میں نے "اللہ چاہتا ہے" کا ترجمہ اس لیے نہیں کیا کہ اللہ چاہتا ہے کا مطلب ہم ویسے سمجھنے لگتے ہیں جیسے بندے چاہتے ہیں۔

مطلب کیا ہے میرا؟ میرا مطلب یہ ہے کہ جب ہم اپنے درمیان اپنے میں سے کسی آدمی کے لیے بولتے ہیں کہ اس کا دل چاہتا ہے تو زیادہ چندہ دے دیتا ہے اور جی چاہتا ہے تو کم چندہ دیتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم اپنے لیے بولتے ہیں کہ ہمارا جی چاہتا ہے تو زیادہ چندہ دیتے ہیں، جی نہیں چاہتا تو کم چندہ دیتے ہیں یعنی ہمارے زیادہ چندہ دینے کی یا کم چندہ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی ہے۔ جہاں ہم کام 'وجہ' کی بنا پر کرتے ہیں، کسی معقولیت کی بنا پر کرتے ہیں وہاں کہتے ہیں:— ہم نے زیادہ اس لیے دیا۔ ہم نے کم دیا اس لیے دیا ۔۔۔ اور جہاں ہمارے پاس کوئی 'ریزن' نہیں ہوتا ہے کوئی وجہ نہیں ہوتی ہے، کوئی معقولیت نہیں ہوتی ہے وہاں

اپنی اس عدم معقولیت کو چھپانے کے لیے ہم کہتے ہیں: ہمارا جی چاہا، ہم نے ایسا کیا۔
لیکن عزیزانِ گرامی! یہ جی چاہا کا تصوّر جو بندوں کے لیے ہوتا ہے خبردار کبھی کسی مومن کو، کسی مسلمان کو یہ تصوّر خدا کے بارے میں نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں بے شک الفاظ ایسے ہیں کہ وہ جس کے لیے چاہتا ہے عزّت دیتا ہے، جس کے لیے چاہتا ہے ذلّت دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے کم روزی دیتا ہے۔ مگر اللہ کے چاہنے کا مطلب وہ نہیں ہے جہاں ہم کہتے ہیں جب کوئی وجہ نہیں ہوتی ہے — "ہمارا دل چاہا"—

نہیں! خدا کا کوئی کام مصلحت کے خلاف ہوتا ہی نہیں ہے۔

تو میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پورے قرآن مجید میں جب کبھی کہیں آپ پڑھیں کہ اللہ جیسا چاہتا ہے ویسا کرتا ہے۔ تو اس کا مطلب ہمیشہ یہ یاد رکھیں کہ جو مناسب ہوتا ہے وہی کرتا ہے۔ اللہ کے یہاں کوئی کام خلاف مصلحت خلافِ حکمت ہو ہی نہیں سکتا ہے — تو میں نے آپ کے سامنے ترجمہ کیا:

" جس کے لیے مفید سمجھتا ہے زیادہ روزی، اسے زیادہ روزی دیتا ہے۔ اور جس کے لیے مفید سمجھتا ہے کم روزی، اسے کم روزی دیتا ہے"— اس بات کو ہمیشہ یاد رکھیے گا کہ وہ حاکم بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔ لہٰذا اس کا ہر کام حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔

[ایک صلوات بھیج دیں محمّد و آلِ محمّد پر!]

اچھا میں سمجھتا ہوں کہ شاید لوگوں کا خیال ہو گیا کہ اللہ نے ہماری روزی کم رکھی ہے ہم صلوات نہیں پڑھیں گے۔ پھر ایک مرتبہ پرزور صلوات بھیج دیں محمّد و آلِ محمّد پر!]

تو میں تھوڑی دیر اپنے بھائیوں اور بچوں، بہنوں اور بیٹیوں کے سامنے اس مسئلے کی تشریح کرنا چاہتا ہوں کہ جب خدا سب کا خدا ہے تو اس نے کسی کی روزی کم کیوں رکھی ہے اور کسی کی روزی زیادہ کیوں رکھی ہے ـــــ؟

پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ جن کی روزی زیادہ رکھی ہے یا کم رکھی ہے وہ دو طرح کے ہیں: یا تو وہ مومن بندے ہیں جن سے خدا کو محبّت ہے۔ یا وہ غیر مومن بندے ہیں جن سے خدا کو نفرت ہے ـــــ اور یہ کہ یہ مسئلہ بھی ملا دیں ـــ یہاں پر یہ مسئلہ بھی ملا دیں، کہ جن کی اس نے زیادہ عُمر رکھی ہے یا کم عُمر رکھی ہے وہ بھی دو طرح کے ہیں: یا تو وہ مومن بندے ہیں جن سے خدا محبّت کرتا ہے۔ یا وہ غیر مومن بندے ہیں جن سے خدا نفرت کرتا ہے۔ تو غیر مومن کو ایک سائڈ میں لے لیجئے تو مسئلہ آسان ہوجائے گا۔ اور مومن کو الگ کر لیجئے ان کا مسئلہ الگ ہوجائے گا۔

تو مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ غیر مومن سے خدا کو محبّت نہیں ہے، نفرت ہے لہٰذا زیادہ عمر دے گا ـــــ زیادہ عمر دے گا تو وہ بھی ان کے لیے باعثِ تکلیف ہے، اور کم عمر دے گا تو وہ بھی ان کے لئے باعثِ زحمت ہے ـــــ کم روزی دے گا تو وہ بھی ان کے لیے باعثِ زحمت ہے اور زیادہ روزی دے گا تو وہ بھی وبال ہے نعمت نہیں ہے۔!!

آپ کہیں گے یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ کم روزی ہے تو وہ بھی ان کے لیے باعثِ ابتلا ہے، باعثِ سختی ہے۔ اور اگر زیادہ روزی ہے تو وہ بھی ان کے لیے وبال ہے نعمت نہیں ہے ـــــ یہ دو باتیں کیسے سمجھ میں آئیں گی؟ اگر کم عمر ہوتی ہے تو ٹھیک ہے ناراض ہے کہ عمر کم کردی۔ مگر زیادہ عمر دی ہے تو زیادہ عمر تو انعام ہوسکتا ہے، نعمت ہوسکتی ہے وہ ان کے لیے مصیبت کیسے قرار دی جائے گی۔

تو میں روزی و نعمت دونوں کو ایک ساتھ ان غیر مومن افراد کے لیے حل کرنا چاہتا ہوں کہ کم روزی ہے یا کم عمر ہے۔ یا زیادہ روزی ہے یا زیادہ عمر ہے ـــــ یہ سب ان کے لیے مصیبت ہے، ان میں سے کوئی چیز نعمت نہیں ہے۔ اور اس کو سمجھنے کے لیے میں آپ کی خدمت میں ایک ایسی حدیث سُنانا چاہتا ہوں جس کا تعلق پہلے ہم سے ہے اور وہ ہماری زندگی کے لیے نہایت درجہ مفید ہے۔ اس حدیث کو سنیے پھر اس مسئلے کو بھی انشاءاللہ حل کروں گا۔

ایک صلوٰۃ بھیجئے محمدؐ و آل محمدؐ پر!

میں جس عمر اور روزی کے مسئلے کو پیش کر رہا تھا، تھوڑی دیر کے لیے اسے اپنی جگہ پر روک دیں۔ ایک الگ سے حدیث سُنانا ہے اور اس حدیث کے لیے میں عرض کروں گا کہ یہ امامؑ کا ارشاد ہے۔ میری ہر بیٹی اور بہن کا فریضہ ہے کہ اس حدیث کو سُنے اور یاد رکھے۔ میرے ہر بچے اور بھائی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس حدیث پر عمل کرنے کیلیے آگے آئے۔ پوری ہماری سوسائٹی کے ہزاروں مشکلات کا علاج ہے اس حدیث میں، جو میں سُنانے جا رہا ہوں۔ روزی وغیرہ کا مسئلہ بھی اس سے حل کروں گا انشاءاللہ۔ لیکن پہلے اسے سن لیجئے:

امام نے کہا ـــــ امام نے کہا کہ جتنے بھی مومن ہیں، (جب میں لفظ مومن بول رہا ہوں تو اس میں وہ مومنات شامل ہیں یعنی جتنی بھی عورتیں یا مرد چھوٹے یا بڑے مومن ہیں)۔ امام نے کہا: ہر مومن کی ڈیوٹی ہے، ہر مومن کا فریضہ ہے ـــــ ہر مومن کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے کو سارے مومنین سے کمتر سمجھے، اور ہر مومن کو اپنے سے بہتر سمجھے ـــــ

میں یہاں پر رُکا اس لیے ہوں کہ اگر امامؑ کے اس ارشاد کو ہم خالی سنیں نہیں

بلکہ عمل کرنے پر تیار ہو جائیں، تو میں منبر پر بیٹھ کے جو بھی قسم کہئے کھا کے کہنے پر تیار ہوں کہ پھر ہماری سوسائٹی میں کسی بات پر لڑائی ہو ہی نہیں سکتی ــــ کتنی لڑائیاں ہوئی ہیں، کتنی لڑائیاں ہوں گی ــــ ان ساری لڑائیوں کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ آدمی دوسرے کو چھوٹا سمجھتا ہے، اپنے کو بڑا سمجھتا ہے ــــ آج تک کہیں جھگڑا اس بات پر نہیں ہوا ہے کہ ہم دوسرے کو بڑا سمجھ رہے ہوں اور اپنے کو چھوٹا سمجھ رہے ہوں ــ بس اپنے کو بڑا سمجھنا شیطان کی صفت ہے جس نے اپنے کو بڑا سمجھا اور آدمؑ کو سجدہ نہیں کیا۔ اور اپنے کو چھوٹا سمجھنا ملک کی صفت ہے جس نے حکمِ خدا کو سُن کے آدمؑ کو سجدہ کیا۔

تو اگر ہماری سوسائٹی امامؑ کے اس ارشاد کو اپنی گرہ میں مضبوطی کے ساتھ باندھ لے کہ جو بھی مومن ہے وہ ہم سے بہتر ہے۔ ہم ہر مومن سے کمتر ہیں ــ اب کبھی لڑائی نہیں ہوگی، کبھی عداوت نہیں ہوگی ــــ کبھی کینہ اور بُغض پیدا ہی نہیں ہوگا امامؑ نے جو تشریح کی اسے بھی سُنیئے اور اس تشریح کو امامؑ کے علاوہ کوئی کر بھی نہیں سکتا۔ کہا: تم کو جتنے آدمی ملیں گے یا عمر میں تم سے بڑے ہوں گے یا عمر میں تم سے چھوٹے ہوں گے یا عمر میں تمھارے برابر ہوں گے ــ عمر میں چھوٹا ہے تو اسے بھی بہتر سمجھو، بڑا ہے تو اسے بھی بہتر سمجھو اور برابر ہے تو اسے بھی بہتر سمجھو ــ وجہ بیان فرمائی ــ کہا: اگر عمر میں بڑا ہے ــ اگر عمر میں بڑا ہے تو اسے اس لیے بہتر سمجھو کہ اس کو زیادہ عمر ملی ہے تو تمھارے مقابلے میں اس کو عبادت کرنے کا موقع زیادہ ملا ہے لہٰذا تمھارا یہ خیال ہونا چاہیے کہ اس کی عبادتیں تم سے زیادہ ہیں ۔ ہر بڑی عمر والے کی اس لیے عزت کرو کہ اس کی عبادتیں ہم سے زیادہ ہیں۔ یہ فارمولا اگر ہم نے اپنے بنایا ہوتا تو یہ ٹوٹ جاتا۔ جب چھوٹی عمر والے کی عزت کا وقت آتا تو ہم کہتے کہ اُن کی عبادت ہم سے زیادہ ہے اور ان سے ہماری عبادت زیادہ ہے لہٰذا ہم ان سے بہتر ہیں ــ

امامؑ نے کہا: "نہیں! بڑی عمر والے بھی تم سے بہتر اور چھوٹی عمر والے بھی تم سے بہتر ـــــ"!!

امامؑ نے فارمولا کیسے بنایا، سُنیئے! کہا: جو عمر میں بڑے ہیں ـــ جو عمر میں بڑے ہیں ان کی عزّت کرو کہ ان کی عبادت زیادہ ہے، اور جو عمر میں کم ہیں ان کی اس لیے عزّت کرو کہ تم کو زیادہ عمر پا کے زیادہ گناہ کرنے کا موقع ملا ہے اور اس کی عمر کم ہے تو اس کے گناہ بھی تم سے کم ہیں۔

اب مسئلہ پیدا ہو گیا کہ برابر والا کیسے قابلِ عزّت بنے؟ کہا: برابر کی عمر والا عمر میں جو برابر ہے، اس برابر عمر والے کی اس لیے عزّت کرو کہ تم کو اپنے گناہ معلوم ہیں، اس کے گناہ تم کو معلوم نہیں ـــ تو تمھارا گناہگار ہونا تمھاری نگاہ میں ثابت ہے ـــ اس کا گناہگار ہونا تمھاری نگاہ میں ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا یقین پر عمل کرو، گمان پر عمل نہ کرو۔ تو معلوم یہ ہوا ـــ معلوم یہ ہوا کہ مومن کی زیادہ عمر نعمت ہے کہ عبادت کا موقع زیادہ ملے ـــ اور مومن کی کم عمر بھی نعمت بنے گی جب اس کو گناہ کرنے کا موقع کم ملے۔

لیکن ـــ خداوندِ عالم... خداوندِ عالم جن سے ناراض ہے، جن سے نفرت کرتا ہے۔ جو غیر مومن ہیں اگر ان کو عمر کم دی تو جیسے میں نے آپ کی خدمت میں ایک دن عرض کیا تھا کہ حضور سرورِ کائنات جناب محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ـــ جب کسی شخص کی زندگی میں بدکاری بڑھ جاتی ہے تو اللہ اس کی عمر کو کم کر دیتا ہے۔ تو غیر مومن کو عمر کم اس لیے ملتی ہے کہ اس کے گناہوں نے اس کی عمر کم کر دی، لہٰذا یہ کم ہو گئی، نعمت نہیں رہی مصیبت ہو گئی ـــ اور جب زیادہ عمر پائی تو زیادہ عمر نعمت نہیں ہے بلکہ خدا نے ڈھیل دے دی ہے کہ میں تم کو

زیادہ عمر دیتا ہوں، جتنے گناہ کر سکتے ہو گناہ کر لو، تاکہ تمھارے لیے عذاب کا پلّہ بھاری ہو سکے ــــ ویسے ہی کہ دشمنِ خدا سے، خدا نے نعمتیں واپس لے لیں۔ کہا: تم نے میری نافرمانی کی، اس لیے نعمتیں واپس لے رہا ہوں ــــ اور اگر نعمتیں ان کو دے دیں ــــ جس کو دُنیا میں نعمت کہا جاتا ہے ــــ خدا ان کو نعمت نہیں دے رہا ہے، سامانِ عذاب دے رہا ہے، کہ نعمت پاتے جاؤ گناہ کرتے جاؤ تاکہ تمھارے عذاب میں اضافہ ہوتا جائے۔ ! تو معلوم ہوا کہ مومن کا مسئلہ الگ ہے غیر مومن کا مسئلہ الگ ہے۔

اب میں مومن کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک حدیثِ قدسی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ خداوندعالم نے کہا: میرے نبی! میرے نبی! میرے بندوں تک یہ پیغام پہونچا دو ــــ یہ میں نہیں، یہ مومن سے کہہ رہا ہے خدا :- میرے بندوں تک یہ پیغام پہونچا دو کہ میں نے خدا ہو کے تم میں سے کسی کی روزی کم رکھی ہے اور کسی کی روزی زیادہ رکھی ہے۔

یہ جگہ سمجھنے کی ہے۔ وہی جو میں نے آپ کے سامنے بار بار کہا ہے کہ اب خدا نے کہا ہے تو بات ٹھیک ہے مگر ــــ ! یہ اگر مگر بات میں رہ گیا تو ایمان برقرار نہیں رہے گا، تو یہ مگر نہیں ــــ خدا روزی کم رکھے گا مومن کے لیے تو وہ بھی نعمت ہے اور اگر خدا روزی زیادہ رکھے گا مومن کے لیے تو وہ بھی نعمت ہے۔
میں قبل اس کے کہ آپ کی خدمت میں اس کی تشریح کروں، پہلے حدیثِ قدسی کے الفاظ کا ترجمہ مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ توجہ فرمائیے:

خدا نے کہا: میرے نبیؐ! میرے بندوں تک پیغام پہونچاؤ کہ میں نے تمھیں پیدا کیا ہے۔ میں تمھارا مزاج جانتا ہوں، میں تمھاری عادتیں جانتا ہوں، میں

تمھارے اندازِ فکر کو جانتا ہوں۔ تو جس کو میں دیکھتا ہوں کہ یہ دولت پا کے بگڑ جائیگا اس کو بگڑنے سے بچانے کے لیے غربت دے دیتا ہوں اور جس کو دیکھتا ہوں کہ یہ غربت میں کافر ہو جائے گا اس کو کفر سے بچانے کے لیے دولت دے دیتا ہوں۔

میرے بچے، میرے نوجوان، میری بیٹیاں شاید مطمئن نہ ہوئی ہوں تو میں آپ سب کو اس اسپتال میں لیے چلتا ہوں۔ میں نے یہاں کے اسپتال نہیں دیکھے میں نے تو انڈیا پاکستان کے اسپتال دیکھے ہیں۔

ایک اسپتال میں ہم گئے۔ وارڈ میں داخل ہونے کے بعد پہلے بیڈ پر جو مریض لیٹا تھا ہم نے اس کے سرہانے جو چارٹ لٹکا ہوا تھا اسے پڑھنا شروع کیا تو اس میں لکھا ہوا تھا۔ (یہ مثالیں ہیں فقط) اس میں یہ لکھا ہوا تھا اس چارٹ کے اندر کہ اس مریض کو، اس پیشنٹ کو ہر گھنٹے پر، ایک ایک گھنٹے پر پھلوں کا رس پلایا جائے وہ بھی اتنے بڑے پنجابی گلاس میں ـــ ہر گھنٹے پر اس کو آدھ آدھ کیلو پورے ایک پونڈ کے وزن کا پھلوں کا جوس پلایا جائے ـــ

تو ہم نے جو یہ پڑھا تو جی چاہا کہ اس پیشنٹ کو ڈھکیل کے خود ہی لیٹ جائیں بھئی اس سے اچھا اسپتال کون ہوگا ـــ ہم یہ ارادہ کر ہی رہے تھے کہ ایک آدمی نے کہا کہ ذرا جو اگلا مریض ہے اس کا بیڈ دیکھئے۔ وہاں جو چارٹ لگا ہے وہ بھی پڑھ لیجئے وہاں جب ہم نے پڑھا تو لکھا ہوا تھا کہ چوبیس گھنٹے مکمل اس کو پانی بھی نہیں ملے!!

ہم نے کہا کہ بھاگو اس اسپتال سے بھاگو ـــ اور سامنے ہمیں ڈاکٹر مل گیا۔ ہم نے کہا: صاحب! ہم نے سنا تھا ہندوستان میں رشوت چلتی ہے۔ کیا انگلینڈ میں بھی رشوت چلنے لگی؟ ایک مریض کو آپ چوبیس گھنٹے میں چوبیس مرتبہ ایک ایک گلاس جوس پلا رہے ہیں، اور ایک مریض کو آپ پانی کا قطرہ بھی نہیں

دے رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے عزیزوں نے آپ کو پیسے دے دیئے ہیں اور یہ غریب آدمی ہے اس سے آپ کو پیسے نہیں ملے ہیں۔ لہٰذا ایک کو آپ کھلائے چلے جا رہے ہیں اور ایک کو فاقہ دے رہے ہیں۔

اس نے کہا، مولوی صاحب! ہم ڈاکٹر ہیں، یہ ہمارے دونوں مریض ہیں۔ ہم کو اس سے بھی محبّت ہے۔ ہم نے کہا یہ کیسی محبّت ہے؟ اسے کھلائے چلے جا رہے ہیں، اسے فاقہ دیے چلے جا رہے ہیں۔

کہا: نہیں۔ آپ نہیں سمجھے۔ میں نے کہا: سمجھائیے۔

کہا: یہ جن کو ہر گھنٹہ پہ جوس پلا رہے ہیں اس نے اتنی بھوک برداشت کی ہے اتنا فاقہ کیا ہے، اتنا بھوکا رہا ہے کہ اس کا بلڈ پریشر اتنا لو ہو گیا ہے کہ اگر ہر گھنٹہ پر اس کو جوس نہیں ملے گا تو دوا اثر نہیں کرے گی۔

ہم نے کہا: اور یہ دوسرے؟

کہا: انھوں نے اتنا کھا لیا ہے کہ سخت ترین کالرا ہو گیا ہے کہ اگر پانی بھی پہونچ گیا تو یہ بچیں گے نہیں۔

تو ایک ڈاکٹر کے دو پیشنٹ، دو مریض۔ ایک کو برابر کھانا دے رہا ہے اور ایک کو برابر فاقہ دے رہا ہے۔ کیوں؟ ڈاکٹر ہو کے اس کا کام ہے جان بچانا اس کی جان بچتی ہے کھلانے پر۔ اُس کی جان بچتی ہے فاقہ دینے پر۔ لہٰذا ایک کو فاقہ، ایک کو غذا دے رہا ہے ـــــ اگر ایک ڈاکٹر کو حق حاصل ہے کہ اپنے ایک پیشنٹ کو بھوکا رکھے اور ایک کو زیادہ کھلائے۔ تو خدائے رحمٰن کو بھی اس کے بندۂ مومن کے لیے حق ہے کہ جس حالت پر ایمان محفوظ رہنے والا ہو وہ حالت برقرار رکھے۔

ایک باآواز بلند مِل جُل کر صلوات بھیج دیں۔

اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ

" اللہ جس کو مستحق پاتا ہے اس کی روزی زیادہ رکھتا ہے اور جس کو مستحق پاتا ہے اس کی روزی کم رکھتا ہے "۔

تو جیسے عمروں پر ہمارا قابو نہیں ہے ویسے ہی روزی پر بھی ہمارا قابو نہیں ہے۔ عمریں بھی اُدھر سے معین ہیں اور روزی بھی اُدھر سے معین ہے۔

میں یہاں پر ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں۔ ایک مہینہ کے بعد اسی اسپتال میں ہم پھر گئے۔ اب جو ہم نے جا کے دیکھا تو پہلے بیڈ پر چارٹ لگا ہوا تھا کہ چوبیس گھنٹے کا کمپلیٹ فاقہ۔ ہم نے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ چارٹ اُدھر سے اِدھر ہو گیا ہے۔ دوسرے نمبر پر جو ہم نے جا کر دیکھا تو وہاں لکھا تھا: اس کو ہر گھنٹے پر کھانا دیا جائے۔ تو ہم نے کہا: ڈاکٹر صاحب! یہ کیا ہو گیا؟

کہا: اس کا لو بلڈ پریشر ٹھیک کر رہے تھے معدہ خراب ہو گیا۔ اور ان کا معدہ ٹھیک کر رہے تھے ان کو لو بلڈ پریشر ہو گیا۔ تو جب بیماری بدل گئی تو ہمارا طریقہ کار بھی بدل گیا۔

یہ بڑی قیمتی بات کہنا چاہتا ہوں: ہم نے آپ نے اپنی زندگیوں میں ایسا بہت دیکھا ہے۔ میں مثال کے طور پر کہنا چاہتا ہوں، مثلاً ایک آدمی کی عمر ساٹھ سال۔ ساٹھ سال میں بیس سال اس کے اس طرح گزرے۔ بیس سال اس طرح سے گزرے اُردو کے محاورے کے مطابق کہ وہ سونے کو بھی چھوتا تھا تو مٹی ہو جاتی تھی، جو بزنس کیا اس نے، جو کام کیا نقصان، جو چیز اٹھائی تباہ ــــ اور بیس سال کے بعد جو اس کی زندگی میں انقلاب آیا تو مٹی بھی چھوتا تھا تو سونا ہو جاتا۔ فٹ پاتھ پر تھا، کروڑپتی ہو گیا۔

اور اگلے جو چالیس سال کے بعد بیس سال آئے تو پھر وہ فلیٹ سے نکل کر دوبارہ فٹ پاتھ پر آ گیا۔

تو ابھی تو میں نے مثال پیش کی تھی کہ ایک آدمی کو کم روزی اور ایک آدمی کو زیادہ روزی اب میں وہ مثال پیش کر رہا ہوں کہ ایک ہی آدمی کی زندگی کے تین پیریڈ۔ ایک کم روزی والا، ایک زیادہ روزی والا، ایک پھر کم روزی والا ___ مثال بدل دیجئے۔ ایک زیادہ روزی والا، پھر کم روزی والا، پھر زیادہ روزی والا۔ مثال مثال ہے اس پر بحث نہیں ہوتی۔ تو پالنے والے! یہ ایک آدمی کی زندگی میں انقلاب کیوں آیا؟

کہا، یہ مومن تھا، میں جانتا تھا اگر اس کو میں دولت دے دوں گا یہ عبادت نہیں کرے گا، یہ بہک جائے گا۔ لہٰذا میں نے اس کو غربت میں رکھا۔ مگر بیس سال کی تکلیف کے بعد میں نے عالم الغیب ہو کر پہچانا، اب بھی اگر یہ غریب رہے گا تو ایمان چھوڑ دے گا لہٰذا میں نے دولت دے دی تھی جب غربت کی تکلیف ناقابل برداشت ہونے لگی تو ایمان بچانے کے لئے میں نے دولت دے دی۔ اسے دس سال تک دولت کے ساتھ ساتھ اپنی غربت یاد رہی۔ لیکن اگلے دس سال میں یہ فرعون بننے لگا۔ یہ نمرود بننے لگا، یہ غربت بھولنے لگا۔ غریبوں کو ٹھکرانے لگا۔ لہٰذا میں نے پھر اس سے دولت واپس لے لی تاکہ اس کا ایمان محفوظ رہ جائے۔

تو جیسا زندگی میں چینج آتا ہے ویسا ہی روزی میں بھی چینج آتا ہے۔ اور مکمل حالات کا جاننے والا وہ عالم الغیب ہے جو روزی معیّن کرنے والا ہے۔ تو آج کے بیان کا پہلا حصّہ یاد رکھیے گا ___ کسی کا یہ خیال ہم بڑے لکی ہیں جو بہت کماتے ہیں۔ اور کسی کا یہ خیال یہ بڑا بدنصیب ہے بیڈ لک! خدا اس سے ناراض ہے جو روزی نہیں دیتا۔ تو اتنا یاد رکھیے گا کہ مومنین میں سے کسی غریب کی غُربت

کسی غریب کی غُربت طعنہ اور تشنیع کے قابل نہیں ہے اور کسی امیر کی دولت انعام نہیں ہے، دونوں بیمار ہیں ـــــ دونوں مریض ہیں، ایک کی دوا غُربت سے کرتا ہے، ایک کی دوا دولت سے کرتا ہے۔ تو دوا پر ناز نہیں کیا جاتا ہے، نعمت پر ناز کیا جاتا ہے۔ کوئی غریب اپنا دل چھوٹا نہ کرے۔ کوئی امیر اپنی دولت پر ناز نہ کرے۔ تمھاری بیماری کا یہ علاج ہے، اس کی بیماری کا وہ علاج ہے ـــــ اللہ کا نظام آپ نے پہچانا؟

تو پہلی بات میں نے آپ کے سامنے عرض کرنا چاہی کہ جیسے عُمریں اللہ نے الگ الگ رکھی ہیں۔ کسی کی عمر کم، کسی کی عمر زیادہ۔ ویسے ہی اللہ نے روزی بھی الگ الگ رکھی ہے۔ کسی کی روزی زیادہ، کسی کی روزی کم ـــــ یعنی میں بیان کو پلٹا کے اس منزل پر لانا چاہتا ہوں کہ اگر زیادہ روزی مل جائے تو یہ تکبر پیدا نہ ہو کہ ہم نے کمایا۔ ایک عجیب و غریب بات سمجھ میں آتی ہے۔ انسانوں کا مزاج یہ ہے کہ کام بن جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم نے کیا۔ اور کام بگڑ جائے تو کسی نہ کسی کے سر پر الزام رکھ دیتے ہیں کہ اس کی وجہ سے بگڑا ہے۔ مثال سنی ہے آپ نے؟

ہم کو ایک ٹرین سے جانا تھا، ٹرین چھوٹنے کا جو وقت تھا اس کے دو گھنٹے کے بعد گھر سے نکلے۔ آپ بھی ہمارے ساتھ۔ اتفاق سے وہ ٹرین اس دن ڈھائی گھنٹے لیٹ تھی۔ جیسے ہی ہم پہونچے ویسے ہی وہ آگئی، تو ہم نے پلٹ کے آپ سے کہا:

"جب لیٹ ٹرین پکڑنا ہوا کرے تو مجھے ساتھ لے چلا کرو۔"

کام بن گیا نا! لہٰذا ہم نے کیا۔ اور جب کام بگڑ جائے ـــــ؟ اگر ٹرین چھوٹ گئی۔ وقت پر چلے تھے، راستے میں کہیں پر ایکسیڈنٹ ہو گیا، روڈ بلاک ہو گیا، نہیں پہونچ سکے ٹرین چھوٹ گئی۔ تو آج قسم کھائے لیتے ہیں آئندہ کبھی آپ کو ساتھ لے کے نہیں نکلیں گے

معلوم ہوا کام بن گیا تو ہم ذمہ دار اور بگڑ گیا تو ....!

ارے حد تو یہ ہے کہ یہ مسلمان بندے، مومن بندے خدا کو بھی معاف نہیں کرتے مثال سُنائے بغیر مزہ نہیں آئے گا۔ میں نے اپنی ایک بیٹی بیاہ دی، ایک غریب آدمی کے ساتھ! سارے لوگوں نے کہا: اس آدمی کے پاس تو گھر بھی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ کیوں بیاہتے ہو۔؟

میں نے کہا: مرد کی بات، مرد کی بات ہوتی ہے۔ اب ہاں کرلی تو کرلی بیٹی بیاہ دی ـــــ اور بیٹی بیاہنے کے چار سال کے اندر اس کے پاس کار بھی آگئی، بینک بیلنس بھی آگیا، کوٹھیاں بھی آگئیں ـ!!

لوگوں نے کہا: آپ کو اللہ نے بڑا اچھا داماد دیا ہے۔

لوگوں نے کیا کہا؟ ـــ "اللہ نے آپ کو بڑا اچھا داماد دیا" ـــــ

ہم نے کہا: اس میں اللہ کی کیا بات ہے؟ اچھا داماد تو ہم ڈھونڈھتے ہیں۔ اب اللہ کی فکر کون کرے۔ ہم نے ڈھونڈا ہے۔

کچھ عرصے بعد میں نے اپنی دوسری بیٹی کی شادی کی ـــــ شادی کی تھی تو بنگلہ دیکھ کے، بینک بیلنس دیکھ کے، کاریں دیکھ کے ـــ سب چیزیں دیکھ کر کے کی تھی ـــــ مگر یہ نہیں دیکھا تھا کہ ان کے ذمے قرض کتنے ہیں؟ لہٰذا بیاہ کے ہم نے بنگلے میں بھیجا اور چھ مہینے کے اندر وہ فٹ پاتھ پر آگئی ـــ فٹ پاتھ پر آگئی!

آپ نے ہم سے پچھلی احتیاط کی بنا پر کہا:

مولوی صاحب! اب کی لڑکی کے لیے شوہر ڈھونڈھنے میں، داماد ڈھونڈھنے میں کیا کوئی کمی ہوگئی؟

ہم نے کہا: ہم نے تو کوئی کمی نہیں کی تھی، مگر اللہ کی مرضی ـ!!

یعنی کام بن جائے تو ہم ذمہ دار اور بگڑ جائے تو .... !

تو عزیزانِ گرامی! یہ باتیں خلافِ ایمان ہیں ـــــ تو میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں: زیادہ عمر ملتی ہے تو خدا دیتا ہے، کم عمر ملتی ہے تو خدا دیتا ہے زیادہ روزی ملتی ہے تو خدا دیتا ہے، کم روزی ملتی ہے تو خدا دیتا ہے ـــ تو جو کام خدا نے کیا ہے اس پر نہ کسی کو رنجیدہ ہونا چاہیئے نہ کسی کے دل کو توڑنا چاہیئے۔

دوسری بات جو میں آپ کی خدمت میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ کل سے لے کر آج تک میں نے کہا ہے کہ موت کا اور روزی کا ساتھ ہے۔ موت بھی آنا یقینی ہے اور روزی بھی آنا یقینی ہے، اُس کا اگر ایک دن معین ہے، تو یہ روزی معین ہے اُس کی بھی تفصیلات نہیں بتائی جاتیں، اِس کی بھی تفصیلات نہیں بتائی جاتیں۔

آج میں نے چوتھی بات کہی۔ کسی کو عمر زیادہ ملتی ہے کسی کو عمر کم ملتی ہے۔ اور کسی کو روزی زیادہ ملتی ہے اور کسی کو روزی کم ملتی ہے۔ یہ چار چیزیں میں نے بیان کی ہیں جس میں روزی اور موت ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چل رہی ہیں۔

پانچویں اور سُن لیجیئے۔ اور پانچویں حدیث ہی کی روشنی میں سنیئے۔ حدیثِ قدسی کی روشنی میں سنیئے ـــــ پروردگارِ عالم نے کہا کہ میرے بندوں کو باخبر کر دو ـــ بڑے عجیب و غریب ارشادات ہیں، جنھیں سننے کے بعد دل کو اتنا اطمینان ہو جاتا ہے کہ زندگی کے سمندر میں لاکھ موجیں بلند ہوں، لیکن جب یہ چیزیں زبان پر دوبارہ انسان دوہرانے لگتا ہے تو سکون پیدا ہو جاتا ہے۔

ایک صلوات بھیجیں

بڑی عجیب و غریب بات ـــ ہماری پوری سوسائٹی پر جو روزی کا بھوت سوار ہے روزی کا پہاڑ ہمارے سروں پر رکھا ہوا ہے اس میں یہی ہے کہ جئیں گے تو کیا

کھائیں گے ۔ جناب پیٹ تو پالنا ہی پڑتا ہے ۔ اب حلال کون دیکھے، حرام کون دیکھے ــــ بھائی! اسی مسئلہ سے سوسائٹی کو نکالنے کے لیے میں یہ محنت کر رہا ہوں جو آپ کو زحمت دے رہا ہوں ۔ تو سنیئے :

خدا نے کہا، میرے بندوں تک یہ پیغام پہونچا دو ــــ میرے بندوں تک یہ پیغام پہونچا دو کہ میں کسی آدمی کو موت نہیں دیتا ہوں ــــ!

سُن رہے ہیں آپ ؟ اللہ نے کہا: میرے بندوں تک پیغام پہونچا دو میرے نبی کہ میں کسی انسان کو موت نہیں دیتا ہوں، جب تک وہ پائی پائی اپنی روزی نہیں پالیتا، جتنی روزی میں نے اس کے لیے رکھی ہے ۔ جب تک وہ پوری روزی نہیں پالے گا تب تک موت نہیں آئے گی ۔ اور جب روزی ختم ہو جائے گی تو موت آجائے گی ۔

معلوم ہوا جب تک زندگی ہے روزی ملتی رہے گی اور جب روزی ختم ہو جائے گی، زندگی بھی ختم ہو جائے گی ۔ تو یہ ڈر بیکار ہے کہ زندہ رہیں گے تو کھائیں گے کیا ؟ ــــ اب تو اچانک موتیں ہوتی ہیں ۔ سگریٹ ہاتھ میں جلتی رہی اور .... پہونچ گئے ۔ لیکن پہلے لوگ آہستہ آہستہ مرتے تھے ۔ تین مہینہ بیمار رہے، مہینہ بھر بیمار رہے، پندرہ دن بیمار رہے ۔ تو جو پُرانے مرنے والے تھے .... ہمارے ایک دوست نے ایک بات کہی، ہم کو یاد آگیا تو ہم سُنائے دیتے ہیں :

انھوں نے کہا، پہلے زمانے میں چراغ جلتے تھے اور اب یہ بلب جلتے ہیں ۔ تو بلب میں کیا ہے، سوئچ آن کر دیا روشنی ہو گئی، آف کر دیا اندھیرا ہو گیا ــــ تو انھوں نے کہا کہ صاحب، جب سے بجلی کا زمانہ آیا ہے تب سے مَلک الموت بھی سوئچ ...... اچھے خاصے بیٹھے تھے اور معلوم ہوا ملک الموت آئے اور بغل میں

دبائے لیے چلے گئے ۔ مگر پہلے زمانے میں ہوتا تھا کہ چراغ میں تیل ڈالا۔ تیل جلتا گیا۔ جلتا گیا۔ چراغ جلتا رہا، جب تیل ختم ہوگیا تو بتّی جلتی تھی اور جلتے جلتے آخر میں چراغ بھڑکتا تھا تب خاموش ہوجاتا تھا — آخر میں جب چراغ بھڑکتا تھا تب خاموش ہوتا تھا۔ تو انھوں نے کہا: پُرانے زمانے میں جب لوگ مرتے تھے تو آئی ہوئی موت کا انھیں پتہ لگ جاتا تھا۔ اور اب نئے زمانے کے لوگ مرتے ہیں تو انھیں آئی ہوئی موت کا پتہ نہیں لگتا ہے۔ یقین مانیے! دُعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی مانگنا چاہیے کہ پالنے والے! ہم کو اچانک موت سے محفوظ رکھ۔ اچانک موت سے آدمی کو توبہ کا موقع نہیں ملتا ہے۔ وصیت کرنے کا موقع نہیں ملتا ہے۔ اور جو موت کی آہٹ مِل جاتی ہے تو آدمی اپنے میں تبدیلی کرلیتا ہے۔

تو میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو بیمار ہو کے مرتے ہیں ..... یہاں جتنے میرے بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں ان سے پوچھیے وہ تصدیق کریں گے جتنے بیمار ہو کے مرتے ہیں۔ لوگ پوچھتے ہیں: بھائی کیا حال ہے؟

کہا: حالت خراب ہے۔ ہم نے کہا: اب کیا حال ہے؟

کہا: بس اب کبھی بھی موت آسکتی ہے۔ ہم نے پوچھا: کیوں؟

کہا: تین دن سے انھوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔

معلوم ہوا سوسائٹی اس بات کو جانتی ہے کہ جب کوئی مریض کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے تب موت آتی ہے — یہ تصدیق ہے اس حدیث کی کہ جب تک روزی باقی رہتی ہے زندگی باقی رہتی ہے۔ جب روزی ختم ہوجاتی ہے تب موت آتی ہے۔

ایک صلوات بھیجدیں محمدؐ و آل محمدؐ پر

اب اس کے بعد جو بڑا گمبھیر، بڑا زبردست مسئلہ ہے وہ تدبیر والا ہے

میں اسے بڑے اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں اور انشاءاللہ بالکل مطمئن ہوجائیں گے آپ ـــ پہلے تو یہ سُن لیجیے کہ میں نے برسوں سے لے کر آج تک یہ مسلسل کہا ہے کہ روزی خدا بھیجتا ہے اس نے ذمّہ داری لی ہے ۔ تدبیر ہم پر واجب ہے ـــ میرے سارے تین دن کا بیان واپس کیجیے تو میں ایک عجیب بات کہنا چاہتا ہوں ـــ موت کا آنا بھی یقینی اور روزی کا ملنا بھی یقینی ـــ موت کا دن بھی معین ـــ یہ ہر دن کی معین ۔ اُس کی تفصیل بھی نہیں معلوم ، اس کی تفصیل بھی نہیں معلوم ۔ یہ کسی کے لیے کم کسی کے لیے زیادہ ، وہ بھی کسی کے لیے کم اور کسی کے لیے زیادہ ۔

پانچویں بات میں نے کہی آپ کے سامنے کہ موت اور روزی یوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں کہ جب تک روزی آتی رہتی ہے تب تک موت رُکی رہتی ہے ، اور جب روزی ختم ہوتی ہے تو موت آجاتی ہے ۔

اب میں چھٹی اور آخری بات سُنا کے بیان مکمّل کرنا چاہتا ہوں ، اور بے حد آپ کی توجہ چاہتا ہوں ۔

عزیزانِ گرامی !

یہ چھٹی جگہ وہ ہے جہاں موت اور روزی الگ الگ ہوجاتی ہیں ۔ !!

بے حد توجّہ چاہتا ہوں ۔ موت کا بھیجنے والا خدا کہتا ہے : ہم موت بھیجیں گے مگر موت لانے کی تدبیر کرنا تمھارے لیے حرام ہے حرام ! اگر تم تدبیر کروگے خود اپنی موت کی تدبیر کروگے تو خودکشی ہے ، اور دوسرے کی موت کی تدبیر کروگے تو قتل ہے ۔ قتل بھی جُرم ہے اور خودکشی بھی جُرم ہے ۔ خدا کہتا ہے ہم موت بھیجیں گے مگر بندے کے لیے حرام ہے موت لانے کی تدبیر کرنا ـــ تو

موت لانے کی تدبیر کرنا حرام! بھائی بہنیں، پر تو موت اور روزی الگ الگ ہیں۔ کہا: موت لانے کی تدبیر کرنا حرام۔ اور روزی ڈھونڈھ نکالنے کی تدبیر کرنا ہر شخص پر واجب۔ میری لفظوں سے بھی آپ فائدہ نہ اٹھائیں لیکن اسے ذہنوں میں جگہ دے کے باقی رکھیں کہ اُتری ہوئی روزی کو ڈھونڈھ نکالنے کی تدبیر کرنا ہر روزی پانے والے پر فرض۔

میں آپ کی خدمت میں اب پھر یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے مسلسل کہا ہے کہ روزی خدا دیتا ہے۔۔۔ تو اب میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تدبیر سے نہ روزی بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے۔ تدبیر ہے اتری ہوئی روزی کے ڈھونڈھ نکالنے کا نام۔ روزی خدا دیتا ہے۔ قرآن مجید کا ایک نقرہ پڑھیں اس کے بعد کسی مسلمان کے لیے سوچنے کی گنجائش انشاءاللہ نہیں رہے گی۔

ایک صلوات بھیجیں محمدؐ و آلِ محمدؐ پر

وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔

"دیکھو جو اللہ سے ڈرتے ہیں، جو پرہیزگاری اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اللہ اپنے ایسے نیک بندوں کے لیے ہر مشکل میں راہِ نجات پیدا کرتا ہے"

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ جو شخص بھی خدا سے ڈرتا ہے، پرہیزگاری اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لیے ہر مشکل سے نکالنے کا راستہ پیدا کرتا ہے۔ وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔ اور وہ اپنے بندۂ مومن کو روزی دیتا ہے اس راستے سے بھی جس راستے سے روزی پانے کو سوچا تھا اس نے، اور اس راستے سے بھی جس راستے سے روزی ملنے کو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔۔۔ تو

معلوم ہوا کہ روزی دو راہوں سے آتی ہے۔ کبھی وہاں سے ملتی ہے جہاں سے ملنے کی ہم کو امید ہوتی ہے، اور کبھی وہاں سے ملتی ہے جس کی ہم کو کوئی امید نہیں ہوتی ہے تو ہم تدبیر وہیں تو کریں گے جہاں سے ہمیں اُمید ہوگی، وہاں کی تدبیر تو نہیں کر سکتے ہیں جو ہمارے اختیار میں بھی نہیں ہے۔ تو بغیر خیال کے روزی مل جانے کا مطلب یہ ہے کہ روزی خدا بھیج رہا ہے۔ تدبیر کے ذریعہ روزی ڈھونڈی جاتی ہے، تدبیر کے ذریعہ روزی بنائی نہیں جاتی۔

ایک صلوات بھیج دیجئے محمدؐ وآلِ محمدؐ پر

اب میں آپ کے سامنے ایک انتہائی قیمتی دُعا کا ترجمہ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اس کو آپ دُہراتے رہیں تو روزی کے سارے مسائل اس کے اندر بیان ہوئے ہیں۔ یہ وہ دُعا ہے جو نمازِ عشا کے بعد ہم کو پڑھنی چاہیے، اور قبل اس کے کہ میں اس کا ترجمہ کروں، اپنی ہر بیٹی سے، اپنی ہر بہن سے، اپنے ہر بچّے سے، اپنے ہر بھائی سے کہنا چاہتا ہوں: نوکری کرنا ہے کیجئے، بزنس کرنا ہے کیجئے، دنیا کا کوئی روزی حاصل کرنے کا ذریعہ اختیار کرنا ہے کیجئے۔ مگر ان دُنیاوی تدبیروں کے ساتھ ساتھ ایک تدبیر اور کیجئے۔ انشاء اللہ کبھی روزی کی تکلیف نہیں ہوگی — کبھی روزی کی تکلیف نہیں ہوگی — میں کوئی گنڈا یا تعویذ نہیں بتاؤں گا۔ وہ یہ ہے کہ نمازِ عشاء کے بعد اگر سورۂ واقعہ پابندی سے پڑھا جائے جو ستائیسویں پارے میں ہے۔ تو پابندی سے سورۂ واقعہ پڑھنے والے کو پوری زندگی کبھی انشاء اللہ روزی کی تکلیف نہیں ہوگی۔ پہلے اس سورۂ واقعہ کے سلسلے میں ایک چھوٹا سا واقعہ سُن لیجئے:

سب جانتے ہیں جناب عبداللہ بن مسعود حضور سرورِ کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخصوص اصحاب میں سے ہیں جنھوں نے پیغمبر کی

کی زندگی میں قرآن لکھا تھا تھوڑا تھوڑا اور یاد کیا تھا اور باقاعدہ جمع کیا تھا، اور اس کو پیش کیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود کا نام آتا ہے قرآن مجید کے سلسلے میں۔ مدینہ میں جو جو حکومت تھی وہ عبداللہ بن مسعود سے ناراض ہوئی۔ صحابی رسولؐ تھے۔ جلیل القدر صحابی رسولؐ، حافظِ قرآن بھی تھے، قرآن محفوظ کیا تھا انھوں نے۔ مگر حکومت ناراض ہوگئی تو اپنے خادموں سے اتنا پٹوایا کہ وہ زخمی ہوگئے، بیمار رہے اور انتقال کرگئے۔

جب عبداللہ بن مسعود کے انتقال کا وقت آیا تو عبداللہ بن مسعود کی اولاد میں فقط چند لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں کوئی لڑکا نہیں تھا۔ سب لڑکیاں ہی لڑکیاں۔ تو۔ جو حکومت ناراض ہوئی تھی اس حکومت کے سربراہ عبداللہ بن مسعود کے سرہانے آئے اور کہا کہ عبداللہ ابن مسعود! کوئی تکلیف ہو تو بیان کرو۔

عبداللہ نے کہا: اب اس وقت آئے ہو جب ساری تکلیفوں کا دور ختم ہو چکا۔

کہا: کوئی حاجت ہو تو بیان کرو۔

عبداللہ نے کہا: سوائے خدا کے کسی کی حاجت نہیں ہے۔

آخر میں حکومت نے کہا: اچھا عبداللہ! تم انتقال کر رہے ہو اور تمھارے پاس کوئی جائیداد نہیں ہے، تم چھوڑ کے پراپرٹی نہیں جا رہے ہو اور تمھاری چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ہیں۔ لڑکیوں کے علاوہ ان کا کوئی سرپرست نہیں ہے۔ تو مجھے اجازت دو کہ میں ان کے لیے کچھ کر دوں۔

(یہ آپ سوچ سکتے ہیں کہ کرنے والے کو پوچھنا نہیں ہوتا)

تو عبداللہ ابن مسعود نے کہا کہ تمھیں کچھ ضرورت نہیں ہے میری لڑکیوں کے لیے سوچنے کی۔

کہا: تم مر جاؤ گے، ان کے سر پر ہاتھ رکھنے والا نہیں ہوگا۔

عبداللہ ابن مسعود کا فقرہ سُنو میری بیٹیو! میری بہنو! میرے بچّو! میرے نوجوانو! روزی کی تلاش میں اپنے اپنے وطن سے اس ملک میں آنے والو! سنو ـــــ عبداللہ ابن مسعود نے کہا:

"میں نے اپنی بیٹیوں کو سُورۂ واقعہ یاد کرا دیا ہے۔ یہ نمازِ عشاء کے بعد سورۂ واقعہ پڑھتی رہیں گی، روزی کے لیے کبھی پریشان نہیں ہوں گی۔"

(صلوات بھیجدیں محمّد و آلِ محمّد پر)

تو نمازِ عشاء کے بعد جو دُعا پڑھی جاتی ہے اسے سُن لیجئے۔ روزی سے متعلق سارے مسائل حل ہو جائیں گے اور تقدیر کی کیا حیثیت ہے وہ بھی حل ہو جائے گی۔ دُعا کے الفاظ ہیں: پہلا جملہ میں پڑھے دیتا ہوں تاکہ آپ ڈھونڈھ سکیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ لَیْسَ لِیْ عِلْمٌ بِمَوْضِعِ رِزْقِیْ

بندہ دُعا کرتا ہے کہ پالنے والے! مجھے نہیں معلوم کہ میری روزی کہاں ہے۔ اس کا مطلب کیا ہے۔ روزی ہمیں پیدا نہیں کرنا ہے۔ پیدا کرنے والے نے روزی دے رکھی ہے۔ اس زمین پر اتری ہوئی روزی کو ہمیں ڈھونڈھ نکالنا ہے۔

میں اور مثال دے دوں تاکہ ہر بچّہ سمجھ جائے ـــــ ایک صاحب یہاں مجلس میں آئے، ان کا دل لگ گیا ہماری مجلس میں ـــــ بھئی ایک آدمی ایسا بھی نکل سکتا ہے ـــــ اور وہ اپنی گود میں تین سال کا بچّہ لیے بیٹھے تھے۔ بچّے نے جو یہ دیکھا کہ بابا مجلس سُن رہے ہیں، بس چل دیا ـــــ جب مجلس ختم ہوئی تو وہ ڈھونڈھتے پھر رہے ہیں۔ ہمارا بچّہ کہاں گیا ـــــ ہمارا بچّہ کہاں گیا؟ ... تو ایک بات بتا دیں، یہ بچّہ پیدا ہوگا۔ یا پیدا ہو کے یہاں موجود ہے صرف ڈھونڈھ نکالنا ہے ـــــ تو معلوم ہوا باپ کھوئے ہوئے بچّے کو ڈھونڈھنے نکلا ہے، پیدا کرنے نہیں

نکلا ہے۔ بس یہی صورت روزی کی ہے۔ روزی اللہ اُتار چکا ہے، کہاں اتری ہے جگہ نہیں معلوم ہے ـــــ تقدیر نام ہے اُتری ہوئی روزی کو ڈھونڈھ نکالنے کا۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ لَیْسَ لِیْ عِلْمٌ بِمَوْضِعِ رِزْقِی

پالنے والے! مجھے نہیں معلوم ہے کہ میری روزی کہاں اتری ہے۔ میری روزی کی جگہ کہاں ہے نہیں معلوم۔ جب نہیں معلوم ہے تو کیا کرتا ہے بندہ، اس کو بیان کرتا ہے ـــــ فَاَجُوْلُ فِیْ طَلَبِہِ الْبُلْدَانَ ـــــ پالنے والے! میں شہر شہر اس روزی کو تلاش کرنے کے لیے مارا مارا پھرتا ہوں ـــــ اور وہاں وہاں ڈھونڈھتا ہوں جہاں میرے دل میں خیال آتا ہے شاید یہاں اتری ہو، شاید یہاں اتری ہو.... لیکن میری پوزیشن یہ ہے کہ جیسے کسی آدمی کو کچھ معلوم نہ ہو، وہ حیران جیسا ہوتا ہے ویسے ہی میں حیران ہوں کہ مجھے اپنی روزی کی جگہ نہیں معلوم ہے... نہیں معلوم ہے کہ پہاڑ پر روزی اتری ہے کہ میدان میں روزی اُتری ہے ـــــ خشکی میں روزی اتری ہے کہ پانی میں روزی اتری ہے ـــــ آسمان سے اُترنے والی ہے یا زمین سے اُگنے والی ہے۔ نہیں معلوم ہے ـــ پالنے والے! میری روزی کس سمت سے آئے گی، کدھر سے آئے گی اور کس کے ہاتھ سے مجھ تک پہنچے گی ـــــ یہاں بندہ اپنی جہالت کا اقرار کرتا ہے ـــــ معلوم ہے روزی اُتری ہے، معلوم ہے کسی طریقے سے ملے گی، کسی کے ہاتھ سے ملے گی، کسی رُخ سے آئے گی ـــ مگر ڈیٹیلس نہیں معلوم۔

یہ وہی میرا بیان ہے جو میں سُناتا آیا ہوں۔ اس کے بعد دُعا کا فقرہ ہے کہ پالنے والے روزی کی جگہ نہیں معلوم ہے، اس کی ڈیٹیلس نہیں معلوم ہیں۔ مگر مجھے یہ معلوم ہے کہ بندہ خدا سے دُعا کرتے ہوئے کہتا ہے کہ پالنے والے مگر مجھے یہ معلوم ہے کہ میری روزی کا علم تیرے پاس ہے میرے پاس نہیں ہے۔ مجھے

یہ بھی معلوم ہے کہ اس روزی کے اسباب تو پیدا کرتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تو اپنی رحمت کی بنا پر روزی تقسیم کرتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تو اپنے کرم کی بنا پر روزی پہنچانے کے ذریعے اختیار کرتا ہے

فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

بندہ دعا کرتے کرتے کہتا ہے کہ مجھے اپنی روزی کی جگہ نہیں معلوم ہے، مگر معلوم ہے روزی تیرے ہاتھ میں ہے، علم تیرے ہاتھ میں ہے، تقسیم تیرے ہاتھ میں ہے پہنچانے کا ذریعہ تیرے ہاتھ میں ہے ___ لہٰذا اے خدا! نبیؐ اور آلِ نبیؐ پر رحمتیں نازل فرما۔ اور اے خدا اپنی وہ روزی جو مجھے تو دینے والا ہے اس کے لیے میری تین دعائیں قبول کرلے: وَجْعَلْ یَا رَبِّ رِزْقَكَ لِیْ وَاسِعًا روزی زیادہ دے۔ واسع روزی دے۔ وَمَطْلَبَهٗ سَهْلًا وَّمَاْخَذَهٗ قَرِیْبًا۔ اور پالنے والے ایسی روزی دے جس کا ڈھونڈھ نکالنا آسان ہو اور جو قریب ہی کسی جگہ سے مل جائے ___

بھائی، اس کے بعد ایک فقرہ ہے۔ سنو مسلمانوں، سنو صاحبانِ ایمان! یہ وہ فقرہ ہے جو معصوم ہی بنا سکتا ہے ___ اور یہ وہ فقرہ ہے جو ایک مومن کو یہ کہتے ہوئے اپنی پیشانی خدا کی بارگاہ میں رکھ دینا چاہیے کہ پالنے والے! مجھے معلوم ہے روزی تیرے پاس ہے، مجھے اس کی جگہ نہیں معلوم ہے۔ نبیؐ و آل نبیؐ پر رحمتیں نازل فرما۔ مجھے زیادہ سے زیادہ روزی دے، ملنے کا راستہ آسان کردے جہاں سے ملے اس جگہ کو قریب کردے۔

یہ دعا مانگنے کے بعد کہتا ہے:

وَلَا تُعَنِّنِیْ بِطَلَبِ مَا لَمْ تُقَدِّرْ لِیْ فِیْهِ رِزْقًا

پالنے والے اور میری آخری دُعا یہ ہے کہ مجھے... مجھے سزا نہ دے ــــ کس بات کی سزا نہ دے؟ ــــ کہ میں اس جگہ روزی ڈھونڈھوں جہاں روزی نہیں ہے ــــ وَلَا تُعَنِّنِیْ بِطَلَبِ مَا لَمْ تُقَدِّرْ لِیْ فِیْهِ رِزْقًا ــــ پالنے والے مجھے اس جگہ روزی ڈھونڈھنے کی سزا نہ دے جہاں تو نے روزی نہیں رکھی ہے ــــ اور اس کے بعد کا فقرہ ہے۔ امامؑ نے فرمایا:

خدا سے کہو، پالنے والے! سزا نہ دے! کیوں سزا نہ دے، اس لئے کہ تجھ کو کوئی حاجت مجھے سزا دینے کی نہیں ہے۔ اور میں محتاج ہوں تیری رحمت کا۔ لہٰذا تو نبیؐ اور آلِ نبیؐ پر رحمتیں نازل فرما ــ اور اپنے فضل اور عظیم فضل سے اپنے بندہ پر رحمتوں کی بارش فرما۔

یہ وہ دُعا ہے جو ہم کو نمازِ عشاء کے بعد۔ ہم کو اور آپ کو پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے ــ بتائی گئی ہے ــ جس میں کیا بتایا گیا؟ ــ روزی سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہے ــ صرف، اُتری کہاں ہے۔ اس کو ڈھونڈھ نکالنا ہمارا کام ہے ــــ تو ہمارے لیے تدبیریں دو ہو سکتی ہیں ــ ایک غلط تدبیر کہ وہاں ڈھونڈھیں جہاں نہیں اُتری ہے۔ ایک صحیح تدبیر کہ وہاں ڈھونڈھیں جہاں اتری ہے..... تو خدا سے دُعا کرنی چاہیے کہ پالنے والے! جہاں نہیں اُتری ہے وہاں ڈھونڈھنے کی سزا نہ دے بلکہ جہاں اُتری ہے وہاں تک پہونچنے کی رہبری فرما۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے سامنے، تقدیر و تدبیر کی حدیں سامنے آ گئی ہوں گی۔

روزی دینا تقدیر ہے اور روزی ڈھونڈھنا تدبیر ہے۔ میں اُردو والی تقدیر بول رہا ہوں؛ یہ علمِ کلام کی عربی کی تقدیر نہیں بول رہا ہوں جسے ہمارے یہاں قسمت کہدیا جاتا ہے ــ یعنی روزی دینا اللہ کے ذمہ ہے، اتری ہوئی روزی کو ڈھونڈھ نکالنا

بندے کے ذمّے ہے۔

میں بیان ختم کرتے کرتے اپنے خدا کی بارگاہ میں ایک آخری بات کہنا چاہتا ہوں ... پالنے والے! جب تو روزی دینے والا ہے تو تدبیر کی ذمہ داری کا بوجھ ہم پر کیوں رکھتا ہے؟ ہم آرام سے گھر میں بیٹھے رہیں اور روزی ملتی رہے۔ اور اگر آپ میرا بیان بھولے نہیں ہیں تو میں نے پہلے دن سُنایا تھا کہ سمندر کی پتھریلی راہوں کے ___ پتھروں کے درمیان ایک چھوٹا سا رقیق کیڑا ہے۔ وہ آرام سے وہاں لیٹا رہتا ہے اور چیونٹی مچھلی کے منھ میں جاکر روزی پہنچاتی ہیں۔ تو میرے دل میں خیال آیا کہ پالنے والے! کیا ہم اس کیڑے سے بھی بدتر ہیں کہ اس کو بغیر تدبیر کے مل جائے اور ہم اشرف المخلوقات انسان ہوکر تدبیر کے پابند کیے گئے ہیں۔ یہ تیرا کیسا کرم ہے کہ کیڑے کو بغیر تدبیر کے دے دے اور وہ انسان جو سب سے بہتر ہو اس پر تدبیر کی ذمہ داری رکھی ہے۔ پالنے والے ایسا کیوں ہے؟

بھائی! اس مسئلہ کو سُن لیجیے۔ اور اگر آپ تھک نہیں گئے ہیں تو اپنے نہ تھکنے کا ثبوت ایک صلوات سے دیجیے ___

(دوسری بار بھی دُرود)

پالنے والے کا جواب انشاء اللہ یہی ہوگا کہ اگر میں نے تم کو اس کیڑے کی طرح مجبور رکھا ہوتا تو بغیر تدبیر کے روزی دے دیتا۔ لیکن جب میں نے تم کو ہاتھ پیر کا، قلب و دماغ کا، عقل کا، علم کا، تحقیق کا ریسرچ کا مالک بنا کے، تم کو مختار انسان بنایا ہے تو جتنی مجبوری بڑھتی ہے میں تدبیر گھٹا دیتا ہوں اور جب اختیار بڑھا دیتا ہوں تو اتنی تدبیر کا بوجھ بڑھا دیتا ہوں ___ ابھی شاید سب کا دل راضی نہیں ہوا ہو تو آیئے ایک مثال سُنا دیں اور آج کی تقریر مکمل

کردیں، تاکہ کل نیا مسئلہ آپ کے سامنے میں پیش کر سکوں۔

ایک ماں کے تین بچّے .... ویسے اب حد دُو ہی کی ہے ـــــ اور جہاں دولت کی لالچ بڑھتی ہے وہاں دُو بھی نہیں۔ وہاں تو ہے کہ بچّے جنجال ہیں، یہ زندگی کا عیش ختم کر دیتے ہیں ـــ بس جن کی زندگی عیش پسند ہو جاتی ہے وہ اولاد سے نفرت کرتے ہیں، اور جن کی زندگی میں ممتا، محبّت و روحانیت رہتی ہے وہ اولاد سے محبّت کرتے ہیں۔

تو ایک ماں اور اس کے تین بچّے۔ ایک بارہ سال کا، ایک چھ سال کا، ایک دُو سال کا۔ تینوں کی ماں ہے کہ نہیں؟ ـــ ہے! تو اس ماں کو اپنے تینوں بچّوں سے برابر محبّت ہے، یا کم زیادہ محبّت ہے؟ ـــ برابر محبّت ہے ـــــ اب اپنے یہاں کی مثال سناتے ہیں ـــ بارہ سال والے بچّے سے ماں نے کہا کہ کھانا نہیں پک سکتا ہے جب تک سامان نہ لا کے دو گے ـــ اگر کھانا کھانا ہے تو سامان لے آؤ ـــ بچّہ سامان لے آیا، ماں نے پکا دیا۔ کھانا پک کے تیار ہو گیا تھا، ماں کپڑے دھو رہی تھی، کہ اتنے میں اسکول سے بارہ سال کا لڑکا آگیا۔ اس نے کہا: " امّاں! بہت بھوک لگی ہے ـــ بہت بھوک لگی ہے جلدی سے کھانا نکال کے دے دیجئے۔"

کہا: " بیٹا! میں نے کپڑے بھگو لیے ہیں، میں ان کو دھو لوں۔ کھانا پکا رکھا ہے تم نکالو اور کھالو" ـــــ بس جیسے ہی بارہ سال کے لڑکے سے ماں نے کہا کھانا پکا رکھا ہے نکالو اور کھالو ـــ ویسے ہی چھ سال والے نے کہا:

" اماں! ہم بھی نکال لیں؟ "

تو ماں نے کپڑے دھونا چھوڑ دیے، کہا: " آپ مہربانی کیجیے، آپ تو کھانا ہی

الٹ دیں گے"۔ ہاتھ دھو کے ان کو کھانا نکال کے دیا، کہ تمہارے سامنے کھانا رکھے دیتے ہیں، کھالو۔! جب بڑا بھائی نکال کے کھا رہا تھا، منجھلے بھائی کو ماں نے نکال کے دے دیا تھا، تو وہ جو دو سال والے تھے، وہ بھی ٹھنکنے لگے کہ "اماں بھوجھ! اماں ہمیں بھی تھانا دو"۔۔۔ تو ان کے لیے ماں نکال کے طشتری میں لائی، لقمہ توڑا، لقمہ نرم کیا، گرم تھا تو ٹھنڈا کیا، اور ان کے منھ میں دے دیا۔

جب دو سال والے کے منھ میں ماں نے لقمہ دیا تو بارہ سال والے نے کہا: اماں! لقمہ بنا کے ہمارے منھ میں بھی دو۔۔ تو ماں نے کہا: شرم نہیں آتی، بارہ سال کے لومڑ ہو گئے ہو اور کتنے ہو لقمہ تمہارے منھ میں رکھیں۔۔۔ تو ماں ایک ہے بچے تینوں ہیں، مگر فرق کیا ہے؟۔۔۔ فرق یہی ہے کہ جو جتنا زیادہ صاحبِ اختیار ہے اتنا ہی اس کے ذمہ کام کا بوجھ بڑھا دیا گیا ہے، جو جتنا مجبور ہے اتنا ہی کام کا بوجھ کم کر دیا گیا ہے۔۔۔ اگر ایک ماں کی محبت میں فرق نہیں آتا ہے۔۔۔ اگر وہ مجبوری و اختیار دیکھ کے اپنے تین بیٹوں میں کام کا بوجھ اور تدبیر بڑھا اور گھٹا دیا کرتی ہے۔۔۔ تو خدائے رحمٰن و رحیم بالکل انصاف کر رہا ہے۔ جس مخلوق کو مجبور پیدا کیا ہے، بغیر تدبیر کے روزی پہونچاتا ہے۔ اور جس انسان کو صاحبِ اختیار بنایا ہے اس میں تدبیر کی ذمہ داری رکھی ہے۔ یہ شرف تھا ارتقا کا احساس دلانے کے لیے۔

ایک صلوات بھیجیں محمد و آلِ محمد پر

اور اللہ نے کہا۔۔ تاریخ میں، تاریخ میں ایک جگہ بھی ہے۔۔ جہاں ہم نے بغیر تدبیر کے روزی دی تھی، تو لوگوں نے روزی کی قدر نہیں کی۔۔۔ آپ کو واقعہ یاد ہوگا۔۔ بنی اسرائیل ایک مرتبہ چالیس سال تک میدان میں گھومتے

رہے۔ سزا تھی انھیں ___ تو گھومتے رہے باہر نہیں نکل سکے اس سے ___ لیکن چالیس سال تک میدان میں گھومتے رہیں گے تو کھائیں گے کیا، پئیں گے کیا؟ اس لیے کہ باہر نکل نہیں سکتے۔ وہاں کھیتی ہے نہیں، پانی ہے نہیں، کھانا ہے نہیں ___ تو ان بنی اسرائیل پر آسمان سے من وسلویٰ اترتا تھا۔ من وسلویٰ جانتے ہیں؟ اے وَن کلاس کا فرسٹ ___ کوئی گھٹیا نہیں تھا۔ بُھنا ہوا طائروں کا گوشت پکّی پکائی بوٹی ___ جب کسی بنی اسرائیل کے آدمی کو بھوک لگی، آسمان سے اُترا، جتنا جی چاہا کھایا۔ جب تھک گیا تو اُٹھ گیا ___ بغیر تدبیر کے روزی مل رہی تھی۔

تو قرآن مجید میں ہے کہ ان بنی اسرائیل والوں نے کہا جناب موسیٰؑ سے ذرا خدا سے دُعا کیجئے کہ کھلانا ہی ہے تو کوئی اچھی چیز کھلائے۔

ذرا آگے تو سُن لیں، کہا: موسیٰؑ! اللہ کے نبی! ہماری درخواست کرا دیجئے کہ ہم کو یہ طائروں کا، چڑیوں کا بُھنا ہوا گوشت نہیں چاہیے۔ ہمیں مسور کی دال چاہیے لہسن چاہیے، پیاز چاہیے ___ وہ لہسن پیاز، جن کے لئے حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی آدمی کھائے تو مسجد میں آنے سے پہلے نہ کھائے، تاکہ اس کے منھ سے لہسن پیاز کی بدبو نکلے تو سننے والے جو ہیں بات کے، انھیں تکلیف نہ ہونے پائے۔

ذرا سوچئے، کیسا نفیس ہے وہ مذہبِ اسلام جو گفتگو کرنے والے پر پابندی لگاتا ہے کہ گفتگو کرتے وقت تمھارے منھ سے بدبو نہ نکلے جو سننے والے کے لیے باعثِ تکلیف ہو۔

تو من وسلویٰ نہیں چاہیے۔ پیاز چاہیے، لہسن چاہیے، مسور کی دال چاہیے تو جب بے تدبیر ملتا ہے تو آدمی یوں ہی ناقدرا بن جاتا ہے اور ناقدری کرتا ہے۔ تو اللہ نے تدبیر اسی لیے رکھی ہے کہ جب محنت سے ڈھونڈھ کے نکالو گے تو روزی بھی

رہے گی، رازق بھی یاد رہے گا۔

میں آپ کا بڑا شکرگزار ہوں کہ آپ نے تین دن ایک مسئلے پر مجھے سُنانے کا موقع دے دیا۔ اب بھی اس سلسلے کی بہت سی باتیں باقی ہیں، لیکن اس سے زیادہ دوسرے مسائل باقی ہیں اس لیے آج میں اس سلسلے کو ختم کرتے ہوئے آخری بات کہنا چاہتا ہوں کہ میری پوری تین دن کی محنت کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو یہ یقین ہوجانا چاہیے کہ اُتری ہوئی روزی کو ڈھونڈھ نکالنا ہمارا کام ہے۔ روزی پہونچنے والی ہے۔ لیکن جنّت حاصل کرنے کے لیے ہم کو رات اور دن محنت کرنا ہے۔ اور محنت کیا کرنا ہے؟ فقط اتنی محنت کرنا ہے کہ ہم خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کریں۔

میں آپ کی خدمت میں آج اپنے بیان کو مکمل کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تین دن میں نے جس روزی کا تذکرہ کیا ہے یہ ہے دُنیادی روزی۔ اور روزی کا حصّہ روحانی بھی ہے، دینی بھی ہے ـــــ دُنیا کے بعد اخروی بھی ہے۔ میں آپ کی خدمت میں عاشور کے دن جو عمل عاشور ـــــ زیارتِ عاشور پڑھیں گے تو زیارتِ عاشور کا جو فقرہ ہے جو سجدے میں ہم پڑھتے ہیں اس کا ایک فقرہ میں آپ کو سُناتا ہوں:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا شَفَاعَۃَ الْحُسَیْنِ یَوْمَ الْوُرُوْدِ

پالنے والے! جس دن میدانِ محشر میں سارے انسان لائے جارہے ہوں گے اس دن تو ہم کو روزی دینا ـــــ کس بات کی روزی دینا، کہ حسینؑ ہماری شفاعت کریں ـــــ معلوم ہوا کھانا بھی روزی ہے، کپڑا بھی روزی ہے، گھر اور مکان بھی روزی ہے اولاد بھی روزی ہے، عزّت بھی روزی ہے ـــــ یہ ساری روزی دُنیا کی روزی ہے اور ایمان مل جائے یہ اُدھر کی روزی ہے، عملِ صالح کی توفیق مل جائے یہ اُدھر کی روزی ہے، توبہ کی توفیق مِل جائے یہ اُدھر کی روزی ہے اور آخرت میں معصومینؑ

ہماری شفاعت کرلیں، یہ اُخروی روزی ہے۔

تو میں صاحبانِ ایمان سے اب آخری بات کہنا چاہتا ہوں ـــــ وہ جو کافر ہیں خدا کو نہیں مانتے ہیں، وہ جو نبیؐ کا کلمہ نہیں پڑھتے ہیں، وہ جو بارہ اماموں کو نہیں مانتے ہیں ـــــ ان کو فقط دُنیا کی روزی حاصل کرنے میں پڑا رہنے دیجئے۔ لیکن اگر خدا نے ہم پر' آپ پر احسان کیا ہے کہ

ـــــ ہم نبیؐ والے بھی ہیں

ـــــ علیؑ والے بھی ہیں

ـــــ ائمہؑ والے بھی ہیں

ـــــ خدا والے بھی ہیں ـــ تو ہمارا فریضہ ہے کہ دُنیا کی روزی حاصل کریں، بشرطیکہ حلال سے ملے اور ساری انرجی اور توانائی اور طاقت صرف کردیں اُس آخرت کی روزی حاصل کرنے کے لیے جو ایک ایمان کی ـــــ ایمان والے کی سب سے بڑی روزی ہے۔ کون سی روزی؟ ـــــ کون سی روزی؟ وہ سی روزی جس میں حق پر مرنا سب سے بڑی روزی.....

مجھے یاد ہے... مجھے یاد ہے حُسینؑ قافلہ لے کے مکّہ سے کوفہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ایک جگہ قافلہ اُترا ہے۔ حسینؑ ذرا دیر کے لیے لیٹے ہیں اور آنکھ لگ گئی تھوڑی دیر کے بعد حسینؑ کی آنکھ کھلی۔ سامنے.... سامنے اکبرؑ کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ بوڑھا باپ ـــــ بوڑھا باپ اپنے جوان بیٹے سے کہہ رہا ہے ـــــ کہا: بیٹا! میں نے ابھی خواب دیکھا ہے، جس میں یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ جانے والے اپنی موت کی طرف جارہے ہیں۔ یہ جانے والے اپنی قبروں کی طرف جارہے ہیں ـــ یہ جانے والے اپنی قتل گاہ کی طرف جارہے ہیں۔ تو بیٹا! ہم لوگ موت کی طرف جارہے ہیں

یہ بوڑھا باپ ہے جو جوان بیٹے سے کہہ رہا ہے اور جوان بیٹا حسینؑ کا بیٹا ہے اس نے کہا .... اس نے کہا کہ بابا یہ بتایئے کہ موت کی طرف ہم جارہے ہیں تو صحیح ہے مگر ہماری موت تو حق پر ہے۔ اکبرؑ کو شک نہیں ہے، حسینؑ سے تصدیق نہیں چاہتے ہیں اعلان کرکے دُنیا کو بتا کے جانا چاہتے ہیں کہ ہمارے خیالات پہچانو۔

کہا: بابا! ہماری موت تو حق پر ہے؟

کہا: "لال! اس میں کیا شک ہے۔ ہماری موت حق پر ہے۔ تو کہا: بابا! بابا.. ..... ذرا فقرہ یاد رکھیے گا۔ بہت مرتبہ سُنا ہے آپ نے۔ لیکن آج میں موضوع سے جوڑ کر سُناتا ہوں، اس کی لذت یاد رکھیے گا ___ ہم نے آج تک روزی سمجھا ہے لذیذ کھانے کو، ہم نے آج تک روزی سمجھا ہے لذّتِ دُنیا کو ___ یہ دُنیاوی روزی ہے آخرت کی روزی اکبر بتا رہے ہیں! ___

اکبرؑ نے کہا: "بابا! جب موت حق پر آرہی ہے، پھر شہد میں اتنی مٹھاس نہیں ہے جتنی اس موت میں ہے" شہد کی مٹھاس کو دنیا والا روزی سمجھتا ہے۔ اور حق پر موت آنے کو اکبرؑ روزی سمجھتے ہیں۔

مجھے معلوم ہے کہ آج میری بہنیں، آج میری بیٹیاں لیلیٰ کے لال کا جنازہ اُٹھانے کے لیے آئی ہیں۔ آج اکبرؑ کا تابوت نکلنے والا ہے۔ تو میں چاہتا ہوں عشرۂ محرّم تمام ہورہا ہے ___ عاشورے کا دن قریب آتا جارہا ہے۔ راتیں گھٹ گئی ہیں اور ہم غم نہیں کرسکے ہیں ___ تو آج میں چند منٹ آپ کی خدمت میں اسلیے حاضر رہنا چاہتا ہوں کہ میں بھی ذکرِ مصیبت کرلوں، آپ بھی ذکرِ مصیبت سُن لیں آپ بھی رولیں، ہم بھی رولیں۔ پھر کون جانتا ہے اگلے سال تک کون زندہ رہے گا، کون زندہ نہیں رہے گا۔ تو کم سے کم کچھ تو تسلّی ہوجائے کہ ہم کربلا والوں

کے لیے اپنے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر سکے۔ بس آج مجھے جناب علی اکبرؑ کے بارے میں چند فقرے عرض کرنا ہیں۔

ہاں میری بیٹیوں، ہاں میری بہنوں، ہاں میرے بچّوں، ہاں میرے نوجوانو! سُنو.... سُنو! جب کربلا میں سارے انصار شہید ہو گئے، سارے اعزّا شہید ہو گئے عبّاسؑ بھی شہید ہو گئے، بس صرف حسینؑ رہ گئے، بیمار سیّد سجّادؑ رہ گئے، جھولے میں اصغرؑ رہ گئے اور علی اکبرؑ رہ گئے تو اکبرؑ حسینؑ کے پاس آئے اور آنے کے بعد ...... آنے کے بعد کہا کہ بابا! اب مجھے میدان میں جانے کی اجازت دے دیجئے۔

میں نے ایک دن آپ کے سامنے کہا تھا، اسے پھر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مصائب کے وقت میں مجبور ہوں کہ کتاب کے الفاظ آپ کے سامنے پیش نہ کر سکوں بلکہ جو واقعہ کی زبان ہے وہ پیش کروں، تاکہ ہمارے آپ کے تصورات میں وہ صورت حال آجائے جس کا تذکرہ کتابوں میں کیا جا رہا ہے۔ تو سُنیئے:

جب حسینؑ سے .... حسینؑ سے اجازت مانگی علی اکبرؑ نے اور امامؑ نے کہا بیٹا! پہلے اس پھوپھی کے پاس جاؤ جس نے بچپن سے تمھیں پالا ہے۔

اکبرؑ خیمے میں آئے، خیمہ میں آنے کے بعد جنابِ زینبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: پھوپھی اماں! اب اپنے اکبرؑ کو میدان میں جانے کے لیے رُخصت کر دیں ـــ میرا تصور یہی کہتا ہے کہ جناب زینبؑ قریب آگئیں اور کہا: میرے لعل! میں نے تم کو بچپنے سے پالا ہے۔ میں نے اپنے سینے پر سُلا کے پالا ہے۔ میں نے اپنے کندھے پر اٹھا کے پالا ہے۔ میں نے اپنے زانو پر بٹھا بٹھا کے پالا ہے۔ میرے دل میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ میں نے جس کو اٹھارہ سال پالا ہے اس کی لاش کو خون میں ڈوبا ہوا دیکھوں۔ لعل! میں تجھے نہیں جانے دوں گی۔ بٹھا دیا اکبرؑ کو

زینبؑ نے بٹھادیا اور کہا میں جانے نہ دوں گی۔

میرا تصوّر مجھ سے کہتا ہے کہ اکبرؑ کے کان میں میدان سے آواز آرہی ہے کہ حسینؑ...... دشمن کہہ رہا ہے: حسینؑ! یا آؤ ہمارے سامنے مقابلے میں یا کسی کو بھیجو! — اکبرؑ جب اٹھنا چاہتے ہیں زینبؑ روک لیتی ہیں۔ اُمِّ کلثومؑ روک لیتی ہیں، اور سب سے زیادہ ننھی بہن سکینہؑ آکے اکبرؑ کے پیروں سے لپٹ جاتی ہے۔ بھیّا! نہ جانے دوں گی۔ اکبرؑ رک جاتے ہیں، بار بار نکلنا چاہتے ہیں بار بار بیبیاں روک لیتی ہیں۔ تو بس ایک مرتبہ اکبرؑ کے کان میں آواز آئی کہ کوئی دشمن آواز دے رہا ہے:

حسینؑ آؤ! حسینؑ آؤ! یا کسی کو بھیجو.... حسینؑ آؤ یا کسی کو بھیجو۔

اکبرؑ نے اُٹھنا چاہا، زینبؑ نے روکنا چاہا۔ کہا: پھوپھی اماں! میں بیٹھ جاتا ہوں، نہ جاؤں گا۔ مگر اب دو ہی صورتیں ہیں، یا میں میدان میں جاؤں یا بابا میدان میں جائیں۔ پھوپھی اماں آپ مجھے بٹھاتی ہیں میں بیٹھا جاتا ہوں۔ لیکن اگر بابا شہید ہوگئے اور کل میدانِ محشر میں دادی نے پوچھا: زینبؑ۔ زینبؑ! تجھے حسینؑ پیارا نہیں تھا اکبرؑ پیارا تھا؟ تو پھوپھی اماں کیا جواب دیجیے گا؟

تو بس۔ ایک مرتبہ زینبؑ اٹھیں، کہا: لعل! اب میں تمھیں نہیں روکوں گی۔ خیمہ کا پردہ اُٹھایا، کہا: جاؤ اکبرؑ خدا حافظ و ناصر! یہ زینبؑ، یہ پھوپھی، یہ چاہنے والی پھوپھی تمھیں رُخصت کر رہی ہے۔

جب حسینؑ کے پاس آئے... حسینؑ کے پاس آئے تو آنے کے بعد حسینؑ نے کہا: بیٹا جاؤ، میں تمھیں رُخصت کرتا ہوں۔ لیکن ایک بات کا وعدہ کرو۔ جہاں تک میرا سامنا رہے وہاں وہاں سے مُڑ مُڑ کے مجھے دیکھتے جانا.... مُڑ مُڑ کے مجھے دیکھتے جانا

_____ دیکھتے رہے اور جاتے رہے _____ میدانِ جہاد میں گئے ۔ لڑے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے _____ خیموں میں غُل ہوگیا۔ اکبرؑ واپس آگئے _____ کیوں؟ اس لیے کہ میدان سے کوئی مُجاہد شہادت کے بغیر پلٹا نہیں تھا۔ اکبرؑ پلٹے تو سارے بچے، ساری بیبیاں خیموں کے قریب آگئیں _____ ان کے کانوں میں آواز آرہی تھی، اکبرؑ اپنے باپ سے کہہ رہے تھے:

"بابا! بہت پیاسا ہوں ... بابا بہت پیاسا ہوں" _____ اللہ اللہ! ساقیِ کوثر کا بیٹا _____ ساقیِ کوثر کا بیٹا، اور اتنا مجبور کہ زبان سے پانی مانگے اور حسینؑ کہے کہ بیٹا پانی تو نہیں ہے، اپنے منہ میں میری زبان لے لو _____ اور اکبرؑ نے زبان لے کے کہا تھا:

"بابا! آپ کی زبان تو مجھ سے بھی زیادہ سُوکھی ہے۔ آپ تو مجھ سے بھی زیادہ پیاسے ہیں" _____

کہا: اچھا یہ انگوٹھی منہ میں رکھو۔ تھوڑی دیر میں تم جامِ شہادت پیو گے اور تمہارے جد رسُول اللہ تم کو جامِ کوثر سے شہادت کے بعد سیراب کریں گے۔ _____ میں تمھیں رُخصت کر رہا ہوں۔ جب دوسری اور آخری مرتبہ علی اکبرؑ رخصت ہو کے چلے، تو ایک مرتبہ حسینؑ نے کلیجہ تھام لیا۔ شاید اللہ سے کہا کہ پالنے والے! تو دیکھ رہا ہے۔ اب وہ جا رہا ہے تیری راہ میں جو تیرے نبیؐ سے مشابہ تھا۔ صورت میں، سیرت میں، رفتار میں، گفتار میں ...

مجھ سے اب زیادہ نہیں پڑھا جا رہا ہے۔ ایک منظر میں آپ کے سامنے پیش کروں گا اور وہ انشاء اللہ میری بہنوں کے لیے، میری بچّیوں کے لیے، میرے جوانوں کے لیے، میرے بزرگوں کے لیے، ایک ایک حسینی کے لیے۔ ایک ایک

عزادار کے لیے ۔۔۔ ایک ایک سینہ میں انسان کا دل رکھنے والے کے لیے انشاءاللہ کافی ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ اکبرؑ لڑتے رہے۔ اکبرؑ لڑتے رہے، اور شام کے لشکر نے محسوس کیا کہ اکبرؑ اکبرؑ نہیں ۔۔۔ اکبرؑ اکبرؑ نہیں ہیں۔ یہ دوسرے عباسؑ ہیں۔ یہ دوسرے عباسؑ ہیں ۔۔۔ جب تک عباسؑ کے شانے ہم نے دھوکے سے نہیں کاٹے تب تک شبیرؑ قابو میں نہیں آسکا ۔۔۔ تو جب تک اکبرؑ پر بھی دھوکے سے حملہ نہیں کیا جائے گا، یہ علیؑ کا لال قابو میں نہیں آئے گا۔ یہ علیؑ کا شیر قابو میں نہیں آئے گا ۔۔۔ بس ایک ظالم نے چھپ کے .... جب علی اکبرؑ پوری طاقت سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے جا رہے تھے... ایک ظالم نے چھپ کے اکبرؑ کے کلیجہ کا نشانہ لے کر نیزہ مارا۔ اللہ!..... نیزہ چلا، سینے پر رُکا.... سینے سے کلیجے میں اُتر گیا۔ پھر ایک مرتبہ جب ظالم نے نیزہ نکالنا چاہا تو نیزے اور کلیجے میں دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ کلیجے سے نیزہ نکل نہ سکا۔ پھل ٹوٹ کے کلیجے میں رہ گیا۔ ٹوٹا ہوا نیزہ نکل آیا۔ خون کا فوّارہ اُبلا۔ اکبرؑ جانتے تھے۔ ارے چچا نے آواز دی تھی ..... چچا نے آواز دی تھی تو میں اپنے بابا کا بازو پکڑ کے لے گیا تھا۔ اب کون ہے جو میرے سرہانے بابا کا بازو پکڑ کے لائے گا۔ اپنے ہاتھوں کو گھوڑے کی گردن میں ڈالا... دونوں ہاتھ گھوڑے کی گردن میں ڈال دیے اور کہا: میرے وفادار گھوڑے۔ ارے مجھے خیمہ تک پہونچا دے۔ میرے بابا کو نہ آنا پڑے۔

مگر ظالموں نے ۔۔۔ جدھر سے گھوڑا گزرا، اکبرؑ پر تلوار ماری ۔۔۔ اتنی تلواریں ماریں کہ اکبرؑ کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ۔۔۔ جب ہاتھ چھوٹے اکبرؑ زمین پر گرے تو اکبرؑ نے بلایا نہیں، کہا:

"بابا ۔۔۔! آخری سلام ۔۔۔ بابا! آخری سلام ۔۔۔ بابا! آخری سلام..."

حسینؑ چلے .... کیسے چلے ؟۔ کبھی ٹھوکر کھا کے گرتے تھے، کبھی اُٹھتے تھے ـــ یا علیؑ! یا علیؑ! اے میرے بابا! نجف سے آجاؤ!!!

"اے میرے نورِ نظر! اکبرؑ گھبرانا نہیں! تمھارا باپ آرہا ہے۔"

حسینؑ پہونچے ....حسینؑ پہونچے ..... یہ میرا تصور ہے کسی کتاب سے روایت نہیں عرض کر رہا ہوں ـــ حسینؑ پہونچے۔ دیکھا خون بہہ چکا ہے ۔کپڑے خون میں تر ہو چکے ہیں ـــ زمین پر خون جم چکا ہے ـــ اکبرؑ آنکھیں بند کیے ہیں۔ بوڑھا باپ قریب آیا، جھک کے کہا: "اکبر۔!"

اکبر نے آنکھیں کھول دیں، کہا: بابا آگئے ۔ بابا آگئے ؟

کہا: ہاں! بابا تمھارا آگیا۔ بیٹا! تمھارے کسی کام آسکتا ہوں ؟

کہا: بابا! یہ کلیجے سے نیزے کا پھل نکال دیجیے ۔

اللہ اللہ! خیبر کے در کا اکھاڑ لینا علیؑ کے لیے بہت آسان تھا، مگر علیؑ کے لعل نے اکبرؑ کے کلیجے سے نیزہ کا پھل نکالا ـــ بس میرا تصور مجھ سے یہی کہتا ہے کہ جب حسینؑ اکبرؑ کے کلیجے سے نیزہ کا پھل نکال رہے تھے ..... حسینؑ کے پاس فاطمہؑ آگئی ہوں گی ... ارے میرے لال تو نے میرے دودھ کا حق ادا کر دیا ۔ اور حسینؑ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیے ہوں گے مولا علیؑ نے ۔ اے میرے لال ـــ! خیبر کا در اکھاڑنا مشکل نہ تھا ۔ یہ نوجوان بیٹے کے کلیجے سے نیزہ کا پھل نکالنا مشکل تھا۔!!

سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُونَ

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ

مجلس

(۷)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا

صلوا

اللہ کے اس پیام کو جس کی میں روزانہ آپ کے سامنے تلاوت کرتا ہوں جس میں اس نے ہر مومن سے یہ کہا ہے کہ تم اپنے آپ کو اور اپنی فیملی کو اور اپنے خاندان والوں کو اس دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کی آگ کو تیز کرنے کے لیے پتھر ڈالے جائیں گے اور اس تیز آنچ میں جلنے کے لیے گنہگار ڈالے جائیں گے۔

اپنی فیملی کو اس دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس سے بچنا آج ممکن ہے کل ممکن نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ نے اس پر ایسے ملائکہ معین کیے ہیں جو حکم خدا کے پابند ہیں، نافرمانی نہیں کرتے ہیں اور چونکہ ان کو سزا دینا ہے اس لیے وہ مزاج کے سخت اور تیز ہیں۔

میں نے آپ کے سامنے پہلے دن سے یہ گزارش کی ہے کہ ہمارا یہ فریضہ ہے کہ ہمارے کیرکٹر میں، کردار میں، ہماری سوسائٹی میں جو یہ سوچیں آج پیدا ہو گئی ہیں

کہ ماننے کو ہم سب کچھ مانتے ہیں، انکار ہمیں کسی چیز کا نہیں۔ لیکن جہاں سے عمل کرنے کا اور دین کی پابندی کرنے کا وقت آتا ہے وہاں سے ہم بے شمار دین کے احکام کو چھوڑ دیتے ہیں۔ آدمی کی مرضی کے خلاف کام کرنے کے بعد ہم کو شرمندگی ہوتی کہ اس کا سامنا ہوگا تو کیسے سامنا کریں گے۔ لیکن خدا اور نبیؐ اور ائمہ علیہم السلام کے احکام کو یہ جانتے ہوئے بھی ہم اپنی عملی زندگی میں چھوڑ دیتے ہیں جبکہ ہمیں یقین ہے کہ کل روز محشر ــــ ان کا ہمارا سامنا ہوگا۔

تو میں نے یہی گزارش کی ہے اور یہی گزارش جاری رکھنا چاہتا ہوں کہ ان مجلسوں کا بہترین فائدہ اور مفاد یہی ہے کہ ہم اپنے اندر ایسا انقلاب لائیں، ایسی تبدیلی لائیں کہ وہ سارے کام جو ہمیں دوزخ کی آگ سے قریب کر رہے ہیں ان کو چھوڑ دیں، اور وہ سارے کام اختیار کرلیں جو ہم کو جنّت تک پہونچادیں۔

میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ہماری سوسائٹی کیوں گناہ کرتی ہے اور کیوں گناہ نہیں کرتی ہے۔ ہم اللہ کی نافرمانی کرنے میں ڈرتے بھی نہیں ہیں، شرمندہ بھی نہیں ہوتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ہمیں محسوس بھی نہیں ہوتا ہے کہ ہم نے کوئی نافرمانی بھی کی ہے! ــــ کیوں ہے ایسا؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ جب سوسائٹی میں کوئی چیز عام ہو جاتی ہے، بہت سے آدمی اس کام کو کرنے لگتے ہیں تو وہ چاہے کتنا ہی بڑا عیب کیوں نہ ہو، کتنا ہی بڑا جرم کیوں نہ ہو کتنی ہی بڑی بُرائی کیوں نہ ہو ــــ سوسائٹی کے دماغ سے اس کی بُرائی مٹ جایا کرتی ہے ــــ تو چونکہ عرصہ سے ہماری سوسائٹی دین مانتی آرہی ہے اور دین کی پابندی چھوڑتی چلی جارہی ہے لہٰذا ہم گناہ کرنے میں بے خوف ہوتے چلے جارہے ہیں۔

آپ مجھے اجازت دیں کہ میں کھُلے دل سے آپ کے سامنے چند باتیں کہہ سکوں ہم نے اپنے دین کی پابندی کو محدود کر لیا ہے ۔ مخصوص کر دیا ہے ۔ جو علماء ہوں، جو نماز جماعت پڑھاتے ہوں، ان تک ہے دین کی پابندی ـــــ اور ہم تو آزادی سے کہتے ہیں کہ جناب ہم تو گناہگار آدمی ہیں ۔ ہم نہ تو کوئی ملّا ہیں، نہ کوئی مولوی ہیں ۔ ہم تو جناب گناہگار آدمی ہیں ۔

اب میں دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر اس مجمع سے پوچھوں کہ اس میں اگر کوئی ایسا آدمی ہے جس نے چوری کی ہے، کیا وہ اس چھوٹے سے مجمع میں کہنے کو تیار ہے کہ جناب ہم تو چور آدمی ہیں ـــــ نہیں، ہم میں یہ ہمّت نہیں ہے کہ ہم کہیں ہم چور ہیں ـــــ ہم میں یہ ہمّت نہیں ہے کہ ہم کہیں ہم بے ایمان ہیں ـــــ نہیں، یہ ہمّت ہم میں نہیں ہے کہ ہم کہیں ہم اُچکّے ہیں ـــــ نہیں، ہم میں یہ ہمّت نہیں کہ ہم کہیں ہم نے دوسرے کا مال دبا لیا ہے ـــــ نہیں! ـ کیونکہ یہ بات ہم کہیں گے تو سوسائٹی میں ذلیل ہو جائیں گے، بے عزّت ہو جائیں گے ۔

لیکن جب ہم کہتے ہیں جناب! ہم گناہگار آدمی ہیں، تو سُوسائٹی میں چوں کہ گناہگار کہنے کے بعد ہم ذلیل نہیں ہوتے ہیں، رُسوا نہیں ہوتے ہیں، لہٰذا ہم میں ہمّت ہے کہنے کی کہ جناب ہم مُلّا مولوی آدمی نہیں ہیں، جناب ہم تو گناہگار آدمی ہیں تو سوال یہ ہے کہ کیا صرف مُلّا مولوی کو جنّت میں جانا ہے یا سب کو جنّت میں جانا ہے ۔ سوال یہ ہے کہ آگ سے بچنا ہے تو کیا مُلّا مولوی ہی کو بچنا ہے یا ہر مسلمان کو بچنا ہے، ہر مومن کو بچنا ہے، ہر چھوٹے بڑے کو بچنا ہے ۔ اگر ہمارا یہ یقین ہے کہ ہم سب کو بچنا ہے دوزخ کی آگ سے اور ہم سب کو جانا ہے جنّت میں؛ تو پھر ہم کو دین کی پابندی کرنا چاہیئے ۔

میں ایک لفظ کہنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ اس کو اپنے ذہن میں جگہ دے دیں تو میں آپ کا شکر گزار ہوں گا ___ یقین مانیے جب ہم خدا کا حکم نہیں مانتے اور ہم کہتے ہیں کہ جناب ہم گناہگار ہیں، یہ کوئی تقویٰ نہیں ہے، یہ کوئی بندگی نہیں ہے، یہ کوئی خاکساری نہیں ہے ___ یہ اللہ کی قدرت کی تحقیر ہے توہین ہے۔ ہم جس سوسائٹی سے ڈرتے ہیں، ہم جس قانون سے ڈرتے ہیں، ہم جس حکومت سے ڈرتے ہیں، اس کے قانون کی خلاف ورزی کرنے کے بعد ہم میں ہمّت نہیں ہوتی ہے کہ ہم کہیں کہ ہم نے ایسا کیا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ سوسائٹی سے جتنا ڈرتے ہیں ہم اللہ سے اتنا نہیں ڈرتے۔

میں آپ کی خدمت میں کہنا چاہتا ہوں کہ جو شخص نماز پڑھتا ہے اس کے لیے واجب ہے کہ اس کا کیرکٹر اتنا پاک ہو، وہ دین کا اتنا پابند ہو، گناہ کبیرہ نہ کرتا ہو اور اگر گناہِ صغیرہ ایک مرتبہ ہو جائے تو دوبارہ نہ ہو ___ گناہِ کبیرہ کیا ہے، گناہِ صغیرہ کیا ہے۔؟ بہت سی اصطلاحات میں اختلاف ہے لیکن میں آپ کے سامنے مختصر ترین بات کہنا چاہتا ہوں کہ گناہ کبیرہ ان گناہوں کو کہا جاتا ہے جن کی سزا خداوند عالم نے آگ قرار دی ہے ___ جہنم کی آگ!

جھوٹ بولنا، نماز نہ پڑھنا، روزہ نہ رکھنا، زکوٰۃ و خمس کا نہ ادا کرنا، ماں باپ کے دل کو دکھانا، مومن کی غیبت کرنا، مومن سے بغض و حسد رکھنا، اپنے والدین کو ستانا، ان پر ظلم کرنا، خدا کی رحمت سے مایوس ہو جانا، خود کو عذابِ خدا سے محفوظ سمجھنا ___ یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کا شمار ان گناہوں میں ہوتا ہے جن کی سزا آگ ہے۔ البتہ وہ گناہ جن کی سزا آگ نہیں قرار دی گئی، وہ گناہ صغیرہ ہیں تو مسلمان کا کیرکٹر وہی ہونا چاہیئے جو ایک پیش نماز کا کیرکٹر ہونا چاہیے۔ میں آپ کی

خدمت میں ایک جملہ عرض کرنا چاہتا ہوں: جس وقت کسی مسئلے پر گواہی دینے کا وقت آئے گا تو اس وقت شریعت یہی کہے گی کہ گواہی وہی دے سکتا ہے جو عادل ہو۔ یعنی جو اسٹینڈرڈ ہے معیار ہے پیش نماز کا، وہی اسٹینڈرڈ اور وہی معیار ہونا چاہیئے مسلمان کا۔ ابھی مسئلہ پیدا ہو جائے چاند نکلا کہ نہیں نکلا۔ گواہی دینے کے وقت تو فقط اسی کی گواہی مانی جائے گی جو عادل ہوگا۔

تو میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مذہب ہم سے کہتا ہے کہ کم سے کم ایک مسلمان کا کیرکٹر اتنا ہونا چاہیئے جتنا ایک پیش نماز کا ہوتا ہے۔ ذرا سوچیے کہ وہ سوسائٹی کیسی اسلامی سوسائٹی بنے گی جس کا ہر ممبر وہ ہوگا جو کم سے کم پیش نماز کے کیرکٹر کا مالک ہوگا۔ تو پھر میں معصوم کا ایک فقرہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

معصوم نے کہا: تمہارے سامنے تذکرے ہوں گے۔ کچھ گناہ چھوٹے ہیں کچھ گناہ بڑے ہیں۔ بڑے گناہ وہ ہیں جن کی سزا آگ ہے۔ چھوٹے گناہ وہ ہیں جن کی سزا آگ نہیں ہے۔ لیکن آپ نے فرمایا: چھوٹے گناہ کو بھی چھوٹا نہ سمجھنا ـــــ چھوٹے گناہ کو بھی چھوٹا نہ سمجھنا ـــــ یہ سمجھنا کہ تم کس کا گناہ کر رہے ہو۔ جب تم کو خدا کی بڑائی اور اس کی عظمت کا خیال ہوگا تو چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی بڑا نظر آئے گا۔

میں ایک مثال دے کر اپنے بچوں کو، اپنی بیٹیوں کو سمجھا دوں: میرے پاس ایک پانچ برس کا چھوٹا بچہ بیٹھا تھا میں نے بے سبب اس کو ایک طمانچہ لگا دیا ـــــ خطا ہے، جرم ہے ـــــ بیشک خطا ہے جرم ہے کہ میں نے ایک پانچ برس کے بچے کو بیجا بے سبب طمانچہ لگا دیا۔ دیکھئے گناہ خود بخود بڑھ جائے گا یہ دیکھنے کے بعد کہ ہم نے کس کا گناہ کیا ہے۔ اور اس کے بعد ہم نے ایک اٹھارہ سال کے جوان کے طمانچہ لگا دیا۔ قانون کی بات چھوڑیے، میں تو سوسائٹی کی بات کرنا چاہتا ہوں۔ تو پانچ برس

کے بچے کو اگر ہم نے طمانچہ لگا دیا تو شاید لوگ برداشت بھی کر لیں لیکن اگر اٹھارہ سال کے نوجوان کو طمانچہ مار دیا تو مشکل سے برداشت کریں گے۔ یعنی سوسائٹی کی نگاہ میں چونکہ ہم نے بڑے کو مارا ہے لہٰذا گناہ بھی بڑا ہو گا ـــــ اب ایک ستّر سال کے بوڑھے بزرگ آدمی بیٹھے ہوئے تھے، خدانخواستہ میں نے ان کو طمانچہ مار دیا ـــــ اب تو ساری دُنیا مذمت کرے گی، یہ کیسا پاگل آدمی ہے ـــــ کیسا دیوانہ ہے، اتنے بوڑھے آدمی کو طمانچہ مار دیا۔ لیکن طمانچہ تو وہی ہے جو بچّے کو بھی مارا تھا، جوان کو بھی مارا تھا۔ مثال کو ذرا آگے بڑھا دوں، خدانخواستہ کسی نے وہی طمانچہ بڑے عالم دین کو مار دیا ـــــ تو اب سارے ذہنوں میں ہیجان پیدا ہو جائے گا۔ لیکن طمانچہ تو ایک ہی ہے۔ معلوم ہوا کس کی شان میں گستاخی کی گئی ہے، کس کا حکم نہیں مانا گیا ہے۔ اس کی حیثیت جتنی چھوٹی ہوتی ہے گناہ چھوٹا ہو جاتا ہے، اس کی حیثیت جتنی بڑی ہوتی ہے گناہ بڑا ہو جاتا ہے۔

تو معصوم نے کہا: چھوٹا گناہ سہی .... چھوٹا گناہ سہی ... مگر یہ دیکھو کس کی بارگاہ میں گناہ کر رہے ہو۔ لہٰذا چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اور میں اپنی اور آپ کی بہترین خدمت یہی سمجھتا ہوں کہ میں ذہنوں میں ایسے تذکرے ڈال دوں جو دماغوں میں گردش کرتے رہیں ـــ جو ہم کو گناہ سے بچنے کے لیے طاقت دیں، ہم کو واجبات ادا کرنے کی ہمّت دلائیں اور ہم کو دوزخ کی آگ سے بچنے میں مدد دیں۔

یہ میرا فریضہ ہے،
یہ آپ کا فریضہ ہے،
یہ ہم سب کا فریضہ ہے۔

(صلوات)

اَب تک میں نے جو گزارشیں کی ہیں، ان کا دو جملوں میں خلاصہ یہ ہے کہ

ہماری ڈیوٹی ہے ———

ہمارا فریضہ ہے ———

اور ان مجلسوں کا فائدہ حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ

ہم اپنے کو دوزخ کی آگ سے بچائیں ———

اور دوزخ کی آگ سے بچانے کیلئے ضروری ہے کہ

اپنے کو گناہ سے بچائیں۔ چاہے وہ گناہ چھوٹا ہو، چاہے بڑا ہو۔

اور یہ سوسائٹی جو گناہ کرتی ہے اور نہیں ڈرتی ہے اس کو ہم بدلنے کی کوشش کریں، اس میں وہ آدمی پیدا کریں جو گناہ سے ڈرنے لگیں۔

جب ایسی سوسائٹی پیدا ہو جائے گی تو ــــ یہ جو گناہ کرنا آسان ہو گیا ہے، یہ گناہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اور اس سوسائٹی کے بدلنے کا ایک ہی راستہ ہے: پہلے خیالات بدلے جائیں، سوچنے کے انداز بدلے جائیں۔

میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے سامنے قرآن مجید موجود ہے جو یہ کہتا ہے کہ اگر تم نے ذرّہ برابر نیکی کی ہے اس کی جزا پاؤ گے اور اگر تم نے ذرّہ برابر گناہ کیا ہے، بدی کی ہے تو اس کی سزا پاؤ گے۔ قرآن مجید کے ان صاف صاف بیانوں کے بعد اگر ہم نے سوچا ہے جو چاہو کرتے رہو، دوزخ کی آگ سے بچ جاؤ گے ــــ اور جنّت میں پہونچ جاؤ گے ــــ تو ایک مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک آدمی نے ساری عمر ساری زندگی کھانے پینے میں نجس پاک کا کوئی خیال نہ کیا ــــ ایک آدمی ساری زندگی زمانے میں حلال و حرام دیکھتا رہا، ایک آدمی ساری زندگی واجب و حلال دیکھتا رہا۔ کیا کیا واجب ہے ادا ہو جائے، کیا کیا حرام

ہے جو ہم سے نہ ہونے پائے ـــــ وہ آدمی جنّت میں جائے گا۔

دوسرا آدمی جس نے کھانے پینے میں نجس، پاک کا کوئی خیال نہیں کیا، کمانے میں حلال و حرام کا کوئی خیال نہیں کیا، کسی واجب کو ادا نہیں کیا، کسی حرام کو چھوڑا نہیں ۔ اگر یہ بھی جنّت میں چلا جائے تو سوال پیدا ہوگا میرے پروردگار! تیرا انصاف کیا ہے ـــ؟

تو سوال پیدا ہوگا کہ بالنے والے اگر سارے واجبات کو چھوڑ کر، سارے گناہوں کے کرنے کے بعد اس آدمی کو جنّت میں جگہ مل سکتی تھی تو کیا ضرورت تھی ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کو بھیجنے کی ؟

تو پھر سوال پیدا ہوگا جب بُرائیوں کے بعد، گناہوں کے بعد آدمی جنّت میں جا سکتا ہے تو پھر کیا ضرورت تھی نبیؐ زمین پر تشریف لاتے، پتھر کھاتے، معصومہؑ زخمی ہوتیں، ایک ایک ہمارا امام شہید ہوتا ـــــ یہ ساری قربانیاں بیکار ہو جائیں گی اگر بے عمل بھی وہیں پہونچ جائے جہاں عمل والا جائے۔ میری تمنا ہے ـــــ میں چاہتا ہوں ہماری آنکھیں کھُل جائیں۔

میں آپ کو ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ جس واقعہ کے لیے میں دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر آپ سے التجا کروں گا، اپیل کروں گا۔ میری بیٹیو! سنو، میری بہنو! سنو، میرے بچّو! سنو، میرے نوجوانو! سنو، میرے بزرگو! سُنو اور سُن کے یاد رکھو:

علاّمہ مجلسی نے اس واقعہ کو بحار الانوار میں لکھا ہے۔ دوسری کتابوں میں بھی یہ واقعہ ہے۔ کوئی انفرادی واقعہ نہیں ہے، آپ اس کو سنیں اور پھر ہم کو اور آپ کو یہ بات سوچنا ہے کہ ہم جو گناہ کر بیٹھتے ہیں وہ ہمارے لیے کیسے عذاب کا سامان پیدا کرتے ہیں۔

حضورِ سرورِ کائنات حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں ایک بزرگ گزرے ہیں جناب سعد بن معاذ ـــــ سعد بن معاذ کے درجات کو اور ان کی حیثیت کو پہچاننے کے لیے میں جس واقعہ کو سُنانا چاہتا ہوں پہلے اس کا اگلا حصّہ سُن لیجیے ـــــ

سعد بن معاذ اسلام کی تیسری جنگ، جنگِ خندق میں شریک تھے۔ جنگِ خندق میں دشمن کا تیر آ کے جناب سعد بن معاذ کے پہلو پر لگا۔ انھوں نے وہ تیر کھینچ کر نکالا، جب تیر کھینچ کے نکالا تو خون کا فوّارہ نکلا۔ انھوں نے زخم کے نشان پر، زخم کی جگہ پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"پالنے والے! میں شہادت چاہتا ہوں، زندگی نہیں چاہتا۔ اس زخم سے اچھا ہونا نہیں چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں تیری راہ میں اگر زخم لگ گیا ہے تو میری جان تیری راہ میں چلی جائے تاکہ میں شہید ہو جاؤں۔"

ذرا سوچیے! آسان نہیں ہے... آسان نہیں ہے۔ یوں گھر میں بیٹھ کر دُعا کرنا کہ پالنے والے شہادت دے دے آسان ہے۔ لیکن تیر لگ چکا ہو اور اس کے بعد خدا کے سامنے آدمی کہہ رہا ہے: پالنے والے زندگی نہیں چاہیے شہادت چاہیے، زندگیِ جاوید چاہیے۔ مگر اے خدا! شہادت کی دُعا کے ساتھ ساتھ میں اتنی دیر زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ میں اتنی دیر زندہ رہنا چاہتا ہوں کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ یہ جنگ فتح ہو جائے اسلام کے حق میں ـــ اور دوسری ایک چیز اور دیکھنا چاہتا ہوں اور جب یہ دونوں چیزیں دیکھ لوں تو موت دے دے، شہادت دیدے۔ دوسری چیز میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ یہودیوں کا قبیلہ ہے بنو قبیس جنھوں نے پیغمبرؐ سے غدّاری کی تھی ـــ پیغمبرؐ نے مدینہ میں آکر یہودیوں سے

معاہدہ کرلیا تھا کہ تمہارا دشمن تم پر حملہ کرے گا ہم تمہاری مدد کریں گے، ہمارا دشمن ہم پر حملہ کرے گا تم ہماری مدد کرنا ـــــ مگر جب دشمن نے حملہ کیا تو یہودیوں کے قبیلے نے، پیغمبرؐ سے غدّاری کی اور یہ غداری کرنے والے وہ تھے نبی جن کو معاف کر دیا کرتے تھے۔ تو یہ خیبر میں جاکر آباد ہو جایا کرتے تھے جو بعد میں جنگِ خیبر ہوئی ہے۔

یہی غداری کرنے والے یہودی تھے۔ تو میں آپ کی خدمت میں جو عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس قبیلہ نے جو اس وقت موجود تھا نبیؐ سے غداری کی تو نبیؐ کو جنگِ خندق بڑی مشکل سے سر کرنا پڑی۔ ساری رات مسلمان مدینہ میں گھوم گھوم کر پہرہ دیتے تھے شب خوں نہ مارا جائے، دشمن حملہ نہ کردے، گھروں پر حملے، عورتوں پر حملے نہ ہو جائیں بچوں پر حملے نہ ہو جائیں۔ اور یہ یہودیوں کا قبیلہ جناب سعد بن معاذ کا دوست تھا۔ تو جناب سعد بن معاذ نے کہا: "پالنے والے میں شہادت چاہتا ہوں مگر شہادت سے پہلے اتنی زندگی چاہتا ہوں کہ شہادت سے پہلے جنگ خندق فتح ہو جائے اور میں اپنی آنکھوں سے اپنی نگاہوں سے اس یہودی قبیلے کو رُسوا ہوتے دیکھ لوں، جس نے میرے نبیؐ سے غداری کی ہے۔"

دُعائیں سُن لیں آپ نے۔ اب جناب سعد بن معاذ کی منزل پہچانیئے ـــــ میں آہستہ آہستہ اسی لیے سُنا رہا ہوں کہ ہر شخص کے دماغ میں یہ خیال پُورے طور سے پیدا ہو جائے کہ صورتِ حال کیا ہے اور ہم نے اپنے لیے کیا سوچا ہے۔؟

جناب سعد بن معاذ کی دُعا کے ساتھ ہی زخم باقی رہا اور خون بہنا بند ہو گیا۔ سعد بن معاذ ایک تختے پر لٹا کر میدان جنگ سے گھر لے جائے گئے۔ مگر کب لے جائے گئے جب جنگِ خندق فتح ہو گئی۔ اور جنگِ خندق اسی وقت فتح ہو گئی تھی جب مولائے کائنات علی بن ابی طالب علیہ السلام نے عمرو بن عبدوَد کا سر کاٹا ہے

تو پورا لشکر یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ: "علیؑ کو تو ہم اُحد میں دیکھ چکے ہیں، اُن کے مقابلے پر تو ہم ٹھہر ہی نہیں سکتے ہیں۔ ہم تو علیؑ کے مقابلے کے لیے عمر کو لائے تھے جب یہ ہی علیؑ کے ہاتھوں قتل ہو گیا تو اب لڑنا ہی بے کار ہے"۔ یعنی دوسری کوئی فتح ہو گی جس میں مسلمانوں کا بھی حصّہ ہو گا۔ جنگِ خندق تو وہ فتح ہے جو صرف مولائے کائنات کے ہاتھوں سے فتح ہوئی۔

صلوات

جنگِ خندق فتح ہوئی۔ جیسے ہی جنگِ خندق فتح ہوئی پیغمبرؐ نے اعلان کیا کوئی مسلمان گھر نہ جائے۔ کوئی مسلمان کمر نہ کھولے۔ ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ یہیں سے یہودی قبیلے کے محاصرہ کے لیے چلے ــــ قبیلہ گھیر لیا گیا۔ جب انھوں نے محسوس کیا کہ ہم مسلمانوں کے لشکر کے گھیرے میں آ گئے ہیں، نکل نہیں سکتے ہیں تو انھوں نے اپنا ایلچی بھیجا، قاصد بھیجا، سفیر بھیجا اور اس نے آ کر یہ کہا کہ مسلمانوں کے نبیؐ! یہودیوں کا قبیلہ یہ کہنا چاہتا ہے، جیسے آپ نے پہلے یہودیوں کے قبیلوں کو معاف کیا ویسے ہی اس قبیلے کو بھی معاف کر دیجئے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: ــــ میں نے پہلے قبیلوں کو معاف کیا تو تم میں غداری کرنے کی ہمت پیدا ہوئی۔ لہٰذا میں اس قبیلہ کو معاف نہیں کروں گا تاکہ آئندہ غدّاری کرنے کی ہمت نہ پیدا ہو ورنہ معاہدہ کی کوئی قیمت نہیں رہ جائے گی۔

میں اس واقعہ کو اس لیے بھی آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اکثر لوگوں کے ذہن میں ایک ہی تصوّر ہے کہ حضورؐ نے جب مکّہ کی فتح کے بعد مکّہ میں قدم رکھا تو سارے دشمنوں کو معاف کر دیا ــــ تو تاریخ اور سیرت پڑھنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ جس رسولِ رحمت نے ... جس رسولِ رحمت نے مکّہ کے سارے دشمنوں کو معاف

کر دیا تھا اسی رسولِ رحمتؐ نے مدینہ کے پورے قبیلے کو سزا دی ہے ــــــ کیوں؟ اس لیے کہ رحمت صرف معاف کر دینا نہیں ہے۔ مجرم شرمندہ ہو تو معاف کر دینا چاہیئے اور جب مجرم جرم کرنے پر آمادہ ہو تو سزا دے دینی چاہیئے۔ آج جب کبھی اسلامی انقلاب آنے کے بعد آپ کے سامنے انٹرنیشنل طور پر یہ پروپیگنڈہ ہوتا ہے کہ ایران میں سب قتل ہی کیے جا رہے ہیں، اور ہمارے بہت سے بزرگ اور بہت سے نوجوان سوچنے رہتے ہیں جب پیغمبرؐ نے معاف کر دیا تھا تو آقائے خمینی کیوں معاف نہیں کرتے ہیں۔ پھر وہی مسئلہ کہ سیرت کے دو رُخ ہیں۔ ایک فتح خندق کے دن کا ہے، ایک فتح مکہ کے بعد کا ہے۔ یہ فقیہ کا، حاکمِ شرع کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ جرم کو دیکھ کر فیصلہ کرے کہ معاف کرنے کا موقع ہے کہ سزا دینے کا موقع ہے۔

میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ سات سالہ ایرانی جشن کے موقع پر، سال گرہ کے موقع پر بارہ سو مجرمین معاف کیے گئے ہیں۔ یعنی اسلامی انقلاب خمینی کے اس دور کو بھی پیش کر رہا ہے جب موقع ہوتا ہے مجرم کو سزا دی جاتی ہے، جب موقع ہوتا ہے مجرم کو معاف بھی کیا جاتا ہے۔

ایک صلواۃ بھیج دیجیے محمدؐ و آلِ محمدؐ پر

میں نے ایک دن آپ کے سامنے کہا تھا کہ میں جو خیالات پیش کرتا ہوں، ان کے سننے اور سمجھنے کی درخواست کرتا ہوں، یہ مطالبہ نہیں کرتا ہوں کہ جو کہتا ہوں وہ مان لیجیے۔

اپنے حق حکومت سے محروم ہونے کے بعد، نبیؐ کے انتقال کے بعد مظلومانہ زندگی بسر کرتے ہوئے جس ماحول میں آپ کا دروازہ جلایا گیا، جس ماحول میں آپ کی بی بی خاتون جنّت زخمی ہوئیں اس ماحول میں ابوسفیان آتے ہیں اور آنے

کے بعد یہ کہتے ہیں کہ "علی! تم اپنا حق لینے کے لیے اُٹھو۔ ہم تمہاری مدد کے لیے اتنا لشکر لائیں گے کہ سواروں اور پیادوں سے مدینے کی گلیاں بھر جائیں گی۔"

تو علیؑ نے کہا: "مجھے تمہاری مدد نہیں چاہیئے۔ تم اسلام کے کل بھی دشمن تھے اور آج بھی دشمن ہو۔"

میں پوچھتا ہوں، مولا علیؑ! موقع ہے آپ کا حق چھینا گیا ہے۔ کسی سے دوستی تو کرنا ہی چاہیئے۔ جب سب دُشمن ہو گئے ہیں، ابوسفیان مدد کر رہے ہیں مدد قبول کر لیجئے ـــــ مگر علیؑ نے کہا ..... علیؑ نے کہا: میں صحیح مقصد کے لیے صحیح مدد قبول کر سکتا ہوں، غلط مدد قبول نہیں کر سکتا ـــــ تو آج اگر آقائے خمینی نے روس کی مدد واپس کی، یہ کہہ کر واپس کی کہ تم جب ہماری ہمدردی کرنا چاہتے ہو تو پہلے ہماری بستیوں سے نکل جاؤ۔ آقائے خمینی کا انکار نہیں ہے، یہ علیؑ کا ایک غلام ہے جو علیؑ کے راستوں کو زندہ کر رہا ہے۔

میں جس واقعہ کو پیش کر رہا تھا اس کو پھر سے سنیں: یہودیوں کا پُورا قبیلہ جس نے غدّاری کی تھی، جب ان کا قاصد آیا اور اس نے آنے کے بعد کہا کہ اے مسلمانوں کے رسُولؐ! آپ معاف کر دیں، جیسے پہلے معاف کر دیا کرتے تھے۔ کہا کہ کئی مرتبہ معاف کر چکا لیکن اب تم کو جرم کرنے میں آسانی ہو گئی ہے لہٰذا سزا دوں گا تاکہ آئندہ جو وعدہ کرو اس وعدے کی عزّت کا لحاظ کرو۔

آخری پیغام آیا ـــــ سُنیں! آخری پیغام آیا: مسلمانوں کے نبیؐ! ہم اپنی طرف سے جج اور ثالث نیز فیصلہ کرنے والا سعد بن معاذ کو قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ بھی ان کو حاکم ثالث جج مان لیں تو جو سعد کا فیصلہ ہو گا اسے آپ بھی مان لیں ہم بھی مان لیں۔

معصوم سے، معصوموں کے معصوم، معصوموں کے رسولؐ سے یہ کہا جا رہا ہے کہ آپ غیر معصوم کو جج مان لیں، حکم مان لیں، ان کا فیصلہ مان لیں۔ دنیا کو شاید یہ گمان تھا کہ سعد بن معاذ ہمارے دوست قبیلہ کے آدمی ہیں، لہٰذا ان سے بڑی امیدیں ہیں۔ پیغمبرؐ نے کہا: میں خوشی کے ساتھ سعد بن معاذ کا حکم ہونا قبول کرتا ہوں۔

میں آگے بڑھنے سے پہلے سیرت پڑھنے والوں کو ایک موقع یاد دلانا چاہتا ہوں کہ مولائے کائنات علی بن ابی طالب علیہ السّلام نے ــــ یہاں کون ایسا ہے جو مولا علیؑ کو اپنا مولا نہیں مانتا، صلوٰۃ نہیں پڑھتا......

(نہیں، ایک اور زور سے صلواۃ بھیجیں)

مولائے کائنات نے جنگِ صفین کے خاتمے پر ــــ وہ تفصیل سب نہیں سنا سکتا ہوں، اگر آپ کو معلوم ہے تو معلوم ہے اگر نہیں معلوم ہے... ورنہ پھر پڑھ لیجئے گا، پوچھ لیجئے گا ــــ حالات کے نتیجے میں جب لشکر نے آپ کا کہنا نہیں مانا جنگ لشکر نے روک دی اور امیر شام کی طرف سے یہ پیغام آیا کہ ایک آدمی آپ منتخب کریں، ایک آدمی ہم منتخب کریں۔ جو دونوں مل کر فیصلہ کر دیں وہ ہم مان لیں گے تو آج تک دنیا میں یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ چونکہ علیؑ نے حکم مان لیا لہٰذا علی اپنی جگہ پر نہیں رہے۔ کچھ وہ تھے جنھوں نے معاذاللہ علیؑ کو کافر کہا، آج تک یہ خارجی پائے جاتے ہیں۔ اور کچھ وہ ہیں جو آج تک یہ کہتے ہیں کہ بہر حال علیؑ نے اپنی امامت کے منصب کے خلاف کام کیا جو غیر معصوم کو حکم مان لیا ــــ لیکن میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر نبیؐ نبی ہو کر سعد بن معاذ کو حکم مان سکتے ہیں تو جو اس نبیؐ کا وارث ہے وہ کسی کو حکم مان رہا ہے تو قابلِ اعتراض کیا ہے؟

کہا: مجھے سعد بن معاذ کا فیصلہ منظور ہے۔ یہودی خوش ہوگئے کہ اپنے دوست قبیلہ کا آدمی حکم بن گیا، فیصلہ ہمارے موافق ہوگا۔ لوگ دوڑکر گئے سعد کو بلانے کے لیے اور یہ مُبارکباد دینے کے لیے کہ مرسلِ اعظمؐ نے تمھارے ججمنٹ کو قبول کرنا طے کرلیا ہے اس سے آگے کیا عزت ہوسکتی ہے کسی غیر معصوم کی۔ سعد بن معاذ اُٹھنے کے قابل نہیں تھے، ایک اسٹریچر، ایک تختے پر لٹاکر لائے گئے۔ جب گھر سے چلنے لگے تو سارے خاندان اور قبیلہ والوں نے کہا، سعد! دوستی کا خیال رکھنا، سعد دوستی کا خیال رکھنا، سعد تعلقات کا خیال رکھنا۔ سعد چُپ رہے اور جب پیغمبرؐ کے سامنے سے سعد اسٹیچر پر لیے جائے جارہے تھے تو نبیؐ نے پوچھا:

"سعد! کیسا فیصلہ کروگے؟"

کہا: "وہ فیصلہ کروں گا جس سے خدا راضی ہوگا، اس کا رسُول راضی ہوگا۔"

دونوں طرف کے مجمع کی نگاہ لگی ہے۔ یہ صحابیِ رسُول یہ غیر معصوم سعد بن معاذ جو حکم بن گیا ہے، کیا فیصلہ کرتا ہے۔

ایک مرتبہ یہودی قریب آئے، پوچھا: سعد! تمھارا کیا فیصلہ ہے؟

سعد نے کہا: تم یہودی ہو؟

کہا: ہاں، یہودی ہیں۔

کہا: آج جو تمھارے پاس توریت ہے یہ توریت وہ نہیں ہے جو جنابِ موسیٰ لائے تھے، یہ تحریف و تبدیلی کے بعد تمھارے پاس رہ گئی تھی وہ توریت ہے۔ تمھارے پاس جو توریت ہے اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اگر کوئی قبیلہ وعدہ کرکے غداری کرے تو اس غدّاری کی سزا یہ ہے کہ اس کے مرد قتل کردیے جائیں، اس کی عورتوں اور بچّوں کو قید کرلیا جائے اور ان کا مال قبضہ میں لے لیا جائے ـــــ تو تم نے غداری کی ہے میں

تمھاری مذہبی کتاب توریت کے مطابق تمھارے خلاف فیصلہ کرتا ہوں"۔

اور اب سننے کی جگہ ہے .... اب سننے کی جگہ ہے کہ جیسے ہی فیصلہ ختم کیا ویسے ہی زخم سے خون بہنا شروع ہوا اور سعد بن معاذ نے انتقال کیا۔ تو نبیؐ نے غسل و کفن دینے والوں کو پیغام بھجوایا کہ جب جنازہ تیار ہو جائے تو مجھے خبر دو۔ میں ٹھہرتا ہوں، میں رکتا ہوں، میں اپنی بیٹیوں، نوجوانوں اور بچّوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہے ہم میں کوئی ایسا آدمی کہ اس کی زبان سے دُعا نکلی ہو اور فوراً قبول ہو جائے؟ ___ سعد بن معاذ وہ ہیں جنھوں نے تین دُعائیں کی تھیں، تینوں قبول ہو گئیں ___ جنگِ خندق فتح ہو گئی، یہودی قبیلہ رُسوا ہو گیا، اور انھیں شہادت بھی مل گئی ___!!

اس کے بعد سننے کی جگہ ہے.... جب سعد کا جنازہ تیار ہو گیا، لاش تیار ہو گئی، میّت تیار ہو گئی، جنازہ تیار ہو گیا تو پیغمبرؐ نے کاندھے سے رِدا اُتار کے چادر اُتار کے ان کے جنازہ کو کاندھا دیا ___ اور عرب میں جب کوئی چادر اُتار دیتا تھا تو یہ اعلان ہوتا تھا کہ ہم اس کے غم میں شریک ہیں ___ جو وارث ہوتا ہے وہ عبا اُتارتا تھا۔ تو نبیؐ نے عبا اُتار کے بتایا جتنا کوئی غم کر رہا ہے سعد کا وارث، اُتنا ہی میں کر رہا ہوں۔

سانس روک کے سنیئے۔ نبیؐ جہاں سے چلے سعد کی قبر تک، پیغمبرؐ نے یوں قدم رکھا کہ پنجہ ٹکتا تھا ایڑی نہیں ٹکتی تھی۔ لوگوں نے بعد میں پوچھا کہ ہم نے بڑے بڑے مسلمانوں کے جنازے میں شرکت کرتے دیکھا مگر کہیں آپ عبا اُتار کے شریک نہیں ہوئے اور آپ نے پُورے راستے جب جنازہ کو کاندھا دیا تو قدم کیوں نہیں رکھا زمین پر؟

کہا: میں نے عبا تو اس لیے اُتار دی کہ خدا نے جن ملائکہ کو سعد کے جنازے میں شرکت کے لیے بھیجا ہے وہ اسی ماتمی لباس میں آئے تھے۔

سوچو، سوچو میری بیٹیو! سوچو میری بہنو! سوچو میرے بچّو! سوچو میرے بھائیو! سوچو کتنا عظیم ہے وہ انسان .... کتنا عظیم ہے وہ انسان کہ جس کے جنازہ میں شرکت کے لیے خدا بھیج رہا ہے معصوم ملائکہ کو۔!

پیغمبرؐ سے لوگوں نے دوسری بات پوچھی کہ حضورؐ! آپ پنجوں کے بل کیوں چلے؟ یہ ایڑی کیوں نہیں رکھی، پورا قدم کیوں نہیں رکھا۔؟

کہا: ملائکہ اتنی بڑی تعداد میں آئے تھے... تم وہ نہیں دیکھتے جو میں دیکھتا ہوں.... کہ زمین پر پورا قدم رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔

سانس روکنے کی جگہ آگئی ہے ———— لاش قبر میں اُتاری گئی، جب قبر بند کی جانے لگی تو ماں بے چین ہوئی اپنے بچّے کے چھٹ جانے پر، اپنے بیٹے کے مر جانے پر ـــ کہا: "سعد! تمھیں جنت مُبارک ہو! تمھیں جنت مُبارک ہو۔"۔ ویسے ہی نبیؐ پلٹے اور نبی نے پلٹ کر کہا:

سعد کی ماں! جنت تمھارے قبضے کی چیز نہیں ہے۔ جنّت خدا کے قبضہ کی چیز ہے۔ تم نے کہاں سے فیصلہ کر دیا کہ جنّت مُبارک ہو؟.... اور اس کے بعد جو پیغمبرؐ نے فرمایا ہے وہ سننے کے قابل ہے۔

آپؐ نے فرمایا: سعد بہت اچھے آدمی تھے مگر ابھی ان کا فشارِ قبر ہونا ہے۔ فشار قبر کیا ہے؟ فشار قبر یہ ہے .... سب میتوں کے لیے ضروری نہیں ہے مگر اکثر میتوں کو دفن کرنے کے بعد جب لوگ چلے جاتے ہیں تو قبر کے کنارے مِلتے ہیں اور ملنے کے بعد اس کو پیس ڈالتے ہیں۔ روایتوں میں آیا ہے کہ کسی کسی کا فشارِ قبر

اتنا سخت ہوتا ہے ... اتنا سخت ہوتا ہے کہ اوپر کا دانت نیچے کے دانت کے اندر چلا جاتا ہے۔ سب کے لیے فشارِ قبر ضروری نہیں ہے۔ سب کے لیے یکساں سخت فشارِ قبر نہیں ہے جیسا خدا مقرر کرے گا اس کے گناہ و اعمال کی بنا پر ویسا فشارِ قبر ہوگا۔

تو پیغمبرؐ نے کہا: سعد بہت اچھے آدمی تھے مگر ابھی ان کا فشارِ قبر ہونا ہے ــــ تو دوستو! ذرا سوچنے کی بات ہے کہ جس کی ایک ایک دُعا قبول ہو جائے، جس کے جنازے میں ملائکہ آجائیں، جس کے جنازے کو پیغمبر کاندھا دیں اور اتنے ملائکہ آجائیں کہ زمین پر قدم رکھنے کی جگہ نہ ہو اس کو بھی قبر میں اترنے کے بعد سزا کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ذرا سوچئے ــــ کیسا مہربان ہے وہ خدا جو ہمیں آواز دے رہا ہے:

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا

"اے ایمان لانے والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ"

اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو سزا سے بچاؤ ــــ میں آپ کی خدمت میں واقعہ کے اختتام تک پہونچنا چاہتا ہوں ــــ لوگ متوحش ہو گئے، پریشان ہو گئے ــــ ویسے ہی جیسے آپ پریشان ہیں ــــ آپ پریشان ہیں تو کم پریشان ہیں۔ ہم سے آپ سے کہیں زیادہ وہ پریشان تھے جنھوں نے سعد کو دیکھا تھا ان کی دُعائیں دیکھی تھیں، پیغمبرؐ کو دیکھا تھا، جنھوں نے پیغمبرؐ سے ساری تفصیل سُنی تھی ــــ وہ دوڑے ہوئے پیغمبر کے پاس آئے اور کہا:

حضورؐ! ہمارے سینوں سے کلیجہ باہر آیا جاتا ہے، ہمارا ایمان ہم سے چلا جانا چاہتا ہے۔ اتنا ہم پریشان ہیں یہ بتایئے اتنے فضائل کے بعد، اپنی عظمتوں کے بعد سعد کو سزا کیوں ہو رہی ہے؟

نبیؐ نے کہا: سعد بہت اچھے آدمی تھے، مگر وہ اپنے گھر والوں پر سختی کرتے

تھے، سخت مزاج تھے اور مرنے سے پہلے وہ اپنی اس خطا پر توبہ کیے بغیر چلے گئے تھے لہٰذا ان ساری فضیلتوں کے باوجود ان کو فشارِ قبر ہونا ہے۔

میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں ہم کو سوچنا چاہیے کہ ہم کہاں ہیں ـــــ ہم کہاں ہیں، سعد کہاں ہیں ـــــ پھر کیا صورت حال ہے ہم گناہ پر گناہ کر رہے ہیں اور ڈرتے بھی نہیں۔ ـــــ یہ شیطان جو ہم کو جنّت سے روک دینا چاہتا ہے، دوزخ میں پہونچا دینا چاہتا ہے ـــــ۔ اس کی کوشش ہے اور بھرپور کوشش ہے کہ آدم کے بیٹے کو تکلیف پہونچ جائے۔

میں آپ کی خدمت میں ایک عجیب و غریب چیز عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنی سوسائٹی کو دیکھا کہ ہماری اس سوسائٹی میں ہر گندگی اور نجاست سے پرہیز ہے۔ لیکن سب سے زیادہ جو نجاست ہماری سوسائٹی میں عام ہو گئی ہے وہ پیشاب ہے۔

میں سوچا کرتا تھا کہ آنکھ سے آنسو نکل آئے، ناک سے رطوبت ٹپک جائے منھ سے تھوک نکل جائے، یہ چیزیں پاک ہیں مگر لوگ اسے گندا سمجھتے ہیں، پونچھیں گے دھوئیں گے۔ لیکن پیشاب جو نجس ہے اور اتنا نجس ہے کہ اگر پاخانہ کی طہارت پانی سے ایک بار ہو جاتی ہے تو پیشاب کے لیے دو مرتبہ پانی آبِ قلیل کی صورت میں ڈالنا ضروری ہو جاتا ہے یعنی یہ زیادہ نجس ہے۔ یہ ہماری سوسائٹی میں جب سے عام ہوا ہے، خاص طور سے کھڑے کھڑے پیشاب کرنے کا رواج ہوا ہے اور جب سے بغیر پانی کے، بغیر طہارت کے پیشاب کرنے کا رواج ہوا ہے تب سے کیا نتیجہ ہوتا ہے اگر ہم ذرا غور کریں، پیشاب مسجدوں تک پہونچ جاتا ہے، امامباڑوں تک پہونچ جاتا ہے ـــــ اس لیے کہ اگر ذرا سا پیشاب انگلی میں لگا رہ گیا، وہی ہم نے دوسرے آدمی سے ہاتھ ملایا، اس نے وضو کیا مسجد میں چلا گیا۔ اور ہمارے گھروں میں جب بچّے پالے جاتے

ہیں تو ہماری بہنیں یہ سمجھتی ہیں کہ بچّہ پالنا ہے تو پیشاب کی نجاست سے کیسے بچیں گے تو آج ہماری سوسائٹی میں پیشاب سے طہارت نہیں کی جاتی ہے۔ مگر سُنیئے تو...

میں نے جب یہ حدیث پڑھی کہ ان لوگوں کا، ایسے لوگوں کا فشار قبر میں سخت ہوجائے گا جو زندگی میں پیشاب کی نجاست سے اپنے کو پاک نہیں رکھ سکے تو سمجھ میں آیا کہ یہ شیطان دین کو جانتا ہے دین پر چلنے کے لیے نہیں، دین کی نعمتوں کو چھین لینے کیلئے۔ ہم کو پتہ بھی نہیں ہے یہ پیشاب ہمارے لیے کیسی بلا بننے والا ہے۔ شیطان جانتا ہے اس نے سوسائٹی میں پیشاب کو عام کر دیا، تاکہ اگر تم کو جنّت میں جانا بھی ہو تو کم سے کم قبر میں تو فشار ہو ہی جائے۔

میں آپ کی خدمت میں ان بنیادوں پر یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کتنے گناہ ہیں جو ہم کر رہے ہیں اور کتنے پاک و پاکیزہ تھے سعد بن معاذ۔ جناب سعد بن معاذ کے واقعہ نے بتایا کہ ساری نیکیوں کے بعد اگر ہم اسی گناہ کو کرتے ہوئے مر گئے، توبہ نہیں کی تو اس کی سزا ہمیں ملنے والی ہے۔ یہ اس رحمٰن ورحیم کی آخری نعمت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مرنے سے پہلے گناہ چھوڑ کے توبہ کرلو تو میں سزا معاف کر دوں گا لیکن اگر توبہ کیے بغیر مر گئے تو سزا تو جھیلنا ہی پڑے گی ـــ یہ آواز ہے قرآن کی جو سُنا رہا ہوں، تو ہمارا فریضہ ہے کہ ہم گناہوں کو جان لیں، اپنے کو ان سے بچالیں۔ اپنے بچّوں کو بتادیں، ان کو دوزخ کی آگ سے بچالیں۔ یہ ہمارا فریضہ ہے۔ اگر ہم آنکھ بند کر کے سوسائٹی کے راستے پر چلتے رہے تو یقین آنا چاہیے کسی ایک کا دوزخ میں جانا دوسرے کو فائدہ تو نہیں پہونچائے گا۔

آج ہماری آنکھیں بند ہیں مگر میں صرف تذکرہ کے لیے سُنانا چاہتا ہوں کہ مولائے کائنات کی مادر گرامی جناب فاطمہ بنتِ اسد ـــ جناب فاطمہ بنت اسد

کے لیے دُو فقرے میں کہنا چاہتا ہوں، میری نگاہ میں اور آپ کی نگاہ میں، ارشادِ پیغمبرؐ کی روشنی میں دُنیا میں جتنی عورتیں پیدا ہوئی ہیں اور جتنی عورتیں پیدا ہوں گی ان سب میں بلند درجے کی مالک فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں ـــــ ہم دُنیا میں کسی عورت کو فاطمہؑ سے بہتر نہیں مانتے اور دُنیا میں کسی آدمی کو ہم سے شکوہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پیغمبرؐ نے کہا: ساری عورتوں میں بہتر چار عورتیں ہیں: آسیہ فرعون کی بیوی، دوسری مریم عیسٰے کی ماں، تیسرے میری بیوی خدیجہؑ، چوتھے میری بیٹی فاطمہ زہرا۔ اور ان چاروں میں سب سے بہتر ہیں فاطمہ زہراؑ۔

کسی آدمی کو ہم سے شکایت نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم کسی کو بھول جاتے ہیں اور فاطمہ کو بہتر سمجھتے ہیں۔ میرا جواب یاد رکھئے گا۔ خدیجہ نبی کی بیوی بھی ہیں اور فاطمہؑ کی ماں بھی ہیں۔ جب ہم سگی ماں سے بہتر سمجھتے ہیں فاطمہ زہراؑ کو تو کسی دوسری ماں کا ذکر ہی کیا؟ جب ساری کائنات میں ہم فاطمہ زہراؑ کو بہتر جانتے ہیں تو کسی کو حقِ شکایت ہی کیوں ہو ـــ کیوں مانتے ہیں؟ پیغمبرؐ نے کہا سب سے بہتر۔

شہزادی کو سب سے بہتر مان کے بھی میں کہنا چاہتا ہوں دُو فضیلتیں ایسی ہیں جو مولا علیؑ کی والدہ فاطمہ بنتِ اسد کو حاصل ہیں جو میری شہزادی کے لیے نہیں ہیں آپ رنجیدہ نہ ہو جائیں کہ میں فاطمہ بنتِ اسد کے لیے یہ کہہ رہا ہوں کہ ان کے پاس دُو باتیں ایسی ہیں جو فاطمہ زہراؑ کے پاس نہیں ہیں ـــ نہیں، میری زبان نہ کھلتی، لیکن کبھی نواسے نے نانا کی گود میں بیٹھ کر کہا تھا:

"کچھ چیزیں میرے پاس ایسی ہیں جو آپ کے پاس نہیں ہیں"!

اور نبیؐ نے یہ نہیں کہا حسینؑ کیا کہہ رہے ہو۔ حسینؑ کا منھ چوم لیا اور کہا: بیٹا کیا کہا؟ بیٹا بتاؤ وہ کون سی چیزیں ہیں جو تمھارے پاس ہیں اور ہمارے

پاس نہیں ہیں ۔"!

نانا کی گود میں بیٹھے نواسے نے کہا:

—— میرے جیسا نانا آپ کے پاس نہیں ۔ !

—— میرے جیسا بابا آپ کے پاس نہیں ۔ !

—— میری جیسی ماں آپ کے پاس نہیں ۔ !

—— میرے جیسا بھائی آپ کے پاس نہیں ۔!!

نبیؐ نے کلیجے سے لگا کر پھر لپٹایا: "حسینؑ تم ٹھیک کہتے ہو۔"

تو اگرچہ حضورؐ کا درجہ بہت بہتر ہے حسینؑ سے بھی بہتر ہے، حسینؑ کے بھی نبی ہیں حضورؐ ۔ مگر اس کے بعد بھی حسینؑ کے پاس جتنی چیزیں ہیں نبیؐ کے پاس نہیں ہیں ۔ تو ویسے ہی فاطمہ بنت اسد سے بلند درجہ ہے فاطمہ زہراؑ کا، مگر میری شاہزادی کے پاس وہ دو چیزیں نہیں ہیں جو فاطمہ بنت اسد کے پاس ہیں ۔ میں ان کی فضیلت کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں —— فاطمہ زہراؑ گیارہ اماموں کی ماں ہیں، مگر فاطمہ بنتِ اسد بارہ اماموں کی ماں ہیں —— پھر سنیئے: فاطمہ زہراؑ گیارہؑ اماموں کی ماں ہیں مگر فاطمہ بنتِ اسد بارہؑ اماموں کی ماں ہیں۔

اور فاطمہ بنتِ اسد کے لیے ایک فقرہ سُنیئے ۔ چچی تھیں ... پیغمبرؐ کی چچی تھیں —— جناب ابوطالب اور جناب عبداللہ سگے بھائی تھے —— چچی تھیں بچپنے میں پالا بھی تھا ۔ پیغمبرؐ نے ساری زندگی فاطمہ بنتِ اسد کو چچی نہیں کہا، ماں کہا۔ پیغمبر کی ماں جناب آمنہ —— مگر پیغمبر نے اپنی زبان سے فاطمہ بنتِ اسد کو ماں کہا ۔ یہاں تک کہ مولا علیؑ جب خبر لے کر آتے ہیں کہ رسُولؐ اللہ! میری ماں نے انتقال کیا تو رسُولؐ اللہ نے کہا: یا علیؑ یہ نہ کہو کہ تمھاری ماں نے انتقال کیا، یہ کہو

میری ماں نے انتقال کیا۔ میں آپ کی خدمت میں قرآن مجید کا ایک موقع یاد دلانا چاہتا ہوں کہ نبیؐ کی بیویوں کے بارے میں..... نبیؐ کی بیویوں کے بارے میں قرآن مجید کا فقرہ یہ ہے :۔ " وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُكُمْ " نبیؐ کی بیویاں۔ مسلمانوں، مومنوں کی مائیں ہیں۔ یعنی ماں ہیں کوئی مسلمان ان سے پیدا نہیں ہوا ہے ماں نہیں ہیں مگر مومن کا فریضہ ہے کہ ان کو ماں کہے۔

میں چاہتا ہوں اگر آپ متوجہ ہو جائیں تو فاطمہ بنتِ اسد کی فضیلت سُناؤں، وہ اور خاتون ہیں جن کو مومن ماں کہے، فاطمہ بنتِ اسد وہ خاتون ہیں جن کو مرسلِ اعظم ماں کہے۔ اُمّت کی ماں ہونا اور ہے اور نبی کی ماں ہونا اور ہے ـــ یہ شرف ہے فاطمہ بنتِ اسد کا ـــ اب، اب آپ پہچانیئے۔ جو بارہؑ اماموں کی ماں ہے، جسے مرسلِ اعظمؐ ماں نہ ہونے کے بعد بھی ماں کہتے ہیں۔

ایک مرتبہ فاطمہ بنتِ اسد اس تقریر میں شریک تھیں جس میں پیغمبرؐ نے کہا: مرنے کے بعد مرنے والوں کو فشارِ قبر ہوتا ہے اور کچھ مرنے والے ایسے بھی ہیں جو میدانِ حشر میں یوں قبروں سے اُٹھائے جائیں گے کہ ان کے جسم پر کفن نہ ہوگا۔

پیغمبرؐ تقریر ختم کر کے منبر سے اُترے۔ مسجد سے باہر تشریف لائے گھر میں تشریف لے گئے، اور جناب فاطمہ بنتِ اسد سر پر چادر ڈالے ہوئے خدمت میں حاضر ہوئیں اور روتی ہوئی حاضر ہوئیں۔

پیغمبرؐ نے پوچھا: ماں آپ کیوں رو رہی ہیں؟

کہا: رسُول اللہ! آج میں نے آپ کی تقریر سُنی ہے کہ کچھ مرنے والے ہیں جو قبروں سے بغیر کفن اُٹھائے جائیں گے اپنے گناہوں کی بنا پر، اور کچھ مرنے والے ایسے ہیں جنھیں قبروں میں فشار ہوگا۔ تو میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئی

ہوں کہ آپ مجھے گارنٹی اور ضمانت دے دیں کہ نہ تو میں بغیر کفن کے اُٹھائی جاؤں گی اور نہ میری قبر میں میری میّت کو فشار ہوگا۔

پیغمبرؐ نے کہا: "میں گارنٹی لیتا ہوں، میں ضمانت دیتا ہوں ماں آپ کو یہ تکلیفیں نہیں ہوں گی اور میں اس کے لیے انتظام بھی کروں گا تاکہ دُنیا پہچانے کہ آپ کی منزلت کیا ہے۔ آپ نے کہا: میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب آپ کو کفن دیا جائے گا تو میں آپ کو اپنے پہنے ہوئے کرتے میں کفن دلواؤں گا۔ اور جب آپ کی قبر میں لاش لٹا دی جائے گی تو اس سے پہلے میں لیٹوں گا تاکہ فشارِ قبر نہ ہونے پائے۔"

تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں: ہم کہاں... ہم کہاں اور فاطمہ بنتِ اسد کہاں! جب ان کا دل لرز جاتا ہے فشارِ قبر سے۔ جب ان کا دل لرز جاتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ گناہوں کی بنا پر ان کو جو اُٹھایا جائے بغیر کفن کے اس میں ہمارا بھی شمار ہو جائے ___ تو پھر ہم کیسے غلام ہیں، ہم کیسی کنیزیں ہیں کہ چوبیں گھنٹے میں چوبیس سو گناہ کرتے ہیں، اور ڈرتے نہیں ہیں۔ نبیؐ کی ماں ڈر رہی ہے... نبیؐ کی منہ بولی ماں ڈر رہی ہے۔ ہم کیسے نبیؐ والے ہیں، ہم کیسے علیؑ والے ہیں جو نہیں ڈر رہے ہیں۔

میرے عزیزو! میں نے پہلے دن بھی کہا تھا، آج بھی کہتا ہوں کہ میں آپ سے زیادہ گناہگار ہوں، آپ سے زیادہ حقیر انسان ہوں۔ لیکن آپ کے سامنے یہ تذکرہ اس لیے کرنا چاہتا ہوں ... اس لیے تذکرہ کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے کچھ چیزیں پڑھ لی ہیں، میں نے کچھ چیزیں جان لی ہیں۔ تو میری محبّت تقاضا کرتی ہے کہ اپنے بھائیوں کو بتا دوں، اپنے بچوں کو بتا دوں، اپنی بیٹیوں کو بتا دوں۔

ذرا سوچیے ... ذرا سوچیے! کیسا بھیانک تصوّر ہے۔ ایک گھر میں

ماں باپ چلے جائیں۔ بچہ سو رہا تھا اور ہیٹر اس پر گر پڑے اور بچہ جل جائے تو ماں کا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے، باپ بے چین ہو جاتا ہے ہمارا بچہ اور جل جائے۔! اور قرآن ہمیں آواز دے رہا ہے اگر تم نے اپنے گھر والوں کو، اپنی فیملی کے ممبروں کو مذہب کی تعلیم نہیں دی، حلال و حرام نہیں بتایا تو یہ سب دوزخ کی آگ میں جا سکتے ہیں۔ بس میرے عزیزو۔ میرے بھائیو! میری بہنو! آج میں پھر آپ کے سامنے یہ کہنا چاہتا ہوں اسٹڈی لازم ہے ان کتابوں کی، کم از کم ہم میں سے ہر آدمی کو تو توضیح المسائل سے واقف ہونا چاہیئے تاکہ حلال و حرام معلوم ہو جائے، واجب معلوم ہو جائے، ہم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچا سکیں۔ یہ وہ پیغام ہے جسے میں روز آپ کے سامنے پیش کرتا آیا ہوں۔

آیئے! میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میری بہنو! میری بیٹیو! میرے بچو!، میرے نوجوانو! آج مجھے ایک نوجوان کا ذکر کرنا ہے۔ اس کی شہادت کا واسطہ، اس کی مصیبت کا واسطہ، اس کی قربانی کا واسطہ، اس کے دکھوں کا واسطہ کہ آج سے ہم اپنے میں انقلاب پیدا کریں۔ دین کو پڑھیں اور سمجھیں اور اپنے کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی کوشش کریں۔

یہ کس کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔؟ اس کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو اُمّ فروہ کا لعل تھا حسنؑ کا بیٹا تھا۔ کون۔؟ قاسم! صاحب مدینۃ المعاجز نے یہ لکھا ہے .... یہ لکھا ہے کہ جب عاشور کے دن جناب قاسم .... جناب قاسم امامؑ کے پاس تشریف لائے اور حاضر ہو کے عرض کی: چچا! اب مجھے بھی میدان میں جانے کی اجازت دے دیجئے تو حسینؑ نے سر سے پیر تک قاسم کو دیکھا۔

پھر میں وہ فقرہ یاد دلا دوں جو روز میں مصائب پڑھنے سے پہلے کہتا ہوں کہ

جب میں مصائب میں کوئی واقعہ پیش کرتا ہوں تو بعینہ وہ الفاظ نہیں ہوتے جو کتاب میں لکھے ہوتے ہیں بلکہ واقعہ کی عکاسی میں کچھ باتیں اپنی زبان سے تقاضا کرتی ہیں ان کو میں اپنے لفظوں میں پیش کرتا ہوں ..... میں اپنے تصوّر کے ساتھ تذکرہ پیش کر رہا ہوں، عیون الفاظ کا ذکر نہیں ہے، تو سُنیں:

حسینؑ نے قاسمؑ کو سر سے پیر تک دیکھا۔ میرا تصوّر یہ کہتا ہے، میرا دل یہ سوچتا ہے ..... میرا دل یہ سوچتا ہے کہ حسینؑ جب قاسمؑ کو دیکھ رہے ہوں گے اور بھائی یاد آرہے ہوں گے کہ کبھی ہم دونوں بھائی نانا کے ساتھ فرش پر بیٹھتے تھے۔ کبھی دونوں بھائیوں کو ماں سینے سے لگاتی تھیں، کبھی دونوں بھائیوں کو بابا کلیجہ سے لگاتے تھے۔ بابا کی شہادت کے بعد میں نے دُکھ محسوس کیا، حسنؑ میرا غم بانٹ لیا کرتے تھے۔ آج جو حسینؑ قاسمؑ کو دیکھ رہے ہیں تو بھائی یاد آرہا ہے۔ بھائی کی یاد آرہی ہے، گزری ہوئی زندگی یاد آرہی ہے اور ایک مرتبہ شاید حسینؑ نے محسوس کیا کہ قاسمؑ میرے سامنے نہیں کھڑے ہیں، میرے بھائی کی محبتوں کا ایک پیکر میرے سامنے کھڑا ہے۔

قاسمؑ کو قریب بُلایا سینے سے لگایا، کہا: میرے لعل! تیرے چچا میں اب اتنی مصیبتیں اٹھانے کے بعد طاقت نہیں .... تم میرے بھائی کی نشانی ہو، میں تم کو خون میں ڈوبا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ قاسمؑ چلے جاؤ۔ واپس چلے جاؤ۔ خیمہ میں اپنے جاکر بیٹھو۔ میں اپنے دل میں، اپنے جگر میں اتنی طاقت نہیں دیکھ رہا ہوں کہ تمھیں رخصت کر دوں۔

قاسمؑ دیر تک کھڑے رہے ــ "میرے لعل جاؤ .... میرے لعل جاؤ۔ میں تمھیں میدان میں جانے کی اجازت نہیں دینا چاہتا ہوں۔"

قاسمؑ دیر تک کھڑے رہے۔ جب اجازت نہیں ملی قاسمؑ واپس ہوئے، مگر

کیسے واپس ہوئے؟ قاسم سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ آ کے خیمے میں بیٹھ گئے اور بیٹھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ جب قاسم رو رہے تھے نو ان کی بیوہ ماں امّ فروہ قریب آئیں۔ کہا: بیٹا کیوں رو رہے ہو... کیوں رو رہے ہو-؟

بس! جب کسی آدمی کا دل بھرا ہوتا ہے اس وقت اگر کوئی کچھ پوچھ لیتا ہے تو آدمی بالکل پھوٹ پڑتا ہے۔ تو قاسم ماں سے لپٹ گئے اور کہا: "اماں! اپنی بدقسمتی پر رو رہا ہوں۔ مجھ سے زیادہ آج زمانے میں کوئی بدقسمت نہیں ہوگا۔"

کہا: میرے لعل! تم اپنے کو بدقسمت کہہ رہے ہو۔ جس کا چچا حسینؑ ہو — جس کے باپ حسنؑ ہوں — جس کا جد علیؑ ہو، وہ بدقسمت ہوگا۔؟

قاسم نے کہا: اماں! مگر سب کچھ ہونے کے باوجود آج جب سب جنّت جا رہے ہیں... آج جب سب شہید ہو رہے ہیں مگر میں چچا کے پاس گیا تھا، چچا نے مجھے واپس کر دیا۔ چچا نے کہا، میں تمھیں اجازت نہیں دوں گا۔ تو اماں! کیا کرے تمھارا یہ بیٹا۔ کیسے چچا سے اجازت ملے۔

ماں قریب آئیں اور کہا: بیٹا! تمھارے بازو پر ایک تعویذ بندھا ہے... ایک تعویذ بندھا ہے... صاحب مدینۃ المعاجز لکھتے ہیں کہ ماں نے کہا: تمھارے باپ نے یہ کہہ کے تعویذ بندھوایا تھا... یہ کہہ کے تعویذ بندھوایا تھا کہ جب میرا لعل قاسم کسی تکلیف میں ہو تو اس تعویذ کو کھول کر دیکھے، انشاءاللہ اس کی مشکل حل ہو جائے گی۔ تو لاؤ اس تعویذ کو کھول کر دیکھیں — تو جب تعویذ کھولا گیا تو کوئی تعویذ نہیں تھا اس میں خط تھا باپ کا بیٹے کے نام:

"قاسم! کربلا کے میدان میں میرے بھائی حسینؑ کی مدد کر دینا۔"

بس ایک مرتبہ قاسم دیکھ کر کے اُٹھ کھڑے ہوئے — حسینؑ کے سامنے آئے —

حسینؑ نے کہا: بھتیجے اب کیوں آئے ہو؟

کہا: چچا یہ پڑھ لیجئے۔

اب ایک مرتبہ پڑھنا شروع کیا۔ بھائی کا قلم، بھائی کی تحریر، بھائی کے الفاظ.... قاسم کو کلیجہ سے لگایا اور کہا: اب تو تم میرے امام کی وصیت لے آئے ہو۔ اب میرے امام کا حکم لے آئے ہو۔ اب میں تمھیں کیسے روک سکتا ہوں۔ لیکن اب میرے کلیجہ سے آخری مرتبہ لپٹ جاؤ۔ پھر پتہ نہیں تم کو کلیجے سے لگانے کا موقع ملے نہ ملے۔

اربابِ عزا! میری بیٹیو! ، میری بہنو! ، میرے بچّو! ، میرے نوجوانو! ذرا سُنو اور بڑی توجہ کے ساتھ سنو! کربلا میں جو بھی میدانِ جہاد کے لیے روانہ ہوا ہے جو شہادت کے لیے گیا ہے اسے رو کے رخصت کیا ہے، لپٹا کے رخصت کیا ہے تا دیر رو کے رخصت کیا ہے۔ لیکن مقاتل کی کتابیں یہ لکھتی ہیں کہ جنابِ قاسمؑ کو جو سینے سے لپٹایا حسینؑ نے تو حسینؑ روتے رہے ... روتے رہے۔ اتنا روئے، اتنا روئے کہ قاسم بھی ساتھ ساتھ روتے رہے کہ چچا بھتیجے دونوں کو غش آگیا... دونوں کو غش آگیا۔

میں صرف اتنی سی بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر یہاں ماتم کرتے کرتے، روتے روتے کسی میرے بچے کو، بھائی کو غش آجائے تو لوگ پہلے آواز دیں گے: ارے جلدی سے پانی لاؤ اور لا کے پانی کے قطرے اس کے حلق میں ٹپکائیں، پانی کے چھینٹے ماریں تاکہ غش سے بیدار ہو جائے ــــ ارے سنیئے: جیسے ہی خبر پہونچی زینبؑ کے پاس غش کھا کر حسینؑ گرے ہیں، عباسؑ کو خبر ملی غش کھا کر قاسمؑ گرے ہیں۔ مگر کہاں پانی! اصغرؑ تک تو جھولے میں پیاسے ہیں جنھوں نے پیاس کی تکلیف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ ایک مرتبہ زینبؑ بھی آئیں، ایک مرتبہ عباسؑ بھی آئے

اور شاید دونوں نے ایک ایک کا سر اپنی اپنی گود میں رکھ لیا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ــــ آنسو جو گرے تو قاسمؑ نے بھی آنکھیں کھول دیں، حسینؑ نے بھی آنکھیں کھول دیں ــــ اب قاسم رخصت ہو رہے ہیں ..... اب قاسمؑ رخصت ہو رہے ہیں ــــ تو کیسے ــــ؟ رخصت ہونے لگے ... جب رخصت ہونے لگے تو حسینؑ نے بڑھ کے ان کے کرتے کا گریبان پھاڑ دیا۔

اے میرے مولا! یہ بھتیجے کا گریبان کیوں پھاڑ رہے ہیں؟ کہا: سنو! انسان جب تک دنیا میں زندہ رہتا ہے سلے کپڑے پہنتا ہے اور جب وہ مردہ ہوتا ہے تو اسے کفن پہنایا جاتا ہے۔ میرے لعل قاسم! میں تمہارا گریبان اس لیے پھاڑ دیتا ہوں کہ مجھے چچا ہو کے تمہیں کفن دینے کا موقع نہیں ملے گا۔ اب یہ پیراہن تمہارے لیے کفن ہے۔

گھوڑا لایا گیا۔ دوسرے چچا عباسؑ قریب آئے۔ جناب قاسمؑ نے سوار ہونا چاہا۔ گھوڑا اونچا تھا، قاسم چھوٹے تھے۔ ابھی نوجوان تھے، کم سن تھے تو چچا عباسؑ نے گود میں لے کر گھوڑے پر بٹھایا۔ قاسم سنبھل کر زین پر بیٹھے۔ پیر جو رکابوں میں ڈالے تو رکابوں تک پیر نہیں پہونچے۔ تسمے کاٹے گئے، رکابیں چھوٹی کی گئیں۔ قاسم بیٹھے گھوڑے پر بیٹھے۔ ایک مرتبہ مڑ کے خیمے کو دیکھا۔ پھوپھی خدا حافظ!... ماں خدا حافظ! بہنو خدا حافظ!.... پلٹے ــ حسینؑ کو دیکھا، کہا: چچا خدا حافظ!... چچا عباسؑ خدا حافظ! ــــ سب کو سلام کر کے قاسمؑ کربلا کے میدان میں آئے اور شام کی فوج یہ کہتی ہے .... شام کی فوج یہ کہتی ہے کہ یہ ننھا نوجوان جب گھوڑے کو دوڑاتا ہوا آیا تو چمکتا ہوا سینہ، ہاتھ میں چھوٹی سی تلوار ــ دوڑتا ہوا گھوڑا۔ نعرے لگاتے ہوئے قاسمؑ ــ تو دیکھنے والے سوچنے لگے یہ تو کربلا میں قاسمؑ نہیں آ رہے ہیں، یہ صفین میں

حیدر کرار آرہے ہیں۔ ظالموں کو ختم کرنا شروع کیا۔ لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ ایک پہلوان کے چاروں بیٹوں کو قتل کیا، پھر اسے بھی قتل کیا۔ دُنیا نے، دُنیا نے دیکھ لیا۔ پیاسے قاسمؑ کے جہاد کو دُنیا نے دیکھ لیا۔ حیدر کرارؑ کے لہو کو دُنیا نے دیکھ لیا۔ فاطمہ زہراؑ کے دُودھ کو دُنیا نے دیکھ لیا۔ کیسا بھتیجا ہے حسینؑ ابن علیؑ کا۔ بس ایک مرتبہ ایک ظالم نے چھپ کے قاسم کے تلوار ماری، ایسی تلوار جس نے سر کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ کبھی دادا کے سر کے دو ٹکڑے ہوئے تھے۔ آج پوتے کا سر دو ٹکڑے ہوا۔ ایک مرتبہ قاسم گھوڑے پر جھکے اور زخمی سر کے بل زمین پر گرے۔ یہ کہتے ہوئے گرے، یہ کہتے ہوئے گرے: "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ رِضًا بِقَضَائِہٖ وَتَسْلِیْمًا لِاَمْرِہٖ" اور گرتے گرتے آواز دی: چچا، چچا اپنے بھتیجے کی خبر لیجیے۔

حسینؑ چلے۔ راستے میں لشکر نے روکا۔ اب حسینؑ نے آستینیں اُلٹیں۔ ارے میرے لعل کو مار ڈالا۔ ارے میرے لعل کو تو مار ڈالا اور مجھے لاش تک جانے بھی نہیں دیتے۔ بس ادھر سے دُشمن بھاگنے لگا۔ حسینؑ قریب آنے لگے۔ بس ایک منٹ۔ ایک جملہ پڑھنا چاہتا ہوں۔ مقاتل میں۔ ارشادِ مفید میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جب دُشمن کی فوجیں بھاگ رہی تھیں، سوار بھاگ رہے تھے۔ حسینؑ حملہ کر کے دشمن کو ہٹا رہے تھے اور قاسمؑ کے سرہانے آرہے تھے تو ایک مرتبہ قاسمؑ کی آواز آنے لگی:

"چچا۔ چچا چچا۔ ارے چچا میری خبر لیجیے۔"

آپ کیا سمجھے؟ آواز کیوں آرہی تھی۔ جب دُشمن بھاگا تو راستے میں قاسمؑ پڑے تھے۔ ارے گھوڑے ان پر سے گزرتے چلے جا رہے تھے۔ جب کوئی گھوڑا ان پر سے گزرتا تھا تو قاسمؑ آواز دیتے تھے۔ ارے میرے چچا میری خبر لیجیے۔

حسینؑ پہونچے۔ قاسم دم توڑ رہے تھے۔ بیٹھ گئے سرہانے۔ کہا: میرے لعل! تم نے پکارا میں پہونچ نہ سکا اور پہونچا تب ہوں جب مدد کی حدیں ختم ہوگئیں۔ ارے لعل! تیرا چچا تیرے کام نہ آسکا.... !!

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

کریم! ہمارے دلوں کو خالص کر دے، ہمارے دماغوں کو خالص کر دے تاکہ اس میں تیری معرفت، تیرا ایمان اپنی پوری جگہ بنا سکے۔

کریم! تو توفیق عطا فرما کہ ہم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچا سکیں۔

کریم! ہم کو توفیق عطا فرما، ہم تیرے دین کے واجبات کو ادا کریں، تیرے گناہوں سے بچ سکیں۔

کریم! اب تک جو خطائیں ہوئی ہیں ان کو معاف فرما دے۔

مجلس

(۸)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَاَھۡلِیۡکُمۡ نَارًا

صلوات

پروردگارِ عالم چاہتا ہے کہ اس کا ہر مومن بندہ دوزخ سے محفوظ رہے اس لیے آواز دیتا ہے کہ ایمان لانے والو! پوری کوشش کرو اور انتہائی کوشش کرو کہ نہ صرف اپنے کو بلکہ اپنے گھر والوں کو بھی دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

میں نے آپ کے سامنے پہلی تقریر سے مسلسل یہ گزارش کی ہے کہ آج کا ہمارا سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ پروردگارِ عالم کے فضل سے، نبیؐ و آلِ نبیؐ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں ہم کو وہ سچّا دین مل گیا جو دینِ خدا ہے ـــــ دینِ نبیؐ ہے ـــــ دینِ ائمہ معصومینؑ ہے۔

ایک جملہ کہنا چاہتا ہوں، اگر آپ اسے یاد رکھیں تو شکر گزار ہوں گا، کہ ہم دنیا کے سامنے جس قدر بھی فخر کریں کہ ہم کس قدر خوش نصیب ہیں کہ ہمارے پاس وہ دین ہے جو خدا نے بھیجا، وہ دین ہے جسے نبیؐ و آلِ نبیؐ نے پیش کیا اور بچایا، لیکن جہاں ہماری خوش نصیبی ہے کہ یہ بہترین دین، یہ بہترین تاریخ، یہ بہترین افراد، یہ بہترین

ہادی ہمارے پاس ہیں۔ وہیں ہماری انتہائی بدنصیبی ہے کہ ہم نے دین سے فائدے نہیں حاصل کیے ہیں ـــــ دین کی پابندی نہیں کی ہے ـــ دین کو پڑھا نہیں ہے ـــ دین کو سمجھا نہیں ہے! یہاں تک منزل پہنچ گئی ہے کہ ہم دین کو مانتے بھی ہیں اور اپنی زندگی میں دین کو پامال بھی کرتے ہیں۔!!

میں نے ان مجلسوں میں بھی کوشش کی ہے کہ میں اپنی بیٹیوں کو آواز دوں، میں اپنی بہنوں کو آواز دوں، میں اپنے بچوں کو آواز دوں، میں اپنے جوانوں اور بھائیوں کو آواز دوں کہ وقت آگیا ہے کہ ہم آنکھیں کھولیں اور بیدار ہو جائیں اور یہ دیکھیں کہ ہماری زندگی ہم کو دوزخ کی طرف لے جارہی ہے اور دین اور دین کا لانے والا اور بھیجنے والا ہم کو آواز دے رہا ہے کہ اپنے کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ میں آپ کے سامنے اسباب میں سے ایک سبب کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جس کی بنا پر ہم دین کو مانتے ہیں مگر دین پر عمل نہیں کرتے وہ سبب کیا ہے؟

بہت سے اسباب میں نے آپ کے سامنے بیان کیے ہیں، لیکن آج کی مجلس میں جو پوائنٹ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، جو سبب آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں جو ہماری دینی پابندی میں کمی کا سبب بن گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم دین کے بارے میں احساسِ کمتری رکھتے ہیں ـــــ میرا فریضہ ہے کہ میں پہلے اپنے بچوں کو سمجھادوں کہ احساسِ کمتری کیا ہوتا ہے اور احساسِ برتری کیا ہوتا ہے۔ دونوں عیب ہیں، دونوں خرابیاں ہیں۔ خوبی نہیں ہیں۔ نہ احساسِ کمتری ہونا چاہیئے نہ احساسِ برتری ہونا چاہیئے۔

احساسِ کمتری کے معنی یہ ہیں کہ آدمی خواہ مخواہ اپنے کو چھوٹا سمجھ لیتا ہے اور احساسِ برتری یہ ہے کہ آدمی بے سبب اپنے کو بڑا سمجھ لیتا ہے۔ بہترین صفت یہ ہے کہ آدمی جیسا ہے اپنے کو ویسا پہچانے۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کو اپنے ماں باپ،

اپنے دادا پر، نانا پر، اجداد پر، خاندان پر، فیملی پر فخر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی ہے جس کی پچھلی چار پشتوں میں ایک عالم دین گزرے ہیں۔ جہاں ملاقات ہوئی، کہا: آپ نے فلاں عالم دین کا نام سنا ہوگا وہ میرے پردادا تھے ___ کسی جگہ آپ کو ایسے لوگ ملیں گے جو کہیں گے: آپ نے فلاں شاعر کا نام سنا ہے وہ میرے نانا تھے ___ آپ فلاں رائٹر سے واقف ہیں وہ میرے چچا تھے۔ بس جب آدمی اس طرح پہچنواتا ہے کہ میں فلاں کا نواسہ ہوں، فلاں کا پوتا ہوں، فلاں کا بھتیجہ ہوں، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاندان پر، اپنی فیملی پر اعتماد رکھتا ہے باعزت سمجھتا ہے، احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہے۔ اور جو احساسِ کمتری والے ہوتے ہیں وہ کون ہوتے ہیں؟

احساسِ کمتری والے وہ ہوتے ہیں جو سمجھتے ہیں ہم میں کوئی خوبی نہیں ہے ہم میں کوئی عظمت نہیں ہے، ہمارا خاندان پہچنوانے کے قابل نہیں ہے۔ تو پتہ چلا لندن میں ایک صاحب پائے جاتے ہیں جن کو سارے لندن والے جانتے ہیں۔ کہا: آپ کون ہیں؟ جواب دیا: یہ جو فلاں صاحب پائے جاتے ہیں ان کی جو نانی تھیں، ان نانی کی جو بہن تھیں بہن کی خالہ تھیں، خالہ کی جو بھاوج تھیں وہ میری دادی کی ساس کی بہن تھیں ___! وہ سنا لے گئے ہوں تو سنا لے گئے ہوں لیکن مجمع کو تو یاد نہیں رہا کہ کیا کہا تھا۔ بس یہ ہے احساسِ کمتری کہ اپنے کو چھوٹا سمجھتے ہیں، اپنے ماں باپ کو حقیر سمجھتے ہیں، اپنے خاندان کو بے عزت سمجھتے ہیں۔ لہٰذا جسے باعزت پا رہے ہیں اس سے رشتہ جوڑ رہے ہیں۔ چاہے جڑے یا نہ جڑے۔

ہم نے مثال پیش کر دی کہ احساسِ کمتری کیا ہے۔ اب ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اسلام کے بارے میں، دین کے بارے میں، ایمان کے بارے میں ہم احساسِ کمتری

رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے ہیں۔

ذرا ایک صلوات بھیجدیں محمدؐ و آلِ محمدؐ پر

ہمارا فریضہ ہوتا ہے کہ ہم پہچانیں کہ ہم دین کے بارے میں احساسِ کمتری رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے؟ اگر احساسِ کمتری رکھتے ہیں تو ہم کو احساسِ کمتری کو مٹا دینا چاہیئے اور دین پر ایسا بھرپور اعتماد ہونا چاہیئے کہ ہم دُنیا میں فخر کے ساتھ کہہ سکیں ہم مسلمان ہیں۔ ہم مومن ہیں۔ ہم شیعہ اثنا عشری ہیں ــــ ہم حسینی ہیں ــــ ہم عزادار ہیں۔

میں آپ کے سامنے ثبوت پیش کرنا چاہتا ہوں کہ ہم دین کے معاملے میں یقیناً احساسِ کمتری کا شکار ہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایک رپورٹ چھپی۔ میں مثال عرض کر رہا ہوں۔ اور اس میں یہ لکھا تھا: ایک میڈیکل بورڈ بیٹھا، اس نے اپنی رپورٹ میں یہ لکھا کہ اگر آدمی کی ناک میں پانی پڑتا ہے تو وہ مجنون نہیں ہوتا ہے، پاگل نہیں ہوتا ہے ــــ بس انھوں نے ہاتھ میں میگزین لی اور لوگوں سے ملنا شروع کیا: "یہ رپورٹ پڑھیئے۔ دس بڑے بڑے انٹرنیشنل ڈاکٹروں کا بورڈ تھا جنھوں نے فیصلہ کیا ہے کہ اگر ناک میں پانی جاتا رہے تو آدمی پاگل نہیں ہوگا، اب پہچانیئے مذہب نے وضو کیوں رکھا ہے ــــ"

یہ احساسِ کمتری ہے۔ یعنی اگر ان دس ڈاکٹروں نے یہ رپورٹ نہیں لکھی ہوتی تو ہم وضو کو دُنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکتے تھے۔ حالانکہ دین کے بارے میں صحیح اعتماد کی منزل یہ ہے کہ دُنیا سمجھے یا نہ سمجھے جو عقل کا خالق ہے اس نے وضو کا حکم دیا ہے ــــ میں اپنی بات کو پھر واضح کرنا چاہتا ہوں تاکہ میری بیٹیاں اور میرے بچے بھی سمجھ لیں ــــ کچھ آدمی ہوتے ہیں جو کسی ایکسیڈنٹ میں زخمی ہو جاتے ہیں تو وہ کچھ دن بغلوں میں بیساکھیاں دے کے چلتے ہیں۔ اگر ایسا حادثہ ہو گیا خدانخواستہ کہ

ساری زندگی بیکار ہے تو اب پیروں سے نہیں چل سکتے، کاہے سے چلیں گے؟ تو ہمارے بہت سے مومن بھائی، بہت سے اثنا عشری بھائی جو دین کے راستے میں دوسروں کی رپورٹوں کی بیساکھی سے چلتے ہیں: فلاں ڈاکٹر نے یہ بات کہہ دی ہے لہٰذا دین ماننے کے قابل ہے۔ فلاں سائنس داں نے یہ بات کہی ہے لہٰذا یہ بات ماننے کے قابل ہے۔ فلاں غیر مسلم نے یہ بات کہی ہے لہٰذا ماننے کے قابل ہے۔ اور خدا نے کہا ہے تو کوئی قیمت نہیں ہے۔ نبیؐ نے کہا ہے تو کوئی قیمت نہیں ہے۔ علیؑ نے کہا ہے تو کوئی قیمت نہیں ہے ـــــ!؟ تو بھیا بیساکھی سے چلنے والے وہاں تک نہیں پہنچ سکتے جہاں تک قدموں سے چلنے والے پہونچتے ہیں۔

ہماری سوسائٹی کا فریضہ ہے کہ ہم دین کو اتنا پڑھیں، دین کو اتنا سمجھیں، دین کو اتنا مانیں کہ دین کے بارے میں ہم میں یہ اعتماد پیدا ہو جائے کہ جب خدا کہہ رہا ہے تو دنیا کچھ نہ کہے ہم مان رہے ہیں۔ جب نبیؐ نے ارشاد فرمایا ہے تو اگر ساری دنیا بھی انکار کر دے تو ہم دُنیا کا انکار کر دیں گے مگر جو فخرِ کائنات، سرورِ کائنات ہے اس کے ارشاد سے انکار نہیں کریں گے۔ ہمارا اعتماد دین کے بارے میں اتنا مضبوط ہونا چاہیئے، اتنا مستحکم ہونا چاہیئے کہ اگر ساری دُنیا مل کے بھی کہے کہ ماننے کے قابل نہیں ہے۔ مگر جب مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے تو ہم کسی تذبذب، کسی شک کا شکار نہ ہوں۔ مولا کے ارشاد پر ہمیں اعتماد ہے اور ہمیں یہ اعتماد ہے کہ جو دنیا آج نہیں مان رہی ہے، وہ ماننے کے لیے کل خود آئے گی۔ جو آج دین کو نہیں مان رہی ہے، اسلام کو نہیں مان رہی ہے وہ دُنیا دین کے دروازے پر ویسے ہی آئے گی جیسے پچیس سال کے بعد مدینہ میں مسلمان حیدرِ کرارؑ کے دروازے پر آئے تھے۔

"اے علیؑ ! ہم سے بیعت لے لیں ـــ وہ آوازیں اور تھیں جہاں آوازیں آتی تھیں ہم سے بیعت کر لو ـــ اُمت علیؑ سے کہہ رہی تھی ہم سے بیعت لے لیں۔

صلوات۔

جب تک یہ جذبہ نہ پیدا ہو، جب تک یہ احساس نہ پیدا ہو تب تک ہم دین کو چھوٹی چیز سمجھیں گے اور جب چھوٹی چیز سمجھیں گے تو چھپانے کی کوشش کریں گے۔ چھوڑنے کی کوشش کریں گے۔ مثال کے طور پر اس مجلس میں ایک بچہ آیا ـــ وہ اپنے خیال میں ایک نیا نیا کوٹ لایا ہے ـ میں نفسیات کے ذریعہ یہ بات کو بار بار دُہرانا چاہتا ہوں ـــ تو چونکہ اسے اعتماد ہے کہ یہ کوٹ قیمتی ہے لہذا اس نے ہاتھ پر ڈال لیا ہے، سب کے سامنے سے گزرتا ہے تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں ـــ ایک دوسرا بیچارہ ہے جس کے پاس پرانا کوٹ ہے۔ پھٹ بھی گیا ہے اور راستے میں وہ گرا تھا اس میں کیچڑ اور پانی بھی لگ گیا ہے۔ تو جب وہ دروازے سے داخل ہوا تو کوٹ کو لپیٹے ہوئے ہے، چھپائے ہوئے ہے اور جہاں موقع ملا بیٹھ گیا وہیں۔ اور اگر لوگوں نے آگے بڑھایا تو کوٹ وہیں چھوڑ دیا خود آگے آ گیا۔

تو جب تک ہم دین کو چھوٹا سمجھتے رہیں گے، چھپاتے رہیں گے، چھوڑتے رہیں گے۔ دین کو چھوڑ کے آگے بڑھتے رہیں گے۔ اور جب دین کی قیمت کو پہچان لیں گے تو دین آگے آگے چلے گا ہم پیچھے پیچھے چلیں گے۔

صلوات

میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ زمانے کے شور سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے، حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ دو ایک اور نمونے آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں۔

مثال کے طور پر سارے زمانے میں آج شور ہے، ہنگامہ ہے کہ اسلام میں جو سزائیں دی جاتی ہیں وہ بڑی سخت ہیں۔ اور یہ سب کہنے والے وہی ہیں جن کو سزا کا خطرہ نہیں ہے ـــ کیا سخت ہے؟ کہا: چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ ارے کرلی چوری کرلی۔ اب یہ کیا ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ لیا جائے۔ پھر چوری کرے تو پیر کاٹ لیا جائے سب کے شرائط الگ الگ ہیں ـــ میں تفصیل میں نہیں جاؤں گا مجلس میں آپ کے سامنے تذکرہ نامکمل رہ جائے گا ـــ ہاتھ کب کٹے گا؟ کتنے مال کی چوری پر کٹے گا؟ کتنی گواہیوں کے بعد کٹے گا؟ مقدمہ کیسے ثابت ہوگا؟ کہاں سے انگلیاں کاٹی جائیں گی انگوٹھا چھوڑ دیا جائے گا ـــ یہ تفصیلیں آپ کو کتاب میں پڑھنا پڑیں گی۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب چور کے ہاتھ کاٹے جانے کا ذکر آیا تو انٹرنیشنل سطح پر شور بلند ہوا کہ اسلام کی سزائیں بڑی سخت ہیں۔

ہم نے کہا: اور کیا سخت ہے؟

کہا: آپ تو مولوی صاحب ہیں ہم سے بہتر جانتے ہیں۔

تو ہم نے کہا: اگر ہم بہتر جانتے ہیں تو ہم سے سنیے: بیشک اسلام کی سزائیں بہت سخت ہیں، مجھے انکار نہیں ہے۔ میں اسلام کے بارے میں احساس کمتری نہیں رکھتا ہوں جو چھپاؤں۔ میں اعتماد رکھتا ہوں لہٰذا پورے اعتماد کے ساتھ اسلام کے اصول کو، اسلام کے احکام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ہمت رکھتا ہوں۔ بے شک اسلام کی سخت سزاؤں میں سے ایک سزا یہ بھی ہے کہ کوئی ایسا شخص جو شادی شدہ ہو وہ بدکاری کرتا ہے۔ تو شادی شدہ اگر بدکاری کرتا ہے تو شریعتِ اسلامیہ نے اس کی سزا یہ رکھی ہے کہ ایسے آدمی کو گڑھا کھود کے کمر تک زمین میں دفن کیا جائے جسم کا آدھا حصہ زمین میں دفن، آدھا زمین سے باہر اور مسلمانوں کو بلایا جائے گا

کہ آؤ! یہ مجرم ہے اسے پتھر مارو۔ اور اتنے پتھر مارو کہ یہ پتھر کھاتے کھاتے مر جائے بے شک یہ سزا سخت ہے۔ اسلام نازاں ہے اس سزا پر۔

میں آپ کی خدمت میں اس موضوع کی بہت تفصیل پیش کرنا نہیں چاہتا ہوں اس وقت مجھے اور کچھ باتیں کہنا ہیں ـــ لیکن اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے ان سے پوچھا جو ہنگامہ کر رہے ہیں، شور کر رہے ہیں کہ اسلام کی سزائیں سخت ہیں، اسلام کی سزائیں وحشیانہ ہیں، اسلام میں وہ سزائیں ہیں جب آدمی جنگلی تھا ـــ اُس وقت جو سزائیں دی جاتی تھیں وہ آج تک باقی ہیں۔

بس۔ جتنے کہنے والے ہیں یہی کہتے ہیں نا کہ جب آدمی غیر مہذب تھا، جنگلی تھا وحشی تھا۔ اس وقت جو سزائیں دی جاتی تھیں وہ سزائیں اسلام میں باقی ہیں۔ بھلا آج کے مہذب زمانے میں اُن سزاؤں کی کیا ضرورت ہے؟

عزیزانِ گرامی! میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ جو جنگل کے زمانے کی سزائیں تھیں، جو دورِ وحشت کے زمانے کی سزائیں تھیں، جب آدمی غیر متمدن تھا۔ اُس وقت کی جو سزائیں تھیں وہ اسلام نے کیوں باقی رکھی ہیں؟ تو بندہ پرور! ٹھنڈے دل کے ساتھ، پُورے سکون کے ساتھ، پورے اطمینان کے ساتھ ایک سوال کا جواب مجھے دے دیجئے ـــ

آدمی جب جنگلی تھا، اس وقت وہ جو جُرم کر رہا تھا تو آدمی نے آج کی بیسویں صدی کے مہذب آدمی نے اس جنگلی زمانے کے جرم چھوڑ دیئے ہیں یا نہیں چھوڑے ہیں؟ آپ اسلام سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس زمانے کی سزائیں نہ دی جائیں میں مطالبہ یہ کرتا ہوں کہ سوسائٹی اس زمانے کا جُرم نہ کرے۔ یہ کیسا انصاف ہے کہ اس زمانے میں جب آدمی جنگلی تھا تب بھی وہ قتل کر رہا تھا، جب جنگلی تھا تب بھی

وہ دوسروں کی عزتیں لوٹ رہا تھا، جنگلی تھا تب بھی وہ دوسروں کا مال لوٹ رہا تھا۔ جُرم تو وہی باقی رہیں اور سزائیں نرم کر دیں۔؟

ہم سے سُنیئے: اسلام مجرم سے زیادہ جُرم کا دشمن ہے۔ اسلام ایسی سخت سزا دینا چاہتا ہے جس کو دیکھ کے لوگ گھبرا جائیں، تاکہ اس کے بعد جُرم کا سلسلہ بند ہو جائے۔ وہ چور کا ہاتھ نہیں کاٹتا ہے، وہ چور کے ہاتھ کاٹ کے چوری کے سلسلہ کو کاٹنا چاہتا ہے۔ وہ بدکاری کرنے والے کو سنگسار نہیں کر رہا ہے، وہ بدکاری کو اتنا بدنام کر رہا ہے کہ پھر سوسائٹی میں کسی کی ہمت باقی نہ رہے۔

آپ مجھے بتائیں کہ جیلوں میں آرام کے ساتھ رہنا اور سوسائٹی میں ظلم پہ ظلم کرتے رہنا، جُرم پہ جُرم کرتے رہنا یہ تہذیب کے مطابق ہے یا ایک کو سزا دینا اور ایسی سزا دینا کہ ہزار آدمی اس کو دیکھ کے جرم سے رُک جائیں یہ انسانیت کی فلاح و بہبودی ہے ـــ! اور اگر مسلمان ہیں تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ مرنے کے بعد کیا ہونے والا ہے؟ جنّت اور دوزخ ـــــ دوزخ میں یہ ہوگا کہ جو قیدی جائیں گے ان کے لیے ایر کنڈیشنر لگایا جائے گا؟ یہ جو دوزخ میں آئے ہیں یہ دُنیا میں بہت بڑے عالم تھے لہٰذا ایر کنڈیشنر لگایا گیا ہے؟! یہ منسٹر تھے، یہ پریسیڈنٹ تھے یہ ڈکٹیٹر تھے، یہ ارب پتی تھے ـــــ

لیکن قرآن مجید نے کیا کہا؟ قرآن مجید نے یہ کہا کہ دوزخ کی آگ میں سب جلائے جائیں گے اور اتنی مہیب ہوگی سزا کہ قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ دنیا میں کسی کو آگ میں ڈال دو، تھوڑی دیر میں جل کے مر جائے گا۔ لیکن دوزخ میں خدا اس سسٹم کو بدل دے گا۔ جب جل جائے گا مجرم تو اللہ اس کی کھال کو پھر سے زندہ کر دے گا جلنے کے لیے۔ کہا: وہ دنیا کا نظام تھا جہاں موت آ کے تکلیف سے

نجات دلا دیتی تھی لیکن جب خالقِ موت و حیات نے سزا دینا طے کیا ہے تو وہ نظام اور سسٹم بدل دے گا۔ جلنے والے جلتے ہی رہیں گے۔ اس لیے کہ ان جلنے والوں نے زندگیاں جلائی ہیں ـــــ ان جلنے والوں نے خاندان جلائے ہیں ـــــ ان جلنے والوں نے شرافتیں جلائی ہیں ـــــ ان جلنے والوں نے شرم و حیا کو جلایا ہے ـــــ ان جلنے والوں نے انسانی زندگی کو اور نسلوں کو جلایا ہے ـــــ تو ان کو اس لیے جلنا ہے کہ یہ جلاتے آئے ہیں۔

میں آپ کی خدمت میں یہ کہنے کے لیے حاضر ہوا ہوں کہ اگر ہم مسلمان ہیں تو زمانے کے شور سے ہمیں نہیں ڈرنا چاہیئے کہ اسلام کے خلاف ہنگامہ ہو رہا ہے کہ اسلام کی سزائیں سخت ہیں ـــــ نہیں ! جو جُرم کو باقی رکھنا چاہتا ہے، وہ مجرم کا خیال کرتا ہے۔ جو جُرم کو ختم کرنا چاہتا ہے وہ سزا کا خیال کرتا ہے۔

ـــــــــ صلوات ـــــــــ

میں نے آپ کی خدمت میں ایک مثال پیش کی کہ جب ہماری سوسائٹی کا کوئی آدمی یہ تذکرہ کرنے لگے کہ اسلام میں سزائیں سخت ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دین کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہے۔

دوسرا احساسِ کمتری کا ایک نمونہ اور سنیئے اور یہ تو وہ نمونہ ہے جس میں بڑے بڑے بھولے بھولے صاحبانِ ایمان پھنس جاتے ہیں، منبر پر آنے والے پھنس جاتے ہیں، علماء پھنس جاتے ہیں ـــ وہ کیا؟ وہ یہ ہے احکامِ شریعت کا سبب معلوم کرنا کہ اس حکم کا ریزن کیا ہے؟ کیوں جناب یہ جو شریعت میں غسل رکھا گیا ہے اس کا ریزن کیا ہے؟ جو وضو رکھا گیا ہے اس کا ریزن کیا ہے؟

تو لوگ سوچتے ہیں ریزن پوچھنا چاہیے یہ عبادت ہے۔ ریزن پوچھنا چاہیے

یہ دین کا احساس ہے۔ اور ہمارے جیسے کم علم آدمی ڈھونڈھ ڈھانڈھ کے کوئی ریزن بیان کر دیتے ہیں تاکہ مومنین اور سننے والوں کو احساس ہو مولوی صاحب بہت بڑے عالم دین ہیں، کیا ریزن نکال کے لائے۔ لیکن میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ سر کے بالوں سے لے کر پیر کے ناخن تک ہمارے جسم میں کتنی چیزیں ہیں، کتنی ہڈیاں ہیں، کتنی رگیں ہیں، کتنے اعضاء وجوارح ہیں، کتنی چیزیں ہیں جو اس جسم انسانی میں پھیلی ہوئی ہیں۔ بندہ پرور! مجھے بتا دیجئے کہ اس میں سے کتنی چیزیں کس لیے پیدا کی گئی ہیں۔ کتنے اعضاء کے ریزن ہمیں معلوم ہیں؟ یہ آنکھیں ماتھے پر کیوں نہیں ہیں؟ نیچے کیوں نہیں ہیں؟ سائڈ میں کیوں نہیں ہیں؟ یہاں کیوں ہیں؟ ریزن پر ہم غور نہیں کر رہے ہیں۔ آنکھ سے دیکھ رہے ہیں۔ گردن گھومنے والی کیوں بنائی گئی ہے ریزن پر غور نہیں کر رہے ہیں گردن گھما کے دیکھ رہے ہیں۔ تو پورے جسم انسانی میں وہ دس بیس چیزوں کا ریزن بھی نہیں بتا سکتے۔

ماہر ڈاکٹروں کا تذکرہ چھوڑ دیجئے۔ میں عام انسانوں کی بات کر رہا ہوں۔ عام انسانوں سے میں پوچھتا ہوں: آپ کو جسم انسانی میں جتنی چیزیں پیدا ہوئی ہیں ان کا ریزن معلوم ہو گیا۔؟ کہا: ریزن تو نہیں معلوم مگر یہ اطمینان ہے کہ جو چیز پیدا ہوئی ہے اس کا سسٹم ٹھیک ہے۔

— کیا اس دنیا میں جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں ان کا ریزن معلوم ہو گیا۔؟

— نہیں۔ کچھ دس پانچ چیزوں کا پتہ لگا ہے سائنس کو۔ ابھی تو بے شمار چیزیں پڑی ہوئی ہیں لیکن یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ سسٹم ٹھیک ہے۔

تو ہمارے جسم کا سسٹم ٹھیک ہے۔ اس پوری دنیا کا سسٹم ٹھیک ہے... اس جسم کو پیدا کس نے کیا ہے؟ خدا نے! — اس دنیا کو کس نے پیدا کیا ہے؟

خدا نے! ـــ تو ہمارے جسم کا زندگی بھر کا سسٹم ٹھیک۔ ہزاروں لاکھوں سال کی یہ دُنیا ہوگئی اس کا سسٹم ٹھیک، اور وہی خدا جب مذہب بھیج دے تو ہم سوچتے ہیں کہ اس کا سسٹم ٹھیک ہے یا نہیں ٹھیک ہے۔ !! یہ کون سی بات ہے کہ دو باتیں تو ٹھیک ہیں تیسری نہیں ٹھیک ہے ـــ نہیں ٹھیک ہیں تو تینوں نہیں ٹھیک ہیں اور ٹھیک ہیں تو تینوں ٹھیک ہیں۔ جب ہم کو پیدا کرنے والا، دُنیا کو پیدا کرنے والا اور مذہب کا بھیجنے والا ایک ہی خدا ہے۔ جب اس نے ہمارے پیدا کرنے میں کہیں غلطی نہیں کی، اور اس پوری کائنات و دُنیا کے پیدا کرنے میں چلانے میں غلطی نہیں کی ہے تو مذہب کے احکام میں کیسے غلطی کر دے گا۔

ـــ صلوات ـــ

میں آپ کی خدمت میں بڑی دردمندی کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ ریزن کے چکّر میں کبھی نہ پڑیئے گا۔ ریزن کا چکر کوئی دینی چکّر نہیں ہے، یہ شیطانی چکّر ہے!! میرے بہت سے بچّے، بہت سے بھائی ناراض ہو جائیں گے کہ ریزن معلوم کرنا مذہب میں ایک دینداری کی بات ہے، آپ اسے شیطانی چکّر کہہ رہے ہیں؟

وجہ سُنیئے: مذہب کے احکام ہیں دس ہزار، اور دس ہزار میں ہم کو ریزن معلوم ہوگا دسّ باتوں، سَّو باتوں کا۔ تو جن باتوں کا ریزن معلوم ہو جائے گا ان کو ہم مانیں گے اور جن باتوں کا ریزن نہیں معلوم ہوگا ان کو ہم نہیں مانیں گے۔ تو یہ ریزن معلوم کرنے کا چکّر ہم کو انکارِ دین کی طرف لے جائے گا۔

آپ جیسے مجمع کو سمجھانے کے لیے میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ نے اس مسئلہ کو پہلے ہی دن طے کر دیا تھا۔ انسان کے پیدا ہونے سے پہلے طے کر دیا تھا۔ انسان کی تخلیق سے پہلے اس نے اعلان کیا: میں آدم کو پیدا کرنے والا ہوں۔ اے آسمان میں

رہنے والو! جتنے بھی آسمان میں موجود ہیں سب کو حکم دیتا ہوں کہ تم آدم کے سامنے سجدے میں جھک جانا۔ تو ملائکہ نے وجہ نہیں پوچھی اور سجدے میں جھک گئے۔ لیکن شیطان نے پوچھا: یہ تو بتا دے آدم کے سامنے کیوں جھکیں؟ اس لیے کہ یہ مٹی سے پیدا ہیں جو نیچی چیز ہے۔ ہم آگ سے پیدا ہیں جو اونچی چیز ہے۔ یہ اونچی چیز سے پیدا ہونے والا نیچی چیز کے سامنے کیوں جھکے؟

دست بستہ گذارش کرتا ہوں کہ شیطان کو شیطان بنایا اسی ریزن کے چکر نے، اور ملک کو ثابت قدم رکھا مالک کا حکم ماننے نے۔ ملائکہ کو اطمینان ہے جب ہم نے خدا کو مانا ہے جس کا کوئی کام غلط نہیں ہو سکتا ہے تو وجہ پوچھنا اس پر بے اعتمادی ہے۔ بس اتنا مجھے عرض کرنا ہے کہ پہلے ریزن میں اُلجھ کے جو گمراہ ہوا ہے وہ شیطان ہے۔

ایک صلوات بھیجیں محمد و آلِ محمد پر

میں آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم جب ڈاکٹر کو پہچان لیتے ہیں، اس کے علم پر بھروسا کر لیتے ہیں تو آنکھ بند کر کے اپنے جسم کو اس کے حوالے کر دیتے ہیں وہ دوا دے، زہر دے، چاقو چلائے، میجر آپریشن کرے، ہم کو اس کے ایکسپرٹ ہونے کے بعد اس پر اعتماد ہے۔ تو کیا اس دنیا میں ایکسپرٹوں پر ہم بھروسہ کر سکتے ہیں اور جو ساری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اس پر بھروسہ نہیں کر سکتے؟

عزیزانِ گرامی! اگر ہم نے روزہ یہ سوچ کے رکھا کہ روزہ رکھنے سے صحت ٹھیک ہو جائے گی۔ روزہ رکھنے سے جو صحت ٹھیک ہونے والی ہے وہ تو ہو گی ہی! لیکن اگر ہم نے یہ سوچ کے رکھا کہ روزہ رکھنے سے صحت ٹھیک ہو جائیگی تو یہ صحت کا روزہ ہوا، قربۃً الی اللہ والا روزہ نہیں ہوا۔

آپ نے مجلس میں شرکت کی (مثال عرض کر رہا ہوں) مجلس کے بعد میری

ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا:

"آپ کو مجلس میں دیکھ کے بڑی خوشی ہوئی۔"

کہنے لگے: "نہیں، ہم نے سُنا تھا کہ یہاں کچھ ہوتا ہے۔ ہم دیکھنے آئے تھے یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

تو وہ جو ہم کو خوشی ہوئی تھی وہ خوشی ختم ہو گئی یا نہیں؟ ــــــ اس بحث کو ختم کرتے ہوئے آخری بات کہنا چاہتا ہوں۔ اگر اس دنیا میں ہم لوگوں کی خوشی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہزاروں کام کرتے ہیں تو جو ساری کائنات کا مالک ہے جو ہمارا آپ کا مالک ہے ہم اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کام کریں تو اس سے بہتر کون کام ہو سکتا ہے۔ میں زندگی کی مثالوں کے ذریعہ صرف آپ کے ذہنوں کو موڑ دینا چاہتا ہوں ــــ ہماری سوسائٹی میں ایک رواج یہ بھی ہے کہ جس دن پیدا ہوئے اس دن کیک کٹے گا۔ اور فیملی چاہے جتنی چھوٹی ہو کیک اتنا ہی بڑا ہوگا تاکہ کوئی پہچان نہ سکے کہ فیملی چھوٹی ہے۔

میں سارے آدمیوں سے پوچھنا چاہتا ہوں جنھوں نے کیک کاٹے ہیں، جنھوں نے برتھ ڈے منایا ہے کہ مجھے کیک کاٹنے کا ریزن بتا دیجیے۔

کہا: "جی ریزن تو کچھ نہیں ہوتا ہے۔ ریزن کچھ نہیں۔"

ہم نے پوچھا: "آج مجلس میں آپ کب آرہے ہیں؟"

کہا: "آج نہیں آسکتے۔"

"کیوں۔؟"

کہا: "وہ ہمارے پڑوس میں ایک صاحب رہتے ہیں ان کی لڑکی کا آج برتھ ڈے ہے، تو ہم کو وہاں جانا ہے۔"

ہم نے کہا: "نہ جاؤ۔"

کہا: "نہیں! جانا ہے۔"

ہم نے پوچھا: "کاہے سے جائیے گا۔؟"

کہا: "تھوڑی دور بس سے جائیں گے، تھوڑی دُور پیدل چلیں گے، تھوڑی دُور ٹرین سے جائیں گے۔ تین گھنٹے میں پہونچیں گے۔"

ہم نے پوچھا: "یہ آپ کے ہاتھ میں تھیلے میں کیا ہے؟"

کہا: "یہ ہم نے تحفہ خریدا ہے اُس بچّی کو دینے کے لیے۔"

— "کتنے کا ہے۔؟"

کہا: "کچھ نہیں، پانچ سو رُد پیے کا ہے۔"

تو ہم نے کہا: یہ تین گھنٹے آپ سردی میں جائیں گے، یہ آپ اپنے چھ گھنٹے آنے جانے میں صرف کریں گے، یہ آپ پانچ سو روپیے کا تحفہ اس کو جا کے دے رہے ہیں۔ کیوں دے رہے ہیں۔؟"

کہا: "کچھ نہیں، پڑوسی ہے خوش ہو جائے گا۔"

تو اگر پڑوسی خوش ہو جائے گا اس کے لیے ہم چھ گھنٹے خرچ کر سکتے ہیں تو مالک خوش ہو جائے گا اس کے لیے صبح اُٹھ کر دو رکعت نماز کیوں نہیں پڑھ سکتے ہیں؟ اگر پڑوسی خوش ہو جائے گا اس لیے پانچ سو کا کوئی تحفہ لے کے ہم اس کی لڑکی کو دینے جا رہے ہیں تو مالک خوش ہو جائے گا کہ سال بھر کے خرچ کے بعد جو مال بچے اس کا پانچواں حصّہ خمس میں نکال دو۔ تو ہم کیوں نہیں نکال سکتے۔؟ تو ہم دُنیا کے دوستوں کے لیے، عزیزوں کے لیے، پڑوسیوں کے لیے، غیروں کی خوشی حاصل کرنے کے لیے بڑی سے بڑی زحمت جھیل کے، بڑے سے بڑا کام کرتے ہیں۔ تو اگر انسان معمولی سے انسان کی خوشی حاصل کرنے کے لیے

ہم دولت بھی خرچ کرتے ہیں، ٹائم بھی اپنا خرچ کرتے ہیں، اپنی انرجی بھی برباد کرتے ہیں، تو کیا خدا ان انسانوں سے اتنا چھوٹا ہو گیا کہ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کو ہر عبادت کا ریزن نہیں بنایا جا سکتا۔؟

صلوات

ہم نے برتھ ڈے میں شرکت کی تو جتنا کام ہم نے کیا ہے سب کا ایک مقصد ہے کہ ہمارا پڑوسی خوش ہو جائے۔ خالق نے آواز دی: عبادت کرنا ہے تو روزے سے صحت کو فائدہ پہونچے گا اس کو سبب نہ بنانا، میری خوشنودی کو سبب بنانا۔ تو میں نے آپ کی خدمت میں دو باتیں عرض کیں۔ پہلی بات یہ عرض کی کہ جب غیروں کی طرف سے ہنگامہ اور شور شروع ہوتا ہے تو ہم اسلام کی چیزوں کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں، قابلِ اعتراض سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ احساسِ کمتری ہے دین کے بارے میں، اور دوسری طرف جب ہم عمل کرنا چاہتے ہیں تو ہر کام کے لیے ریزن پوچھتے ہیں۔ جو کام کرنا ہوتا ہے اس کیلئے ریزن نہیں پوچھتے۔ عید کے دن نئے کپڑے پہننا ہے ــــ کوئی ریزن نہیں پوچھتا ہے۔ ہم نے کہا: آپ نے کیوں نہیں ریزن پوچھا کہ آج نئے کپڑے کیوں پہنیں؟
کہا: آج تو ساری سوسائٹی پہنتی ہے۔

جو کام نہیں کرنا ہوتا ہے ریزن ہم وہیں پر پوچھتے ہیں۔ تو مجھے پھر آپ کی خدمت میں اپنی کہی ہوئی بات کو دوبارہ عرض کرنا ہے کہ شیطان کو آدم کا سجدہ نہیں کرنا تھا، اسی لیے اس نے ریزن کا جھگڑا پیدا کیا اور وہ آگے بڑھ گیا۔ اور کہاں تک بڑھ گیا ــــ؟ اس نے کہا: "اے خدا! تیرا حکم غلط ہے۔ میں غلط حکم کے سامنے نہیں جھک سکتا ہوں۔"

بس اتنا یاد رکھیے گا یہی شیطان کا بنایا ہوا راستہ ہے۔ اگر ہم مومن ہونے

کے بعد اس راستے پر چلے تو ہمارے لیے بھی خطرہ ہے کہ ریزن کے چکر میں پڑ کے خدا کے احکام پر معترض ہو جائیں اور اس کے احکام کی نافرمانی کر بیٹھیں۔

میں نے یہ دو نمونے رکھے ہیں۔ ایسی ہزار باتیں پائی جاتی ہیں جو اس بات کا ثبوت پیش کریں گی کہ ہم دین کے بارے میں احساسِ کمتری رکھتے ہیں۔ چلتے چلتے ایک بات اور آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں:

کیا امام محمّد باقر علیہ السلام ہمارے امام نہیں ہیں؟

کیا امام حسن عسکری علیہ السّلام ہمارے امام نہیں ہیں؟

لیکن ہم میں ہمّت نہیں ہوتی ہے کہ ہم عسکریؑ ڈے منائیں۔ ہم میں ہمّت نہیں ہوتی ہے کہ ہم نقیؑ ڈے منائیں، رضاؑ ڈے منائیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ ہمارے امام ہیں دُنیا ان کو نہیں پہچانتی ہے۔ اور اتفاق سے حسینؑ ہمارے وہ امام ہیں جن کو دُنیا نے پہچان لیا ہے۔ تو یہ حسینؑ ڈے منانا اور بقیہ ائمہؑ کا تذکرہ چھوڑ دینا اس کے پیچھے بھی کسی بیک گراؤنڈ میں احساسِ کمتری ہی ہے اور حسینؑ ڈے میں جب ہم جمع ہوئے تو اپنے مذہب کے کوئی مولوی صاحب کھڑے ہوئے، اپنے مسلمانوں میں سے کوئی بھائی کھڑے ہوئے، کہتے رہے۔ کسی نے سُنا اور کسی نے نہیں سُنا۔ ایک آدمی نے کہا: "ارے آپ سُن نہیں رہے ہیں؟" جواب دیا: "ارے یہ تو اپنے ہی بھائی ہیں، ان کو تو کہنا ہی چاہیے۔"

ایک کرسچین اٹھا اور اس نے کہا کہ حسینؑ بہت عظیم انسان ہیں۔ تالیوں سے ہال گونج گیا ہم سب خوش ہو گئے۔ فلاں سپریم کورٹ کا جج ہے اس نے کہا: حسینؑ بہت بڑے آدمی ہیں ___ تو معلوم ہوا حسینؑ، حسینؑ ہو کے بھی چھوٹے تھے جب تک یہ سپریم کورٹ کا جج نہ کہہ دے کہ حسینؑ بڑے ہیں ___ تو ایسے سہاروں سے

اگر ہم حسینؑ کے سامنے سر جھکاتے ہیں تو ہم احساس کمتری رکھتے ہیں، خود اعتمادی نہیں رکھتے ۔ میں نے ایک ایک کر کے بہت سے اسباب آپ کے سامنے پیش کیے ہیں اور ان میں سے آج مجھے یہ سبب پیش کرنا ہے کہ جب تک مذہب کے بارے میں ہم میں احساس کمتری پایا جائے گا ہم دین چھوڑتے رہیں گے اور جس دن ہم کو دین پر اعتبار ہو جائیگا اس دن ہم دنیا کو چھوڑ دیں گے مگر دین کے احکام کو نہیں چھوڑیں گے ۔ اگر یہ اعتماد حاصل کرنا ہے تو ہمیں قرآن پڑھنا ہوگا ـــــ اگر یہ اعتماد حاصل کرنا ہے تو ہمیں احادیث سمجھنا ہوں گی ـــــ اگر یہ اعتماد ہم کو حاصل کرنا ہے تو ہم کو علماء کے گرد بیٹھ کے مسائل سمجھنا پڑیں گے ـــــ اگر یہ اعتماد ہم کو حاصل کرنا ہے تو دس بیس پچاس سو باتوں کو سمجھنے کے بعد ہمالیہ سے زیادہ مضبوط اطمینان ہم کو ہونا چاہیے کہ خالق کی بات غلط ہو ہی نہیں سکتی ۔ معصومؑ کی بات غلط ہو ہی نہیں سکتی ہے ۔ لہٰذا جو فرمایا ہے وہ صحیح ہے یہی ایمان ہے ۔ جب یہ منزل پیدا ہوگی تو ہماری سوسائٹی پابند دین بن جائے گی ۔ صلوات

میں آپ کی خدمت میں اسی سلسلے کی ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک ایران میں انقلاب نہیں آیا تھا ـــــ کسی کی نگاہ میں وہ اچھا ہے یا بُرا ہے اس بحث میں مجھے نہیں پڑنا ہے، مجھے تو اس سے ایک فائدہ حاصل کرنا ہے تاکہ وہ بھی سوچیں جن کی نگاہ میں اسلامی انقلاب اگر قابلِ اعتراض ہے تو ان سے بھی میں گذارش کروں گا اور دعوتِ فکر دوں گا کہ سوچیں جب تک اسلامی انقلاب نہیں آیا تھا، ایران کے اندر ہم میں سے کوئی آدمی یہ پہچنوانا نہیں چاہتا تھا کہ ہم شیعہ ہیں ۔ اور جب اسلامی انقلاب کے ذریعہ پوری دنیا میں شیعہ مذہب پہچانا گیا تو ہم بھی اب ہمت کرتے ہیں کہ ہم ہیں مسلمان، ہم ہیں شیعہ مسلمان ۔ تو معلوم ہوا کہ جب تک مذہب کو دُنیا نہیں جانتی تھی، ہم اپنے کو چھپا رہے تھے اور جب دُنیا جاننے لگی ہم بھی اپنے کو دکھا رہے ہیں ۔

معلوم ہوا ہم مذہب کے سہارے نہیں ہیں ہم دنیا کے سہارے ہیں۔ میں نے آپ کے سامنے جو چند نمونے پیش کیے ہیں وہ اس دردِ دل کو پیش کرنے کے لیے کہ اگر ہم خدا پہ ایمان لائے ہیں، اگر ہم نبیؐ پر ایمان لائے ہیں، اگر ہم ائمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے ہیں تو ان کے معین کیے ہوئے ہر حلال پر، ہر حرام پر ہم کو پورا اعتماد ہونا چاہیئے۔

صلوات

چند چھوٹے چھوٹے نمونے میں نے آپ کے سامنے پیش کیے اور بیان کے اس سلسلے کو یہیں پر روک کر کے آج میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں جس کے لیے مجھے اُمید ہے کہ میری ہر بیٹی، میری ہر بہن، میرا ہر بچہ، میرا ہر نوجوان، ہر بھائی، ہر بزرگ، اس بات کو اگر پوری طرح سے سُن لے گا تو انشا اللہ ہماری زندگی میں خود بخود انقلاب آجائے گا۔ یہ دین کا احساس کمتری مٹ جائے گا اور دین کی پابندی کا ہمارے اندر ایسا جوش پیدا ہو جائے گا کہ ہم قربانیاں دے کے پابندی دین کریں گے یہاں کوئی ایسا نہیں ہے جس کو مولائے کائنات امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبّت نہ ہو۔ اگر ہم سب مولائے کائناتؑ سے محبّت کرنے والے ہیں تو اب میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج دنیا مانتی ہے کہ بیٹا لاکھ محبت کرے مگر ایسی محبت نہیں کر سکتا ہے جیسی محبّت باپ کو ہوتی ہے، یا جیسی محبّت ماں کو ہوتی ہے۔ تو اگر اولاد والدین کی محبّت تک نہیں پہونچ سکتی ہے (اب میں چاہوں گا کہ میرے کسی لفظ کو آپ ضائع نہ ہونے دیں) اگر والدین کی محبّت تک اولاد نہیں پہونچتی ہے تو پھر مجھے یہ بھی کہنا ہے کہ لاکھ محبّت کریں ہم غلام ہو کے، آقا ہم سے جو محبّت کرتے ہیں اس محبت تک ہماری محبت نہیں پہونچ سکتی ہے۔

میرے پاس الفاظ کمزور ہیں۔ بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ ماں باپ اپنی اولاد

سے جو محبّت کرتے ہیں اس محبّت کو ہزار گنا کیجئے، لاکھ گنا کیجئے تب وہ محبّت پیدا ہو گی جو نبیؐ کو اپنی اُمّت سے اور علیؑ کو اپنے غلاموں سے ہے۔

آپ کو حق ہے مجھ سے پوچھنے کا کہ تم نبیؐ و علیؑ کی اُمّت سے محبّت کو والدین کی محبّت سے لاکھوں گنا زیادہ کیوں بتا رہے ہو؟ ایک جملے میں دلیل سنا دوں۔

سُنیے! ماں باپ اولاد سے جو محبّت کرتے ہیں اس کا رزلٹ یہ ہے کہ اگر اولاد پر کوئی آفت آتی ہے تو وہ اپنا سب کچھ لُٹا دیتے ہیں اور اولاد کو بچا لیتے ہیں۔ عزّت لُٹا دیں گے، اپنی جان جانے دیں گے، مال جانے دیں گے، پراپرٹی جانے دیں گے سب کچھ مٹا دیں گے مگر اولاد کو بچا لیں گے۔

نبیؐ اور علیؑ کو اس اُمّت سے ایسی محبّت ہے کہ انھوں نے اپنی اولاد کو مٹا کے اس اُمّت کے لیے دین بچایا ہے ___ ہم کہاں مقابلہ کر سکیں گے اس عظیم محبّت کا جو نبیؐ کو، علیؑ کو ہے ہم غلاموں سے، اس اُمّتِ مسلمہ سے ___ میں اس کے سلسلے میں ایک لاکھوں مرتبہ کا سُنا ہوا واقعہ آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں۔ کون ہے یہاں جو حدیثِ کساء سے باخبر نہیں ___

ایک دن حضورؐ جناب فاطمہ زہراؑ کے گھر آئے اور کہا: بیٹی! مجھے چادر اُڑھا دو۔ نبیؐ چادر اوڑھ کے جو لیٹے تو امام حسنؑ آئے اور اجازت لے کے چادر میں داخل ہو گئے۔ امام حسینؑ آئے، اجازت لے کے شامل ہو گئے۔ مولائے کائناتؑ آئے اور اجازت لے کے شامل ہو گئے۔ آخر میں شہزادیؑ نے کہا کہ بابا اجازت ہے کہ میں بھی شامل ہو جاؤں ___ فاطمہؑ بھی شامل ہو گئیں۔ تو اب جناب فاطمہؑ ہی اس واقعہ کو بیان فرماتی ہیں۔ حدیثِ کساء کی عظمت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ وہ حدیث ہے جس کی روایت صدیقۂ طاہرہ فاطمہ زہراؑ کر رہی ہیں، خاتونِ جنّت کر رہی ہیں۔

شہزادی فرماتی ہیں کہ جب ہم سب کے سب چادر میں جمع ہو گئے تو اللہ نے آسمان پر رہنے والوں کو آواز دی ـــ کیا آواز دی؟ ـــ کہ میں نے یہ پوری دنیا پیدا کی ہے اس دنیا میں جو کچھ پیدا کیا ہے اس میں سے کوئی چیز نہ پیدا کرتا، جو کچھ بھی پیدا کیا ہے ان پنجتنؑ کی محبّت میں پیدا کیا ہے جو چادر کے نیچے جمع ہیں۔

صلوات

میں واقعہ اس لیے سُنا رہا ہوں کہ جو نہیں جانتے ہیں وہ جان جائیں اور جو جانتے ہیں ان کے احساسات بیدار ہو جائیں ـــ تو خداوند عالم نے آسمان کی ساری مخلوق سے، ہر موجود سے کہا کہ اس دنیا میں چاند، سورج، زمین، آسمان جو کچھ میں نے پیدا کیا ہے وہ سب ان پنجتن کی محبّت میں پیدا کیا ہے جو چادر کے نیچے ہیں۔ سارے ملائکہ میں سب سے زیادہ عزّت کے مالک جناب جبرئیلؑ نے جو سردار ملائکہ ہیں، آگے بڑھ کے پوچھا:

پالنے والے! یہ چادر کے اندر کون ہیں؟

کہا: یہ میری کنیز فاطمہؑ ہیں، ان کے باپ ہیں، ان کے شوہر ہیں اور ان کے بچے ہیں۔

صلوات

میں اپنی مثال سُناتا ہوں۔ اتنا مجمع جمع ہو گیا مجلس سُننے کے لیے۔ کسی نے مجھے خوش کرنے کے لیے کہہ دیا: "اتنا بڑا مجمع آپ کی وجہ سے آیا ہے۔"

اب میں مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتا کہ اتنے آدمی میری وجہ سے آئے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی عزّتوں پر جب انسان اپنی حقیقت بھول جائے تو کیسے عظیم المرتبت وہ انسان ہیں جن کے لیے خالق کہہ رہا ہے کہ میں نے ساری کائنات ان کے لیے پیدا کی ہے ـــ آج کسی کا کمال ہے کہ ہم فلاں سیّارے تک گئے، ہم چاند تک گئے ...

ہمارا بنایا ہوا سیارہ مشتری اور مریخ تک پہونچ رہا ہے ـــــ اور وہاں خالق آواز دے رہا ہے کہ یہ پوری دنیا ہم نے پیدا کی ہے فاطمہؑ کے لیے، ان کے والد کے لیے، ان کے شوہر کے لیے اور ان کے بچوں کے لیے ـــ اللہ کے اس اعلان کے بعد جبرئیل نے کہا:

"پالنے والے! اجازت ہے کہ میں زمین پر جاؤں اور اس چادر میں شامل ہو جاؤں" کہا: "جاؤ" اور جبرئیل جب چادر کے کنارے آئے اور رُکے ـــ کہا: حضورؐ! آج اللہ نے یہ کہا ہے کہ ساری دنیا میں کوئی چیز نہ پیدا کرتا اگر یہ پنجتنؑ نہ ہوتے جو چادر کے نیچے جمع ہیں۔ یعنی خدا نے سنایا تھا، اب جبرئیل نے پھر اس کی تکرار کی اور اس کے بعد کہا:

" خدا نے اجازت دی ہے۔ حضورؐ اجازت ہے کہ میں چادر میں آجاؤں اور آ کے آپ پانچوں کا چھٹا بن جاؤں۔؟"

میرے پاس وقت نہیں ہے کہ میں حدیثِ کسا کے کسی لفظ کی تشریح کروں، لیکن اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ جبرئیل یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ میں داخل ہو کے پانچوں کا چھٹا بن جاؤں ـــ؟ کہا کہ یہ میں نے اس لیے سنا دیا کہ جب میں کہہ رہا ہوں کہ چھٹا بن جاؤں تو گنتی کر لو۔ چادر کے اندر پانچ ہی ہیں، کوئی چھٹا نہیں ہے۔ بس اس کے بعد اگر روایتیں لکھی جائیں کہ فلاں اہلِ بیتؑ میں شامل، فلاں اہلِ بیتؑ میں شامل۔ تو یہ دیکھنا ہے کہ چادر کے اندر بھی کسی کا وجود تھا یا نہیں تھا۔

پیغمبرؐ نے کہا: "آؤ جبرئیلؑ!"

جب جبرئیل داخل ہوئے تو پوری تقریرِ خدا سنانے کے بعد انھوں نے کہا: اللہ نے ایک آیت بھیجی ہے:

"اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْراً۔"

اللہ نے اس آیۂ تطہیر میں یہ کہا کہ "اے اہلِ بیتؑ! میرا یہ ارادہ ہے کہ ہر نجاست کو، ہر عیب کو، ہر نقص کو، ہر کمزوری کو تم سے دُور رکھوں اور ہر کمال کو تمھارے دامن میں جمع رکھوں" — ذرا دونوں باتیں ملائیے گا۔ پہلے خدا کہہ چکا کہ ساری دنیا تمھاری وجہ سے پیدا کی، اب خدا کہتا ہے کہ کسی عیب کی مجال نہیں جو تمھارے دامن تک پہونچ سکے۔ اور کسی کمال کی ہمّت نہیں ہے جو تمھارے دامن کو چھوڑ کے جا سکے۔

میں سننے والوں سے دونوں ہاتھ جوڑ کے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اب کون سی فضیلت ہے جو بیان ہو گی نبیؐ اور آلِ نبیؐ کے لیے۔ کتنی فضیلتیں بیان ہو گئی ہیں۔ سب کچھ تمھارے صدقے میں پیدا ہو گیا ہے اور سارے کمالات تمھارے اندر ہیں، اور ساری بُرائیاں سارے عیب، ساری کمیاں تم سے دُور ہیں — یعنی کمالات جمع، نقائص دُور اور کائنات ان کے طفیل میں پیدا ہوئی۔

— صلوات —

سنیں گے آپ؟ میں نے آپ کے سامنے تذکرہ کیا تھا کہ ہم کیا محبّت کریں گے جو یہ کر رہے ہیں۔ جب منزل یہاں تک پہونچی، جبرئیل اپنا بیان ختم کر چکے تو جناب مولائے کائناتؑ نے حضورؐ سے پوچھا:

حضورؐ! یہ تو بتائیے آج جو ہم لوگ جمع ہوئے تو ہمیں کیا ملا؟

اے میرے مولا علیؑ! کیا نہیں ملا آپ کو؟ خدا کہہ رہا ہے ساری دُنیا تمھارے لیے ہے ساری کائنات تمھارے لیے پیدا کی، سارا کمال تمھارے پاس ہے، ساری کمیاں تم سے دُور ہیں۔ اے مولاؑ! کیا چیز باقی رہ گئی ہے جو آپ کے لیے نہیں بیان کی ہے لیکن

علیؑ کہہ رہے ہیں کہ پیغمبرؐ یہ بتایئے "مَالِلجُلُوسِنَاهٰذَا" ــــ یہاں جو آج ہم جمع ہوئے تو ہمیں کیا ملا؟

بس یہاں سوال کر رہا ہوں مولا سے کہ مولاؑ! سب مِل گیا ہے۔ آپ کیوں کہہ رہے ہیں کہ کیا ملا؟ مگر رسُولؐ نے یہ نہیں کہا، بلکہ رسُولؐ نے برجستہ کہا کہ اس خدا کی قسم! جس نے مجھے رسُول اور نبیؐ بنا کے بھیجا ہے جب تک اس حدیثِ کساء کا تذکرہ زمین کے کسی حصّے میں ہوگا جہاں ہمارے شیعہ اور چاہنے والے جمع ہوں گے وہاں آسمان سے ملائکہ اتریں گے اور جب تک وہ منتشر ہو کے چلے نہیں جائیں گے تب تک وہ ملائکہ ان کے لیے گناہوں کے معاف ہونے کی دُعا کرتے رہیں گے۔

ــــ صلوات ــــ

بس جیسے ہی پیغمبرؐ کی زبانِ مُبارک سے یہ جملہ نکلا ویسے ہی مولا علیؑ کی زبان سے برجستہ نکلا:

"اِذًا وَّاللّٰهِ فُزْنَا وَسُعِدْنَا وَكَذٰلِكَ شِيْعَتُنَا فَازُوْا وَسُعِدُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ"

فرمایا مولا علیؑ نے: "خدا کی قسم! اب ہم کامیاب ہم خوش نصیب، ہمارے دوست خوش نصیب، ہمارے دوست کامیاب دُنیا میں بھی آخرت میں بھی۔"

اے میرے مولا! کیا نہیں ملا تھا آپ کو جو آپ کہہ رہے تھے ملنا چاہیے؟ اور اب کیا مل گیا ہے جو آپ خوش ہو رہے ہیں؟ کہا سنو: جب تک خدا یہ کہہ رہا تھا دُنیا ان کی وجہ سے پیدا کی تو فضائل ہمیں مل رہے تھے، جب آیۂ تطہیر میں بیان کر رہا تھا سارے کمالات تمہارے دامن میں جمع ہیں تو ہمارے لیے بیان کر رہا تھا جب کہہ رہا تھا سارے نقائص تم سے دُور ہیں تو ہمارے لیے کہہ رہا تھا لیکن تم جانتے ہو

اگر اولاد بھوکی بیٹھی رہے اور ماں باپ کے سامنے کھانا رکھا جائے تو وہ کھانا کھانے پر تیار نہیں ہوتے، تو ویسے ہی سارے فضائل ہم کو مل گئے مگر ہمارے دوستوں کو ابھی کچھ نہیں ملا تھا، لہٰذا ہم پوچھ رہے تھے کیا ملا؟ اور جیسے ہی معلوم ہوا کہ جہاں حدیثِ کساء کا تذکرہ ہوگا تو ملائکہ آسمان سے اُتر کے دُعائے مغفرت کرتے رہیں گے۔ علیؑ خوش ہو گئے، جیسے اپنی اولاد کے لیے کوئی خوش ہو سکتا ہے اس سے لاکھوں گنا زیادہ خوش ہو گئے ــــ کہا:

"اب ہم کامیاب ہیں، اب ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمارے ساتھ ہمارے شیعہ بھی کامیاب ہیں" ــــ رحمت بھی جوش میں آئی ہوئی تھی۔ نبیؐ نے پھر کہا:

"جس نے مجھ کو نبیؐ بنایا، جس نے مجھے رسُولؐ بنایا اس خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں جب کبھی اس حدیث کا تذکرہ ہوگا تو اگر کوئی غمگین ہوگا اس کا غم دُور ہوگا، کسی کی کوئی حاجت ہوگی اس کی حاجت پوری ہوگی۔ کسی کو کوئی مشکل درپیش ہوگی، وہ مشکل دُور ہو جائے گی" ــــ

مولاؑ نے پھر کہا: ہم کامیاب، دنیا میں کامیاب، آخرت میں کامیاب اور ہمارے دوست بھی دنیا و آخرت میں کامیاب ــــ معلوم ہوا سارے کمالات پا کے علیؑ خوش نہیں ہوئے جب تک دوستوں کو حصّہ نہیں مل گیا۔ یہ ہے وہ محبّت جو مولا کو ہم سے ہے۔

صلوات

اب اسی محبت کا ایک نقشہ جو مجھے پیش کرنا مقصود تھا، اسے سن لیجئے۔ بہت سے ملنے والے دُنیا میں آتے ہیں جن کا ملنا ہم کو آپ کو پسند ہوتا ہے اور بہت سے ملنے والے آتے ہیں جن کا ملنا ہم کو آپ کو پسند نہیں ہوتا ہے۔ جو ایسے آتے ہیں جن کا ملنا پسند نہیں ہوتا ہے تو ہم بڑی دیر میں ان سے ملنے کے لیے نکلتے ہیں۔ ایک آدمی آیا۔ بچہ نے

کہا: بابا! فلاں صاحب آئے ہیں ــــ کہا: دیکھو اگر واپس چلے جائیں تو اچھا ہے۔ دوسرے آئے، کہا: فلاں صاحب آئے ہیں۔ کہا: اچھا بٹھاؤ۔ تیسرے آئے۔ کہا: فلاں صاحب آئے ہیں۔ کہا: بٹھاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں ــــ تو ابھی تک وہ آرہے ہیں جن کا آنا برداشت کر رہے ہیں ہم ــــ ایک دوست آیا، بچے نے کہا: بابا فلاں دوست آیا ہے۔ ہم جلدی جلدی چلے اور یہ کہتے ہوئے چلے، چائے لے کے آؤ، ناشتہ لے کے آؤ۔ معلوم ہوا یہ آنے والا ہے جس کے آنے سے ہم خوش ہوئے۔

ایک تیسؔ سال کا چھوٹا ہوا آدمی، تیسؔ سال ساتھ رہنے والا اور تیسؔ سال کے بعد ملا اور بچے نے آکے کہا:

" دروازے پر ایک صاحب آئے ہیں جو اپنا نام یہ بتا رہے ہیں۔" بس مجھے یاد آیا۔ ارے میرا تیسؔ سال کا ساتھی، تیس سال کے چھٹنے کے بعد آیا ہے ــــ میں دوڑا۔ کیسے دوڑا؟ ننگے پیر تھا، ویسے ہی دوڑا۔ جیسے کپڑے پہنے تھا، ویسے ہی دوڑا اور جا کے اس سے میں لپٹ گیا ــــ

" میرے دوست! تم کو میں نے دیکھ لیا، میرا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا۔"

معلوم ہوا جس کے لیے آدمی بیتابانہ تیاری کیے بغیر ننگے پیر اور ننگے سر دوڑ پڑے اس سے زیادہ کسی کا چاہنے والا نہیں ہے۔ بس اگر آپ اس تصور کو ذہن میں رکھتے ہیں تو مجھے سنانے دیجئے۔ خادم نے آکے مولاؑ سے کہا:

" مولاؑ! آپ کے دروازے پر کچھ آپ کے شیعہ آئے ہیں۔"

علیؑ جیسا عظیم المرتبت انسان! ــــ کیا سناؤں آپ کو اتنی جلدی۔ مگر اتنا سنا سکتا ہوں کہ عرش اس پر ناز کرتا ہے کہ اس پر محمدؐ کے قدم آئے۔ اور حضورؐ کو اس پر خوشی ہے کہ میں نے علیؑ کو اپنے کاندھوں پر اٹھایا۔ ایسا عظیم المرتبت انسان

جیسے ہی خادم نے کہا: مولا آپ کے کچھ شیعہ آئے ہیں ـــ علیؑ نے عمامہ سر پر نہیں رکھا، پیر میں جوتیاں نہیں ڈالیں، دوڑتے ہوئے دروازہ کھولتے ہوئے گئے۔ میرے شیعہ آئے ہیں! ـ میرے شیعہ آئے ہیں! ـ میرے شیعہ آئے ہیں!! ـــ علیؑ کے طرزِ عمل نے بتایا علیؑ کو جتنی محبّت اپنے شیعوں سے ہے دنیا میں کسی کو کسی سے اتنی محبّت نہیں ہو سکتی ـــ دروازہ کھولا، جو آئے تھے ان کو دیکھا۔ اور جب ان کو دیکھا تو علیؑ کے دل پر اتنی چوٹ لگی، اتنا صدمہ ہوا کہ آپ نے دروازے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور کہا:

"میرے خادم نے تو یہ کہا تھا کہ میرے شیعہ آئے ہیں، مگر میں تم میں شیعوں کی صفتیں نہیں دیکھ رہا ہوں"

تو معلوم یہ ہوا کہ مولاؑ بے حد چاہتے ہیں اپنے شیعوں کو۔ لیکن جب شیعوں میں شیعوں کی صفتیں نہیں پاتے ہیں تو مولا علیؑ کو اتنا صدمہ ہوتا ہے، اتنا صدمہ ہوتا ہے کہ درِ خیبر کو پتّے کی طرح اٹھانے والا دروازے کا سہارا لے کر اپنے غم کو سنبھالتا ہے۔ تو بس میں گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ مولا کا واسطہ، ان کی محبّت کا واسطہ! میری بیٹیو! میری بہنو! میرے بچّو! میرے نوجوانو! دین کی پابندی کرو، دین کی تعلیم حاصل کرو دین کے بارے میں احساسِ کمتری کو مٹاؤ، خود اعتمادی پیدا کرو تاکہ مولاؑ کے دل کو صدمہ نہ ہو کہ یہ ہمارے شیعہ ہیں ـــ ان میں ہمارے شیعوں کی صفتیں نہیں پائی جاتیں

لوگوں نے پوچھا: حضور! شیعوں کی صفتیں کیا ہیں؟

فرمایا: ہمارا شیعہ وہ ہے جس کا چہرہ بتا دے کہ یہ زمانے میں سب سے اچھا نماز گزار ہے ـــ تو علیؑ کے اس فقرے نے بتایا کہ جو بے نمازی ہے اس میں علیؑ کے شیعوں کی صفتیں نہیں پائی جاتیں۔

پوچھا: مولاؑ آپ کے شیعہ کیسے ہوتے ہیں؟

فرمایا: ایسے ہوتے ہیں جو رات و دن خوفِ خدا میں بسر کرتے ہیں، خوفِ خدا میں ان کا دل گلتا رہتا ہے، پگھلتا رہتا ہے۔ ان کو دُنیا کی راحتیں، دنیا کی نعمتیں خوش نہیں کرتیں۔ وہ دوزخ سے، خوفِ خدا سے لرزتے رہتے ہیں، خوفِ خدا سے ان کے چہرے زرد ہو جاتے ہیں۔ وہ اتنے روزے رکھتے ہیں کہ ان کا پیٹ چپک جاتا ہے وہ اتنی عبادتیں کرتے ہیں کہ سجدے کا نشان ان کے ماتھے پر نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہ ہمارے شیعہ ہیں۔

تو میں آپ کے سامنے اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ اگر مولاؑ کی نظر آج ہم پر پڑ رہی ہو گی تو ہم کو اس مجمع میں دیکھ کے مولا فریاد کر رہے ہوں گے ـــ تم میرے شیعہ ہو؟ ـــ تم میرے شیعہ ہو اور تمھارے چہرے پابندِ دین نہیں ہیں ـــ تم شیعہ ہو اور تمھارے خاندان میں نماز کی پابندی نہیں ہے ـــ تم شیعہ ہو اور حرام چھوڑتے نہیں ہو ـــ تم شیعہ ہو اور واجبات ادا کرتے نہیں ہو ـــ تم شیعہ ہو اور تم سائنسدانوں اور فلاسفروں کے اقوال پر بھروسہ کرتے ہو اور میرے کہنے پر بھروسہ نہیں کرتے ـــ اب آیئے۔ آخری مرتبہ میں علیؑ کی محبّت کا واسطہ دے کر یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اپنے کو بدلنے کی نیت کریں۔ میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ آج کی رات ہم کو اس کا ماتم کرنا ہے جو وفادار ـــ جو وفا کا بادشاہ تھا ـــ جو تختِ وفا پر بیٹھنے والا تھا ـــ جو تاجِ وفا کا پہننے والا تھا!

تو آج اگر ساری دُنیا کے عزادار عبّاسؑ وفادار علمدار کا ماتم کرنا چاہتے ہیں تو ماتم کریں۔ آپ بھی کریں گے، میں بھی کروں گا۔ آپ بھی روئیں گے، میں بھی روؤں گا۔ لیکن ایک منٹ! ـــ پہلے سوچ لیں عبّاسؑ نام ہے اس کا کہ جان چلی جائے تو چلی

جائے مگر وفا نہیں جائے گی ــــ بس ایک اور لفظ سوچنے کے قابل ہے۔ جب ہم وفادار کا ماتم کر رہے ہیں تو ہمیں سوچنا ہوگا کہ ہم عباسؑ کے دین کے وفادار ہیں یا نہیں؟ جس مقصد کے لیے عباسؑ نے کربلا میں قربانیاں دی تھیں اس مقصد کے ہم وفادار ہیں یا نہیں ــــ ؟ اور میں روز آپ کے سامنے قرآن مجید کا فقرہ پڑھتا ہوں:

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا

"اے ایمان لانے والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔"

میری بہنو! اپنے بچوں کو دین کی تعلیم دے کر ان کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ میرے بھائیو! اپنے جگر کے ٹکڑوں کو پابند دین بنا کر انھیں دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اگر عبّاسؑ کا ماتم کرنا ہے تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عبّاسؑ اس کا نام ہے جس کو اس کی ماں نے یہ کہہ کے پالا تھا کہ عبّاس! میں تمھیں اس لیے پال رہی ہوں کہ تمھارے پیدا ہونے کی تمنّا تمھارے باپ نے کی تھی۔ میں آپ کی خدمت میں یہ کہنے کی ہمت رکھتا ہوں کہ دنیا نے کربلا میں جس عبّاسؑ کو دیکھا ہے، جس عبّاسؑ کی شجاعت کو دیکھا ہے جس عبّاسؑ کی جنگ کو دیکھا ہے یہ عبّاس تو فقط اتنا عبّاس تھا جو ماں کے دودھ سے بنا تھا۔ ارے زمانے میں اتنا موقع ہی نہ ملا کہ وہ عبّاسؑ سامنے آتا جو علیؑ کے خون سے بنا تھا۔!!

میں آپ کی خدمت میں جناب امُّ البنین فاطمہ کلابیہ کا ایک فقرہ نقل کرنا چاہتا ہوں ــــ جب حسینؑ چلنے لگے تو ایک بیٹی رقیہ جو جناب مسلم کی بیوی تھیں اور چار بیٹے، پانچواں کوئی بیٹا ام البنین کا نہیں تھا۔ چار کے چاروں بیٹے حسینؑ کے ساتھ کر دیئے اور جب قافلہ چلنے لگا تو ماں قریب آئیں، عباسؑ کے قریب آئیں اور کہا:

"عباسؑ! تم تو اپنے باپ کی طرف سے حسینؑ کی مدد کرو گے۔ اور یہ میں نے

جو تین بھائی تمہارے ساتھ کیے ہیں، یہ میرا ہدیہ ہیں۔ اے عبّاسؑ! اپنی شہادت سے پہلے میرے ہدیہ کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کر دینا۔"

اور اسی لیے میں آپ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ جب وقت آیا ہے تو عباسؑ نے پہلے اپنے بھائیوں کو میدان میں بھیجا اور جب عباسؑ کے بھائی شہید ہو گئے تب عباسؑ میدان میں گئے ـــــ اے میرے شہزادے! اے میرے علمدار! اے میرے شیر! آپ کیوں نہیں پہلے شہید ہو جاتے؟ ـــــ کہا: نہیں! دستور بھی ہے۔ حُرؑ نے یہ کیا کہ بعد میں جنّت میں گیا پہلے بیٹے کو بھیجا، تو میرا ابھی فریضہ ہے کہ میں پہلے بھائیوں کو جنّت میں بھیج دوں اس کے بعد جنّت میں جاؤں۔

اب مجھے چند فقرے مصائب کے پڑھنا ہیں کہ جب بھائیوں کی شہادت سے فارغ ہو گیا شیر، تو ایک مرتبہ گردن جھکا کے جناب عبّاسؑ حسینؑ کے سامنے آئے اور کہا "مولا! اب مجھے بھی اجازت دیجئے۔"

ایک مرتبہ حسینؑ نے عباسؑ کے چہرے کو دیکھا، غور سے دیکھا، اور بڑے درد کے لہجے میں کہا: "عباسؑ! تم بھی چھوڑ کے چلے جاؤ گے؟ تم تو میرے لشکر کے سردار ہو، تم تو میرے لشکر کے علمدار ہو۔!"

عبّاسؑ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے۔ کہا: "مولا! وہ لشکر کہاں رہا، جس کا میں علمدار ہوں۔!!" بس چند فقرے توجّہ کے ساتھ سُن لیں، تاکہ اس کا ماتم ہو جائے ـــــ

ـــــ جو قمرِ بنی ہاشم تھا۔

ـــــ جو سقائے سکینہؑ تھا۔

ـــــ جو سکینہؑ کا چچا تھا۔

ـــــ جو حسینؑ کے بازو کی طاقت تھا۔

—— جو اُمِ کلثوم کا ہدیہ تھا۔
—— جو زینبؑ کی ڈھارس تھا۔
—— جو اہلِ حرم کے خیموں کی ہیبت تھا۔

سنیں آپ! بڑا دلسوز تذکرہ ہے کہ جب عبّاسؑ امامؑ سے اجازت مانگ رہے تھے تو اسی وقت خیموں سے چھوٹے چھوٹے بچّے نکلے۔ چھوٹے چھوٹے بچّے اور سب پیاسے ایسے پیاسے کہ آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے، ہونٹ سُوکھے ہوئے، زبان خشک، حلق میں کانٹے پڑے ہوئے۔ جگر جلا جاتا ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ بچّے اتنے پیاسے تھے کہ اگر کھڑے ہونا چاہتے تھے تو ان کا جسم کانپتا تھا۔ یہ کھڑے نہیں ہو پاتے تھے اور اگر ہمت کر کے کھڑے ہو جاتے تھے تو بجائے اس کے کہ قدم بڑھا کے چلیں، زمین پر گر جاتے تھے —— ذرا سوچئے جب کوئی بچّہ گرتا ہوگا تو ماں کے کلیجے پر کیسی چوٹ لگتی ہوگی۔

۲۸ چھوٹے چھوٹے بچّے تھے۔ صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا ہے: جب عباسؑ حسینؑ سے اجازت مانگ رہے تھے، یہ سارے چھوٹے چھوٹے بچّے خیمے سے نکل آئے اور روتے ہوئے نکلے اور یہ کہتے ہوئے نکلے:

"ہائے پیاس! — ہائے پیاس! جگر جلا جاتا ہے۔ ہونٹ خشک ہو گئے ہیں"۔

بس یہ آوازیں عباسؑ کے بھی کان میں آئیں، امامؑ کے بھی کان میں آئیں۔ امام حسینؑ نے کہا: عبّاس! میدان جہاد میں بعد میں جانا، پہلے لشکر کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ان چھوٹے چھوٹے بچوں کے لیے میں پانی مانگتا ہوں، ان بچّوں کے لیے پانی دے دو ہمیں پانی نہ دو، ان چھوٹے چھوٹے بچّوں کو پانی دے دو۔

عبّاسؑ نے کہا: مولا! آپ کا حکم ہے، میں تعمیل کروں گا۔ عباسؑ شام کے لشکر کے سامنے آئے اور کہا: دیکھ رہے ہو خیمے کے سامنے چھوٹے چھوٹے بچے بیٹھے

رو رہے ہیں انھیں پانی دے دو۔ مجھے امامؑ نے بھیجا ہے۔ میرے مولا نے بھیجا ہے۔"

شام کے فوجیوں نے جواب دیا: "یہ بچے اگر پیاسے بھی مر جائیں، تو حسینؑ جبتک بیعت نہیں کریں گے ہم پانی نہیں دیں گے۔"

عبّاسؑ پلٹے، آنسو بھی بہہ رہے تھے اور خون بھی کھول رہا تھا۔ بچے عبّاسؑ کو آتا دیکھ رہے تھے۔ پتہ نہیں پانی ملا بھی یا نہیں ملا۔ ایک مرتبہ عبّاسؑ نے امام کی خدمت میں آکر جواب عرض کیا کہ شام کے لشکر نے انکار کر دیا ہے۔ تو یہ سارے بچے چیخ مار کے مل کے روئے اور سب کی زبان پر یہی تھا: "اب ہم کو پیاسا مر جانا پڑے گا۔ زندگی میں پانی نہیں ملے گا۔" یہ جو بچے تڑپ کے روئے تو شیر کا کلیجہ سینے میں ہل گیا۔ آئے۔ قریب آئے، بچوں کو دیکھا، خیمے کے اندر گئے۔ نیزہ لیا اور نیزہ لینے کے بعد گھوڑے پر بیٹھے، سکینہؑ سے مشک مانگی اور مشک لینے کے بعد حسینؑ سے اجازت لی۔ اجازت لے کے جب عباس چلنے لگے تو گھوڑے کو موڑ کے ان چھوٹے چھوٹے بچوں کے پاس آئے۔ بچوں کو دیکھا۔ سکینہؑ کو دیکھا۔ محمد باقرؑ کو دیکھا ہوگا۔ اصحاب کے بیٹیوں کو دیکھا ہوگا۔ اعزا کے بچوں کو دیکھا ہوگا۔ پیارے پیارے چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھا اور ایک مرتبہ شیر قریب آیا اور کہا:

"بچو! اب عباس پانی مانگنے نہیں جا رہا ہے، اب عباس پانی لینے جا رہا ہے تو اب میں تم سے وعدہ تو نہیں کرتا کہ میں پانی لے کے آؤں گا۔ لیکن تم مجھ سے ایک وعدہ کر لو کہ جب تک میں پانی لے کے نہ آجاؤں یا میرے مرنے کی خبر نہ آجائے اتنی دیر تم نہ رونا۔ بس جیسے ہی عباسؑ نے یہ کہا۔ بچوں نے آنسو پونچھنا شروع کر دیے۔ اور شاید میرا تصور یہ کہتا ہے کہ سکینہؑ بیچ میں کھڑی ہو گئی ہوں گی۔ اب نہ روؤ... اب نہ رو۔ میرا شیر چچا جا رہا ہے پانی لینے کے لیے۔

بچے دیکھتے رہے عبّاسؑ جاتے رہے ___ جب شام کی فوجوں پر حملہ کیا، عباسؑ چھپ گئے، مگر بچے دیکھتے رہے ۔ کیا دیکھتے رہے؟ فضا میں علم لہرا رہا تھا علم نہیں لہرا رہا تھا، یہ علم نہیں لہرا رہا تھا۔ یہ بچوں کی اُمید تھی ___ یہ بچوں کا سہارا تھا۔ وہ علم کو دیکھ رہے تھے۔

ایک مرتبہ علم رک گیا۔ ان کے دل ٹھہر گئے۔ چچا نے قبضہ کرلیا نہر کے اوپر ___ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا علم میں پھر حرکت پیدا ہوئی۔ علم واپس آنا شروع ہوا۔ بس جیسے جیسے علم قریب آتا جا رہا ہے پیاسے بچے اپنی طاقت سمیٹ کے علم کو دیکھ رہے ہیں ___

"ارے وہ پانی آرہا ہے ___ وہ چچا آرہا ہے ___ وہ علم دار آرہا ہے" ___

ایک مرتبہ بچوں نے دیکھا، علم ادھر جھکا ___ ارے! بچوں نے کہا: پالنے والے خیر ہو پھر دیکھا۔ علم سنبھل گیا۔ بچے بھی سنبھل گئے۔ مگر ___ دوسری مرتبہ پھر علم جھکا ___ بچوں نے کہا: پالنے والے! ہمارے شیر کی حفاظت فرما۔

بچے ابھی سنبھلنے نہیں پائے تھے کہ ایک مرتبہ بچوں نے سُنا، عباسؑ پکار رہے ہیں۔ کیا پکار رہے ہیں؟

"مولا آیئے!۔ اپنے غلام کی خبر لیجیے" ___

بچوں نے کہا: اب روؤ۔ شیر مارا گیا۔ تو سکینہؑ نے کہا ہوگا: ابھی نہ روؤ۔ ابھی میرے بھیا اکبرؑ میرے بابا کو لے کے گئے ہیں ___ بچے آنسو روکے بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر میں انھوں نے پھر دیکھا کہ علم اونچا ہوا۔ شاید ان کے ننھے ننھے دل سمجھے ہوں، عباسؑ آرہے ہیں۔

جیسے جیسے علم قریب آتا جا رہا ہے بچے دیکھتے جا رہے ہیں۔ جب علم

قریب آیا تو دیکھا عباسؑ کے خون میں ڈوبا ہوا علم ہے، چھدی ہوئی مشکِ سکینہؑ ہے۔ حسینؑ کا بازو پکڑے ہوئے اکبرؑ ہیں۔ اکبرؑ لائے باپ کو اور باپ علم لے کے کھڑے ہو گئے۔ چھوٹے چھوٹے بچے علم کے چاروں طرف آئے اور سب نے ماتم کرنا شروع کیا: "ہائے سقا مارا گیا — ہائے سقا مار ڈالا گیا — ہائے شیر مار ڈالا گیا —"

آج جب کبھی علم و تابوت کے گرد میرے بچے ماتم کرتے ہیں، میرے نوجوان ماتم کرتے ہیں تو میرے سامنے تصور گھوم جاتا ہے: حسینؑ کھڑے ہوئے ہیں عباسؑ کا علم لیے ہوئے۔ سکینہؑ رو رہی ہیں، محمد باقرؑ رو رہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے رو رہے ہیں۔

سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

مجلس

۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا

صلوات

سورۂ تحریم جو کہ اٹھائیسویں^۲۸^ پارے میں پایا جاتا ہے اس کی ایک آیت ہے جس کا فقرہ ہم آپ کے سامنے دہرانا چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: "اے ایمان لانے والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔"

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

اس آگ سے بچاؤ جس میں انسان اور پتھر ڈالے جائیں گے۔ پتھر ڈالے جائیں گے جلانے کے لیے اور انسان ڈالے جائیں گے جلنے کے لیے۔

عَلَیْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ

اس دوزخ کی آگ سے اپنے اور اپنے گھر والوں کو بچاؤ جس پر اللہ نے ان ملائکہ کو معین کیا ہے، ان کی ڈیوٹی لگائی ہے جو مزاج کے انتہائی سخت ہیں اور شدید۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ

"یہ ملائکہ ہرگز حکم خدا کی نافرمانی نہیں کریں گے بلکہ خدا جس کو جیسا عذاب دینے کا حکم دے گا اس کی تعمیل کریں گے"۔ میں آپ کی خدمت میں آج اپنے سلسلۂ تقریر کو مکمل کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر قرآن مجید کی اس آواز کے سُن لینے کے بعد ہم متوجہ نہ ہوں تو پھر ہم سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں۔ اور خطاب بھی کس سے ؟ اللہ سارے انسانوں سے نہیں کہہ رہا ہے، اور سارے مسلمانوں سے نہیں کہہ رہا ہے، صرف ان مسلمانوں سے کہہ رہا ہے جو مومن ہیں۔

مومن کون ہوتا ہے ؟ حضور سرورِ کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ بتاتے ہیں کہ مومن کون ہے۔ آپؐ نے مولائے کائنات امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے خطاب کرکے فرمایا:

یَا عَلِیُّ حُبُّكَ اِیْمَانٌ وَبُغْضُكَ كُفْرٌ وَنِفَاقٌ

"اے علیؑ! تمھاری محبّت ایمان ہے اور تمھاری عداوت و دشمنی کفر اور نفاق ہے"

دوسری حدیث میں حضور سرورِ کائناتؐ نے ارشاد فرمایا، اور میں وہ حدیثیں آپ کے سامنے پڑھ رہا ہوں جنھیں سارے مسلمان فرقے کے علماء نے لکھا ہے ——

دوسری حدیث میں پیغمبرؐ نے فرمایا:

یَا عَلِیُّ لَا یُحِبُّكَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَّلَا یُبْغِضُكَ اِلَّا كَافِرٌ اَوْ مُنَافِقٌ

"اے علیؑ! تم سے بس وہی محبّت کرے گا جو مومن ہوگا، اور جو تم سے سخت دشمنی رکھے گا وہ یا کافر ہوگا یا منافق" —— تو ان دونوں حدیثوں کا مطلب کیا ہوا ؟ کہ مومن وہ ہے جو علیؑ سے محبّت رکھتا ہے۔ جو علیؑ سے محبّت رکھتا ہے وہ مومن ہے۔ اور علیؑ سے محبّت رکھنے والوں سے خدا کہہ رہا ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا"

تو میں چاہتا ہوں کہ اس مجمع کے سامنے جو روز ترجمہ کرتا آیا ہوں، اسے بطور تشریح بدل دوں، اب تک میں روز یہ کہتا آیا: ایمان والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ لیکن جب پیغمبرؐ کی حدیثوں نے بتا دیا کہ مومن وہی ہوگا جو علیؑ سے محبّت کرے گا۔ تو پھر میں ترجمہ کرنا چاہوں گا کہ خدا آواز دے رہا ہے:

"علیؑ والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ"

یہ تشریح ہے اس بات کی جو میں نے پہلے دن کہی تھی کہ یہ بات خدا ہم سے اور آپ سے براہِ راست کہہ رہا ہے کسی دوسرے سے نہیں کہہ رہا ہے۔ ہم یقیناً پوری کائنات کے سامنے اس بات پر مکمل طور پر ناز کر سکتے ہیں کہ ہم خدا کو ماننے والے ہیں، ہم نبیؐ کا کلمہ پڑھنے والے ہیں، ہم علیؑ کے چاہنے والے ہیں اور ان کی نسل میں جو معصوم امام گزرے ہیں ان اہلِ بیتؑ کا دامن ہاتھ میں لیں گے۔ بیشک محبّتِ علیؑ و محبّتِ نبیؐ و آلِ نبیؐ ہماری پہچان ہے۔ لیکن مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ چاہنے والوں کا مجمع ہے، جنھوں نے محبّت کی ہے وہ جانتے ہیں، جنھوں نے محبت نہیں کی ہے وہ محبّت کا مزہ ہی نہیں جانتے ہیں۔

عزیزانِ گرامی!

وہ محبّت بے قیمت ہوتی ہے کہ محبّت کرنے والا محبّت کرے اور جس سے محبّت کررہے ہیں وہ اس محبّت سے راضی نہ ہو! ___ محبّت وہ قیمتی ہوتی ہے جو دوست اور محبوب کی نگاہ میں قابلِ قبول ہو۔ کیا میری اور آپ کی زندگی میں ہمارے آپ کے ایسے دوست نہیں ہیں جو ہم سے محبت کرتے ہیں مگر ہم ان کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ اور یقیناً ہماری اور آپ کی زندگی میں کچھ ایسے بھی دوست ہیں جو ہم سے

محبّت کرتے ہیں اور ہم بھی ان سے محبّت کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ دوستوں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ دوست ہے کہ جو دوستی کرتا ہے، محبّت تو کرتا ہے مگر ناپسند ہوتا ہے اور ایک دوست وہ ہوتا ہے کہ جو پسند ہوتا ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ میں بنام محبّت مولائے کائنات امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنے اس محترم مجمع سے گذارش کروں کہ ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اپنا حساب کرکے دیکھیں کہ علیؑ کے کون سے دوست وہ ہیں کہ جو علیؑ کو پسند ہیں، اور کون دوست وہ ہیں جو علیؑ کو ناپسند ہیں۔

یہ زبردستی ہوگی اگر کسی نے سوچا کہ ہم کیسے ہی ہوں، محبّت کریں اور علیؑ ہم کو پسند کرلیں گے۔ نہیں! جب میرے اور آپ کے جیسے معمولی حقیر انسان، گنہگار انسان وہ دوستی کا معیار رکھتے ہیں، تو وہ جو امامِ کائنات ہے، وہ جو جانشینِ سرورِ کائناتؐ ہے وہ جس کے قدم دوشِ پیامبرؐ پر آئے، وہ جس کا نام فلک پر لکھا گیا ہے، عرش پر لکھا گیا ہے اس علیؑ کی دوستی کا کوئی معیار ہوگا یا نہیں۔؟

میں یہاں آیا مجلس پڑھنے لیکن یہیں رہ گیا اور رہنے کے بعد میں نے دوست پیدا کیے۔ لوگوں نے کہا: غلام عسکری جو لکھنؤ سے آئے تھے ان کے دوستوں کی ایک جماعت پیدا ہوگئی ہے۔ کتنے ہیں دوست؟ میں نے کہا: دس ہیں دوست۔ لوگوں نے کہا: نام بتائیے کہ کون کون آپ کے دوست ہیں۔ تو میں نے کہا: فلاں صاحب کہا: یہ آپ کے دوست ہیں؟ مولوی صاحب! یہ آپ کے دوست ہیں۔!؟

میں نے کہا: ہاں دوست ہیں بڑے پکّے۔ کہنے لگے: بڑے پکّے دوست تو ہیں مگر بڑے پکّے جھوٹے بھی ہیں۔ اچھا دوسرا نام بتائیے۔ میں نے کہا: فلاں دوست۔ کہنے لگے، یہ نمبر ایک جواری ہیں۔ اور کس کس کو دوست بنایا مولوی صاحب؟

ہم نے ایک تیسرے کا نام لیا۔ کہنے لگے: مولوی صاحب آپ جانتے نہیں ہیں وہ

خالی پانی نہیں پیتے۔ اور بتایئے کس کو دوست بنایا؟ میں نے ایک اور نام لیا۔ کہنے لگے: یہ آپ کو کہاں مل گئے؟ یہ تو ریس کورس کے علاوہ کہیں ملتے ہی نہیں ہیں۔

تو میں نے دوستوں کو گنانا شروع کیا، ایک جھوٹا نکلا، ایک جواری نکلا، ایک شرابی نکلا، ایک عیار اور مکار نکلا۔ تو سارے سوچنے والے سوچیں گے کہ یہ خود کو مولوی کہتے ہیں اور ان کے دوست ایسے ہیں۔ دنیا کا ہر انسان سوچے گا یہ مولوی کیسا ہے کہ اس کے دوست ایسے ہیں۔ اور ان دوستوں سے جا کے کہے گا کہ اگر مولوی صاحب سے دوستی کی ہے تو کم سے کم ایسے بنو کہ تم مولوی صاحب کے دوست کہلا سکو۔

میری تو کوئی قیمت نہیں ہے ایک ذرہ ہوں میں، ایک حقیر ذرہ۔ کوئی نسبت ہی نہیں ہے مجھ کو مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے۔ قطرہ کو سمندر سے کوئی نسبت ہو سکتی ہے۔ ذرہ کو ایک صحرا سے کوئی نسبت ہو سکتی ہے۔؟ مگر میری اپنی کمیوں کی بنا پر وہ بھی نسبت نہیں ہے مولائے کائنات کے کمال کے مقابلے میں۔ تو جب میرے جیسے حقیر انسان کے دوست کا کوئی معیار ہے تو شیعیان حیدرِ کرار سے میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ کوئی معیار ہو گا یا نہیں ہو گا۔؟

تو، اگر ہم بے نمازی ہیں، ہماری عورتیں بے پردہ رہیں، وہ بازاروں میں بے حیائی کے ساتھ پھرتی رہیں۔ ہم ہر حلال و حرام کھاتے اور پیتے رہیں تو دنیا سوچے گی کہ پھر علیؑ میں کیا خاص بات ہے کہ جو ان میں نہیں۔ دیکھئے! ہمارے اردگرد سبھی قومیں آباد ہیں۔ ایک وہ جو خدا کو مانتا ہے مگر محمد مصطفیٰ ص کو نہیں مانتا۔ ایک وہ کہ جو نبیؐ کا کلمہ پڑھتا ہے مگر علیؑ کو خلیفہ اوّل نہیں مانتا۔ ایک وہ کہ جو علیؑ کو خلیفہ بلا فصل مانتا ہے مگر چھٹے امامؑ کے بعد ساتویں امام موسیٰ بن جعفرؑ کو نہیں مانتا۔ تو معلوم یہ ہوا کہ سبھی پائے جا رہے ہیں۔ خدا کے نہ ماننے والے، نبی کے نہ ماننے

والے، علیؑ کے نہ ماننے والے، حسنؑ کے نہ ماننے والے، موسیٰ بن جعفرؑ کے نہ ماننے والے ــــ اور ہم بھی پائے جارہے ہیں: خدا کے ماننے والے، نبیؐ کے ماننے والے، بارہ اماموں کے ماننے والے ــــ لیکن اگر کردار میں ہم سب برابر نکلے، ایک ہی محفل میں ناچتے نظر آرہے ہیں۔ ایک ہی محفل میں سب کھاتے نظر آئے۔ ایک ہی محفل میں ایک ہی کردار والے نظر آئے تو دُنیا سوچے گی کہ خدا کے ماننے نہ ماننے میں کیا فائدہ ہے۔ نبیؐ کے کلمہ پڑھنے نہ پڑھنے میں کیا فائدہ ہے؟ علیؑ سے محبّت کرنے نہ کرنے میں کیا فائدہ ہے؟

تو، محبّانِ آلِ محمّدؐ! ہمیں ایسی زندگی گزارنا چاہیئے کہ دُنیا انگلی اُٹھا کے کہہ سکے کہ یہ خدا کا نہ ماننے والا ہے اور یہ ماننے والا ہے۔ یہ محمّدؐ کا کلمہ نہ پڑھنے والا ہے اور یہ پڑھنے والا ہے۔ یہ علیؑ کا نہ ماننے والا ہے اور یہ ماننے والا ہے۔ ہماری ڈیوٹی ہے کہ ہم اپنے کردار کو اتنا اسلامی بنائیں کہ بتا سکیں ہم علیؑ والے ہیں، ہم محمّدؐ والے ہیں۔

صلوات

عزیزانِ گرامی! مومن وہ ہے جو علیؑ سے محبّت کرے، اور خدا کہتا ہے کہ ایمان لانے والو! تمہارے لیے آگ کا خطرہ برقرار ہے۔ اپنے کو بچاؤ، اپنے گھر والوں کو بچاؤ۔ دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ یہاں کسی کو سردی تو نہیں لگ رہی ہے؟ بلکہ ہو سکتا ہے تھوڑی دیر میں گرمی لگے۔

سُنیئے! آپ ایک بند بلڈنگ میں بیٹھے ہوئے ہیں جس کی زمین ٹھنڈی نہیں ہے، جس کو ہیٹر سے پُورے طور پر گرم کر دیا گیا ہے۔ لیکن میں آپ کا وقت ضائع کیے بغیر پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب مجلس ختم ہو جائے گی، جب ماتم ختم ہو جائے گا اور

ہم اس بلڈنگ سے باہر نکلیں گے تو کیا ویسے ہی نکل سکتے ہیں جیسے اس کے اندر ہیں؟ ہمیں ضرورت ہوگی کہ باہر کی جو ہوا ہے، باہر کی جو ٹھنڈک ہے اس سے بچنے کے لئے اپنا سارا انتظام کریں۔ اگر ہمارے ساتھ ہمارے بچے ہیں تو ہم اپنے بچاؤ سے زیادہ ان کی فکر کریں گے کہ ان کے جسم پر گرم کپڑے ہیں یا نہیں ہیں، ان کے لیے گرم گاڑی ہے یا نہیں ہے، نکلنے کا وقت ہے یا نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس بلڈنگ سے باہر نکلنے کے بعد جو پورے شہر میں ہوا پائی جاتی ہے ہمارا بھی بچہ اسی ہوا میں سانس لے گا، ہماری بہن بھی اسی ہوا میں سانس لے گی۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ جب باہر نکلیں، روڈ پر آئیں تو ہمارے لیے سانس لینے والی ہوا بدل جائے۔ تو اگر ہوا ایک ہے اور اس ہوا میں بیماری ہے ٹھنڈک کی تو ہمیں بچانے کے لیے گرم کپڑے پہنانا پڑیں گے۔

عزیزانِ گرامی!

خدا آواز دے رہا ہے کہ تم جہاں سانس لے رہے ہو وہاں انکارِ خدا کے جراثیم پائے جاتے ہیں، وہاں بے دینی کے جراثیم پائے جاتے ہیں، وہاں گناہانِ کبیرہ کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ وہاں بے شرمی کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ وہاں گناہوں کا رواج ہے اور احساس نہیں ہے کہ یہ گناہ ہے۔ تو اپنے کو بچاؤ، اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

کیسے بچایئے گا؟ بچانا ممکن نہیں ہے جب تک کہ اپنے کو سر سے پیر تک ایمان کے کپڑے نہ پہنا دیں، ایمان کے بعد تقویٰ اور پرہیزگاری کے کپڑے نہ پہنا دیں۔ تعلیم دیں اور اتنا بتا دیں کہ ان کو یقین ہو جائے کہ یہ گناہ ہے۔ مر جائیں گے مگر نہیں کریں گے۔ یہ انکارِ خدا ہے مر جائیں گے مگر نہیں کریں گے۔ جب ہم اپنے بچوں کو تعلیم دے دیں، اتنی تعلیم دے دیں کہ بچالیں تب ہم باہر نکل سکتے ہیں۔ عزیزانِ گرامی!

یہ وہ پیغام ہے کہ جسے مَیں پہلی تاریخ سے پیش کر رہا ہوں۔

صلوات

میں اس کی مخالفت نہیں کرتا ہوں کہ ہمارے بچّے اپنے ماحول سے نکل کر دوسرے کے ماحول میں نہ جائیں، ضرور جائیں۔ لیکن جانے سے پہلے ان کا ایمان، ان کی دینی تعلیم کو مستحکم ہونا چاہیے کہ وہ دوسروں کو جا کر متاثر کریں، دوسروں سے متاثر نہ ہوں۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے جب بچّے کا باپ دوسروں سے متاثر نہ ہو، بچّے کی ماں دوسروں سے متاثر نہ ہو۔ اور اگر ہم دین چھوڑ کر غیروں کے گلے لگنا چاہتے ہیں تو ہماری اولاد تو پھر ہماری اولاد ہے۔'

میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارا پہلا فریضہ ہے، ہمارا آخری فریضہ ہے ہمارا سب سے بڑا فریضہ ہے کہ ہم اپنے ایک ایک بچّے کو، ایک ایک بیٹی کو، ایک ایک بھائی کو، ایک ایک بہن کو، ایک ایک جوان کو اتنی دینی تعلیم دے دیں، اتنا اس کے ذہن کو راسخ کر دیں کہ وہ کہیں رہے اسلام کا، شیعیت کا مبلغ بن کر رہے نہ کہ غیروں سے متاثر ہو کر رہے۔

میں آپ کو حضور سرورِ کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ایک بڑا مشہور واقعہ اسی رُخ کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے سُنانا چاہتا ہوں۔ پیغمبرؐ مکّے میں پیدا ہوئے، مکّہ میں بڑے ہوئے، مکّہ ہی میں آپ نے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی اور جب اسلام کی تبلیغ شروع کی تو خدا نے کہا: سب سے پہلے اپنے قریب ترین عزیزوں میں تبلیغ کرو۔

وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ٥

"اے پیغمبرؐ! سب سے پہلے اپنے قریب ترین عزیزوں کے سامنے اسلام پیش کیجیے۔"

بس اتنا یاد رکھیے گا کہ اگر مذہب کوئی سیاسی چیز ہے کوئی سماجی چیز ہے تو ہم غیروں کے سامنے پیش کریں گے اور اگر مذہب ایسی چیز ہے جس کے نہ ماننے کی شکل میں ہمیں دوزخ کی آگ میں جلنا پڑے گا اور ماننے کی شکل میں جنّت کی بہترین نعمت ملے گی تو پھر ہمارا پہلا فریضہ یہ ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنے گھر والوں کو اسلام سے آشنا کریں۔

پیغمبرؐ نے کہا مولائے کائناتؑ سے کہ علیؑ جاؤ اور جا کر خاندانِ عبدالمطلب کے لوگوں کو بُلا لاؤ — خاندانِ عبدالمطلب میں آنے والوں میں ابولہب بھی تھے بڑے نامی گرامی! ان کے لیے پورا سورہ اُترا ہے قرآن میں کہ یہ ہلاک ہو، یہ تباہ ہو اور اس کی بیوی اُس کے لیے بھی ہے کہ یہ اپنے لیے آگ کا بوجھ اُٹھائے گھوم رہی ہے۔ تو قرآن مجید میں ابولہب اور اس کی بیوی کا تذکرہ کیوں ہے؟ یہ اس لیے تذکرہ ہے کہ جو اسلام سے ہٹ جاتے ہیں ان میاں بیوی کے لیے دوزخ ہی دوزخ ہے۔

جب خاندانِ عبدالمطلب سے لوگ جمع ہو گئے تو پیغمبرؐ نے کہا کہ میں تمہارے لیے ایسی بھلائی پیش کرنا چاہتا ہوں کہ کسی آدمی نے اپنے خاندان کے سامنے ایسی بھلائی نہیں پیش کی۔ اور اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ خدا وہ نہیں ہے جسے لوگوں نے بنایا ہے بُتوں کی شکل میں۔ خدا وہ ہے کہ جس نے پوری دنیا پیدا کی ہے اور اس نے مجھے پوری دُنیا کی ہدایت کی ذمہ داری دے کر اس دُنیا میں بھیجا ہے رسُول بنا کر۔ اور اس کے بعد پیغمبرؐ نے کہا:

"تم میں سے وہ کون ہے جو اس ہدایت کے مشن میں میرا مددگار بنے؟" اور فرمایا: "جو میرا مددگار بنے گا وہ میرا بھائی ہوگا، وہ میرا وزیر ہوگا، وہ میرا وصی ہوگا، وہ میرا خلیفہ ہوگا، وہ میرا جانشین ہوگا۔"

پُورے مجمع سے مولائے کائناتؑ، جو کم سن تھے، اُٹھے اور کہا:

"یا رسول اللہ! اگرچہ میری عمر کم ہے مگر میں مدد کا وعدہ کرتا ہوں۔"
نبیؐ نے علیؑ کو بلایا۔ علیؑ کی گردن پر ہاتھ رکھا، مجمع کی طرف آگے بڑھایا اور کہا:
"انھوں نے مدد کا وعدہ کیا ہے، لہٰذا یہ میرے بھائی ہیں، یہ میرے وزیر ہیں، یہ میرے وصی ہیں، یہ میرے خلیفہ اور جانشین ہیں۔ ان کی اطاعت تم پر واجب ہے۔"
تو پیغمبرؐ نے جس دن توحید بتائی، پیغمبرؐ نے جس دن رسالت کا اعلان کیا اسی دن خلافتِ مولائے کائنات امیر المومنین علیہ السلام کا اعلان کیا اور یہ اعلان کتنا واضح تھا اسے سُن لیجیے۔ اعلان اتنا واضح تھا کہ ابولہب اٹھا، ابوطالبؑ کے پاس آیا اور کہا:
"ابوطالب! تمھارا بھتیجہ تم کو اپنے ہی بیٹے کی اطاعت کا حکم دے رہا ہے۔"
تو جب علیؑ کی اطاعت کا حکم دیا تو ابوطالبؑ کے لیے بھی حکم تھا۔
لوگ اِس ابوطالبؑ کو کافر کہتے ہیں، مگر کیسا تھا یہ کافر جس نے اس ابولہب کے منھ پر اپنے جواب سے ایسا طمانچہ مارا کہ تاریخ میں ابوطالبؑ کا ایمان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دستاویز بن کے رہ گیا۔ کہا:
"میرا بھتیجہ جو کہتا ہے وہ خیر کہتا ہے۔"
یعنی خدا کو ایک کہتا ہے تو خیر کہتا ہے۔ اپنے کو رسول کہتا ہے تو خیر کہتا ہے۔ میرے بیٹے کو میرا حاکم بناتا ہے تو خیر کہتا ہے۔

صلوات

تو میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا تھا کہ یہاں سے اسلام شروع ہوا تیرہ برس تک پیغمبرؐ مکّہ میں رہے۔ آخر میں دشمنوں نے مسلمانوں کو اتنا ستانا شروع کر دیا کہ نبیؐ نے کہا: مکّہ چھوڑ کر مدینہ جاؤ۔ اور آخر میں خود حضورؐ نے مکّہ چھوڑا تیرہ برس کے بعد۔ میں نے آپ کا ذرا وقت لیا ہے کیوں کہ میں

چاہتا ہوں کہ تاریخ کا جو پس منظر ہے وہ میرے بچوں کے علم میں رہے۔

نبیؐ مدینہ پہونچے مسجد بنائی ــــ نبیؐ مدینہ پہونچے انصار و مہاجرین کو بھائی بھائی بنایا ــــ پیغمبرؐ! آپ مسلمانوں کو مکہ میں بھائی بھائی بنا چکے تھے، یہ مدینہ میں کیوں بھائی بھائی بنا رہے ہیں؟ کہا: مکہ میں فقط مکہ والے تھے اب یہاں مدینہ والے بھی ہیں اور مکہ والے بھی۔ تو یہ نہ ہو کہ یہ مکہ والے ہیں۔ اگر پارٹیشن ہو گیا مسلمانوں میں تو امتِ مسلمہ باقی نہ رہے گی۔ لہٰذا ایک ایک مہاجر کو بلاتے تھے، ایک ایک مدینہ والے کو بلاتے تھے اور کہتے تھے کہ تم دونوں ایک دوسرے کے بھائی ہو ــــ مدینہ والا یہ کہتا تھا جب حضورؐ نے بھائی بنایا ہے تو جتنی میری جائیداد ہے اس کا آدھا حصہ لے لو ــــ

یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ یہاں بھی بہت سی جگہوں والے جمع ہو گئے ہیں تو سب کو یاد رکھنا چاہیے کہ بھائی بھائی ہیں۔ یعنی نبیؐ آج بھی آواز دے رہے ہیں کہ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دو۔ تم سب بھائی بھائی ہو۔ میں آپ کی خدمت میں یہ ضرور کہنا چاہوں گا کہ جب کبھی آدمؑ کا بیٹا، حوّا کی بیٹی پابندی دین کی طرف بڑھتی ہے تو شیطان اس کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے ــــ موقعے ہوتے ہیں ــــ روزہ رکھا کہ گناہ معاف ہو جائیں اور جیسے جیسے روزہ کھولنے کا وقت آ رہا ہے غصّہ آ رہا ہے۔ ماں سے جھگڑا کر لیا، مومن سے جھگڑا کر لیا، گالیاں دے دیں یعنی گناہ معاف ہونے کے بجائے بڑھ گئے۔ شیطان کا پنجہ اتنا مضبوط ہے کہ جن کو کبھی غصّہ نہیں آتا انھیں رمضان میں غصّہ ضرور آتا ہے مقدس غصّہ ــ!

اگر آپ کو کسی بھائی سے تکلیف پہونچ جائے، کسی نوجوان سے تکلیف پہونچ جائے تو کم سے کم بھائی کو، جن سے ذرا تکلیف پہونچ گئی ہے اس حسینؑ کا واسطہ

جس نے عاشور کی صبح حُر کو معاف کر دیا تھا، آپ بھی اس انسان کو معاف کر دیں جس سے آپ کو دُکھ پہونچا ہے۔ آپس میں ہاتھ ملائے رکھیے۔ یہی حسینؑ کی خواہش ہے، یہی نبیؐ کی خواہش ہے۔

صلوات

تو، میں آپ کی خدمت میں جو گزارش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ نبیؐ نے پہونچنے کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کو بھائی بھائی بنایا، اس کے بعد دوسرے سال مولائے کائنات کا عقد معصومہ کونین فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے کیا اور اسی دوسرے سال جنگ بدر بھی ہوئی۔ تیسرے سال امام حسن علیہ السلام پیدا ہوئے اور جنگِ اُحد ہوئی، چوتھے سال امام حسین علیہ السّلام پیدا ہوئے ــــ

سلسلہ چلتا ہے، خندق فتح ہوئی، خیبر فتح ہوئی۔ یہاں تک ہوتے ہوتے وہ وقت آیا کہ جن کفار مکّہ نے نبیؐ کو نکلنے پر مجبور کر دیا تھا، نبیؐ اس مکّہ کی طرف چلے تو حدیبیہ کے موقع پر دشمن نے نکل کر صلح کر لی، نبیؐ صلح پر راضی ہو گئے۔ اے نبیؐ آپ صلح پر کیوں راضی ہو رہے ہیں؟ کہا: میں صلح پر اس لیے راضی ہو رہا ہوں کہ میں تو قاتلوں سے صلح کر رہا ہوں تو اگر کل میرا وصی علیؑ صفین میں صلح کرے اپنے دُشمن سے اور میرا نواسہ حسنؑ صلح کرے کسی مسلمان سے تو تمھیں حق انکار نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ جو مرسل اعظم ہے وہ صلح کر رہا ہے تو میں صلح کی جگہ سنانا چاہتا تھا کہ جب حدیبیہ کے موقع پر صلح ہونے لگی تو جو مکّہ کی طرف سے ان کا نمائندہ تھا، اس نے کہا: "مسلمانوں کے نبیؐ! ہمارے تمھارے درمیان جو صلح ہو گی اس میں بہت شرطیں ہیں" ــــ میں ان میں سے ایک شرط سُنانا چاہتا ہوں، سب شرطوں کے سُنانے کی گنجائش نہیں ہے۔

کہا: "مسلمانوں کے نبیؐ! ہمارے اور آپ کے درمیان جو صلح ہوگی اس کی ایک شرط یہ ہے کہ ہمارے مذہب کا کوئی آدمی کسی مسلمان کی قید میں چلا جائے تو ہم مانگیں گے اور آپ کو واپس کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان ہماری قید میں آجائے تو ہم اسے چھوڑیں گے بھی نہیں اور آپ کو مانگنے کا حق بھی نہیں ہوگا۔"

نبیؐ نے کہا: "مجھے یہ شرط منظور ہے۔"

نبیؐ نے جب یہ کہا کہ مجھے شرط منظور ہے، تو کچھ مسلمانوں کو خیال پیدا ہوا کہ نبیؐ کو اسلام کا خیال نہیں۔ وہ بگڑ گئے۔ وہ اپنے خیال میں نبیؐ سے زیادہ اسلام کے ہمدرد تھے۔ ان کو شک ہوا کہ یہ نبی نہیں ہیں ـــــ ایسی بات کہ اگر ہم گرفتار ہوں تو آپ چھوڑ دیں گے، مسلمان گرفتار ہوگا تو ہم نہیں چھوڑیں گے۔ اور نبی کہیں کہ مجھے شرط منظور ہے!؟

اور قیامت کیا ہوئی ـــــ قیامت یہ ہوئی کہ جب یہ شرط طے ہوئی تو ابھی لکھی نہیں گئی تھی، زبانی طے ہوئی تھی اس کے بعد لکھا جانا تھا کہ اسی وقت ایک مسلمان جس کا باپ مسلمان نہیں تھا، وہ اپنے باپ کی قید سے آیا، کیسے؟ ٹوٹی ہوئی زنجیریں اس کے جسم میں بندھی ہوئی تھیں، نام تھا ابو جندل ـــــ ابو جندل آئے اور آنے کے بعد کہا:

"یا رسول اللہ! میں نے بڑی سخت اذیت جھیلی ہے، میں نے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں، میں نے اپنے باپ کی قید میں بے پناہ تکلیفیں اٹھائی ہیں ...."

لیکن جیسے ہی ابو جندل پہونچے، ویسے ہی کفارِ مکہ کا جو نمائندہ و وکیل تھا، اس نے کہا مسلمانوں کے نبیؐ! ہمارے اور تمھارے درمیان شرط ہو چکی ہے لہٰذا ابو جندل کو ہمارے حوالے کر دو۔

مسلمان طیش میں آگئے، جوش میں آگئے۔ لڑائی کرنا چاہی۔ نبیؐ نے انتہائی سخت نگاہ سے دیکھ کر کہا: بیٹھ جاؤ اپنی جگہوں پر۔ میں نبی ہوں تم نبی نہیں ہو۔ میں نے وعدہ کیا کہ قیدی واپس کر دوں گا تو میں ابوجندل کو حوالے کرتا ہوں۔

ابوجندل نے کہا: "یا رسول اللہ! میں نے بڑی سختیاں جھیلی ہیں، آپ مجھے واپس نہ کیجئے۔"

فرمایا: "ابوجندل جاؤ۔ خدا تمھاری مدد کرے گا۔ جو محمدؐ کی زبان سے نکل گیا ہے وہ بدلا نہیں کرتا۔"

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں اپنے سننے والوں کی خدمت میں کہ حضورؐ نے دبی ہوئی شرط کیوں مان لی کہ کافر مسلمانوں کی قید میں ہوگا تو اسے چھوڑ دیں گے اور مسلمان کافروں کی قید میں ہوگا تو نہ اسے مانگیں گے اور نہ کافر چھوڑیں گے۔ میرے نبیؐ! وجہ بتا دیں کہ آپ دبی ہوئی صلح کیوں کر رہے ہیں ــ تو حضورؐ آواز دیں گے کہ اس شرط میں پوری تصویر ہے اس بات کی کہ کون مذہب سچی اور مضبوط حقیقتوں پر چل رہا ہے اور کون مذہب سماجی ہے سوسائٹی پر چل رہا ہے ـــــ یہ جو کہہ رہے ہیں کہ ہمارا آدمی آپ کی قید میں چلا جائے گا تو ہم اسے واپس لے لیں گے، انھیں یقین ہے کہ کوئی آدمی ان کے مذہب پر رہ نہیں سکتا۔ لیکن مجھے یقین ہے جو مسلمان ہو گیا ہے اگر مسلمان ہو گیا ہے تو میرے پاس رہے گا تب بھی مسلمان رہے گا، دشمنوں کے پاس رہے گا تب بھی مسلمان رہے گا تو جس کو اپنے مذہب کی کمزوری کا خیال ہے وہ قیدی واپس لے رہا ہے اور جس کو اپنے مذہب کے مضبوط ہونے کا یقین ہے وہ دے رہا ہے۔

صلوات

نبیؐ نے کہا: جاؤ ابوجندل ــ دشمن خوش ہو گئے کہ مسلمان ہماری قید میں

رہیں گے۔ مگر جانتے ہیں کیا ہوا؟ جو مسلمان قید میں تھے وہ وہیں سے اسلام کے مبلّغ بن گئے اور بعد میں دشمن کو احساس ہوا کہ ہم نے جو محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے شرط کرلی تھی وہ غلط تھی، یہ تو ہمارے گھر گھر تبلیغ پہونچ گئی۔ اس لیے کہ جب ہم کھانا دینے گئے اور ہم نے اس کی عبادت دیکھی تو ہم کھڑے رہ گئے دیکھتے ہی رہ گئے۔ نتیجہ کیا ہوا، اگر ہم نے ان کو قیدی نہ بنایا ہوتا تو شاید ہم تک اسلام نہ پہونچا ہوتا۔ یہ قیدی بنے اور اسلام کو گھر گھر پہونچا دیا۔

صلوات

بس! ہمارا فریضہ ہے کہ ہم خود اتنے پکّے مذہبی بنیں، اتنے مضبوط مذہبی بنیں کہ کسی ماحول میں رہیں، کسی جگہ بیٹھیں لیکن ہمارے دین میں، ہمارے عمل میں، ہمارے عقیدہ میں، ہمارے کردار میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ اور جب ماں ایسی ہوجائے گی باپ ایسا ہوجائے گا تب وہ اولاد کو ایسا بنا سکے گا۔ جب ہم اپنے گھر والوں کو ایسا بنالیں گے تو اس سے وہ سوسائٹی بن جائے گی کہ چاہے کسی ماحول میں رہیں ہم دُنیا کو بتادیں گے کہ ہم حسینؑ والے ہیں، ہم سجّاد والے ہیں، ہم کربلا والے ہیں، ہم آلِ محمدؐ والے ہیں۔ صرف زبان سے کہنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا جب تک کہ ہمارا کردار اس کے ساتھ مدد نہیں کرے گا۔

یہی وہ بات تھی جو میں نے آپ کے سامنے دس دن کہی ہے اور جتنے دن بھی مجھے موقع ملے گا میں اس بات کو مختلف طریقوں سے کہتا رہوں گا۔ آپ یہ نہ سوچیں، میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ وہ سُنا دو کہ جو مجھے پسند ہے۔ ہم نے کہا ہمیں انکار نہیں ہے لیکن ہم وہ سنانا چاہتے ہیں جو آپ کے لیے مفید ہے۔

انھوں نے کہا کہ ہم بہت دور سے آئے ہیں۔ مجھے تو موقع نہیں ملا لیکن میں

ان سے کہنا چاہتا ہوں اور سب سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ بہت دور سے آئے ہیں مگر ہم تو اور دور سے آئے ہیں۔ تو اگر دور سے آنا بنیاد ہے تو پھر آپ کی فرمائش پوری ہو یا ہماری پوری ہو ۔ بس میں آپ کو مزید زحمت نہیں دینا چاہتا ہوں، اب یہ بات کہہ کے ختم کرنا چاہتا ہوں اپنے بیان کو ۔ اب دو لفظوں میں پھر سن لیجیے:

نبیؐ نے کہا: مومن وہ ہے جو علیؑ سے محبت کرے، جو علیؑ سے محبت نہیں کرتا وہ کافر ہے یا منافق ۔ صرف علیؑ والے ہیں مومن ۔ اور قرآن کہتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

"اے ایمان لانے والو! یعنی اے علیؑ والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ سے بچاؤ۔" ہم کو اور آپ کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے ہی نبیؐ زمین پر تشریف لائے ۔ ہم کو اور آپ کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے فاطمہؑ نے گوارا کیا کہ میرا دروازہ جل جائے مگر میرے چاہنے والے دوزخ کی آگ سے محفوظ رہیں ۔

ننھے سے حسینؑ فاطمہؑ کے سینے پر تھے کہ ایک مرتبہ پیغمبرؐ نے آکر کہا: بیٹی! تم کو اپنے اس بچے سے بہت محبت ہے؟ کہا: بابا! بہت محبت ہے ۔ فرمایا: کیا تم برداشت کرسکو گی کہ تمھارا بچہ کربلا کے میدان میں تین دن کا بھوکا پیاسا ذبح کیا جائے اور اس لیے ذبح کیا جائے کہ وہ دین باقی رہے جو انسانوں کو دوزخ کی آگ سے بچا سکے ۔؟

فاطمہؑ نے کہا: بابا! اگر اس دین کو باقی رکھنے کے لیے میرے اس بچے کا شہید ہونا لازم ہے تو میں وعدہ کرتی ہوں ۔

کہا: سن لو کہ تین دن کا بھوکا پیاسا شہید ہوگا، اس کے ساتھ سارے عزیز شہید ہوں گے، لاشیں بے گور و کفن رہیں گی اور جو گھر والے ہوں گے انھیں قیدی

بنا کے بازاروں اور درباروں میں لے جایا جائے گا۔ فاطمہؑ نے کہا: مجھے سب گوارہ ہے بس دین بچ جائے۔ وہ دین بچ جائے جو دوزخ کی آگ سے بچانے والا ہے۔

میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج عاشور کی رات ہے یعنی کل جو صبح ہونے والی ہے یہ صبح وہ صبح ہے جس صبح کو حسینؑ نے وہ وعدہ پورا کیا تھا جو حسینؑ نے کیا تھا ـــــ وہ وعدہ پورا کیا تھا جو حسینؑ کی ماں نے کیا تھا ـــــ وہ وعدہ پورا کیا تھا جو حسینؑ کے نانا نے کیا تھا۔ تو آج ہمارا اور آپ کا فریضہ ہے کہ ہم اپنے وعدہ کو حسینؑ سے پورا کریں۔ کون ایسا ہے جو زیارت حسینؑ نہیں پڑھتا ہے۔ وہ اصحابِ حسینؑ کو سلام کرتے ہوئے کہتا ہے کاش ہم بھی کربلا میں ہوتے ـــــ

يَا لَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَكُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا

"اے کربلا والو! کاش ہم بھی تمہارے ساتھ ہوتے جو تم کو منزلیں ملی ہیں وہ منزلیں ہم کو بھی مل جاتیں"۔ یہ جو زیارت میں ہم کہتے ہیں: کاش کربلا والو! ہم تمہارے ساتھ ہوتے جو تم کو ملا وہ ہم کو مل جاتا۔ تو حسینؑ کی آج بھی آواز آرہی ہے۔ تم کربلا میں ہو سکتے ہو، جس دین کو ہم نے کربلا میں یزید سے بچایا تھا، آج اس دین کو جہاں جہاں خطرہ ہے اس دین کو بچاؤ تم کربلا والوں کے ساتھ ہو جاؤ گے۔

میری مجلس، میرا پیغام، میرے خیالات سب مکمل ہو گئے۔ لیکن آج میں تا دیر مصائب پڑھنا چاہتا ہوں اور اس لیے پڑھنا چاہتا ہوں کہ میں بھی نہیں رو سکا ہوں اور آپ بھی نہیں رو سکے ہیں۔ میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں جو دور دور سے اپنے گھروں سے نکل کر فقط اس لیے آئے ہیں کہ ایک رات ہم کو حسینؑ پر رونے کا موقع مل جائے تو میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب عاشور کی رات آئی اور آپ اپنے گھروں میں نہ رہ سکے۔ آپ نے میلوں کا سفر طے کیا اور یہاں آگئے تو یہ سوچیے کہ

عاشور کی رات حسینؑ اور زینبؑ اپنی تیاریاں کررہی ہیں تو کیا رسولؐ اپنے روضے پر رہے ہوں گے؟ کیا علیؑ نجف میں رہے ہوں گے؟ کیا حسنؑ بقیع میں رہے ہوں گے کیا فاطمہؑ اپنی لحد میں رہی ہوں گی؟ نہیں! ہم آپ سوچیں گے تو یہی کہ سب کربلا میں تھے اور کتابوں میں تذکرہ ملتا ہے کہ شبِ عاشور نہیں، پہلے سے موجود تھے۔

نو محرم کو کتابوں میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ ایک لشکر آیا اس کا سردار شمرؔ تھا۔ شمرؔ ایک مرتبہ آکے واپس گیا تھا، پھر کوفہ سے لشکر لے کر آیا اور اس ملعون نے، اس سنگ دل نے اس ظالم نے اپنی چار ہزار کی فوج سے کہا: جب کربلا میں داخل ہو تو گھوڑوں کو دوڑانا، ہتھیار سے ہتھیار کو ٹکرانا تاکہ جو کربلا میں حسین کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں سینوں میں ان کے دل دہل جائیں۔ چار ہزار کا لشکر کربلا کے میدان میں آیا، گھوڑوں کو دوڑاتا ہوا آیا، غبار بلند ہوا، گرد اونچی ہوئی، گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین کربلا ہلی۔ لوہے سے لوہے کی ٹکر کی بنا پر کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔

جنابِ زینبؑ نے فضہؑ سے شاید کہا: جاؤ فضہ ذرا پتہ لگاؤ کہ کس کا لشکر آیا۔ میرے بھائی کا دوست لشکر آیا ہے یا دشمن لشکر آیا ہے۔

کنیز پلٹی اور یہ خبر لے کر پلٹی کہ شاہزادی آپ کے بھائی کا دشمن لشکر آیا ہے کہا: یہ پتہ لگاؤ کہ اس لشکر کا سردار کون ہے؟

فضہ نے شہزادی کی خدمت میں عرض کیا: لشکر کے سردار کا نام شمرؔ ہے۔

یہ زینبؑ شمرؔ کا نام جانتی تھیں۔ زینبؑ شمرؔ کا نام پہچانتی تھیں، جیسے ہی سنا کہ شمرؔ آگیا ہے تو شہزادی زینبؑ نے کہا: شمر آگیا، میرے بھائی کی شہادت کا وقت آگیا۔ دل بہت بے چین ہوا۔

یہ تصورات میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ جب دل بہت بے چین

ہوا، سوچا چل کے علی اصغرؑ کو کلیجے سے لگائیں، شاید دل ٹھہر جائے۔ جا کے دیکھا بچے کی آنکھیں بند ہیں۔ دل اور بے چین ہوا اور یہ خیال ہوا کہ جب میرا بھائی شہید ہوگا تو اس سے پہلے بچہ شہید ہو جائے گا۔

اکبرؑ پر نظر پڑی، سوچا میرا بھائی شہید ہوگا اس سے پہلے یہ نوجوان شہید ہو جائے گا۔ زینبؑ بہت بے چین ہوگئیں۔ جب زینبؑ بے حد بے چین ہوئیں تو کسی سے کہا: جاؤ میرے بھیّا کو بلا لاؤ۔

حسینؑ آئے، دیکھا۔ زینبؑ کو دیکھا، آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو دیکھے بے چینی دیکھی۔ کہا: زینب بیٹھ جاؤ۔

زینبؑ بیٹھ گئیں، حسینؑ بھی بیٹھ گئے۔ بہن نے بھائی کو دیکھا، بھائی نے بہن کو دیکھا۔۔۔ کس کی طاقت ہے جو بتا سکے کہ ان نگاہوں نے ایک دوسرے سے کیا کہا۔۔۔ شاید یہی کہا کہ زینبؑ میں اس وقت تمھیں تسلّی دینے آیا ہوں لیکن جب میں شہید ہو جاؤں تو تم نہ رونا۔ میری بچّی کو تسلی کون دے گا۔

بیٹھ گئیں زینبؑ، بیٹھ گئے حسینؑ۔ کہا: کیا بات ہے؟

زینبؑ نے کہا: بھیّا! دل بہت بے چین ہے۔ جب سے شمر آیا ہے، دل بہت بے چین ہے۔

حسینؑ سمجھ گئے۔ کہا: بہن! جب نانا نہ رہے، جب بابا نہ رہے، جب امّاں نہ رہیں تو تمھارا یہ بھائی حسینؑ کیسے رہے گا۔ صبر کرو۔ شمر آگیا ہے تو کیا ہوا کہا: ہاں بھیّا! وہ تو میں بھی جانتی ہوں۔ دُنیا میں کوئی نہیں رہا ہے، کوئی نہیں رہے گا تو یقیناً آپ بھی نہیں رہیں گے۔ لیکن بھیّا، اسے کیا کروں کہ جب سے شمرلعین آیا ہے۔۔۔۔ کیا میری بیٹیاں سُنیں گی، کیا میری بہنیں سنیں گی، کیا میرے

بچے، میرے بھائی سُن کے برداشت کرلیں گے؟
شہزادی زینبؑ نے کہا: جب سے شمر آیا ہے تب سے کوئی میرے خیمے کے پیچھے بیٹھ کر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ایسے روتا ہے جیسے کوئی ماں جوان بیٹے پر روتی ہے۔ تو بھیا جب یہ رونے والا روتا ہے تو میرا کلیجہ سینے میں بے چین ہوجاتا ہے۔ کہا: زینبؑ! تم نے ٹھیک کہا ہے۔ یہ ہماری تمھاری ماں فاطمہؑ ہیں۔

نو محرّم کو فاطمہؑ رو رہی تھیں، وہ نو محرّم جو ابھی تھوڑی دیر پہلے ختم ہوئی ہے۔ شبِ عاشور بھی فاطمہؑ رو رہی ہیں۔ عاشور کے دن بھی فاطمہؑ رو رہی ہیں — میں تھوڑی دیر مصائب اس لیے آپ کے سامنے پڑھنا چاہتا ہوں کہ کون جانتا ہے کہ اگلی شبِ عاشور ملے گی کہ نہیں ملے گی۔ آؤ رولیں، آؤ ماتم کرلیں، آؤ غم کرلیں۔ آؤ خراجِ عقیدت پیش کرلیں۔ آؤ حسینؑ کی عظیم بارگاہ میں یہ وعدہ کرلیں کہ مولا! ہمیں توفیق دلوائیے کہ آج سے ہم اپنے کو اور اپنے بچوں کو دینی تعلیم دے کے دوزخ کی آگ سے بچائیں گے تاکہ آپ کی قربانی ضائع و برباد نہ ہو۔

عاشور کی صبح ہوئی، جہاد شروع ہوگیا۔ خیمے خالی ہونے لگے، قتل گاہ آباد ہونے لگی، لاشوں پر لاشیں آنے لگیں۔ لیکن شوہر کی لاش آتی تھی تو بیوہ روتی نہیں تھی بلکہ لاش دیکھ کر کہتی تھی کہ تم نہ رہے تو کچھ پروا نہیں۔ میرا امام تو زندہ ہے۔
جب بیٹوں کی میت آتی تھی تو ماں روتی نہیں تھی بلکہ یہ کہتی تھی کہ بیٹو! تمھاری ماں بے سہارا نہیں ہے بلکہ میرا امام موجود ہے۔
بھائی کی لاش آتی تھی تو بہن روتی نہیں تھی بلکہ کہتی تھی کہ تم نے حق ادا کر دیا۔ میرا مولا سلامت ہے۔
بس وہ وقت بہت سخت تھا جب اکبرؑ کی لاش اٹھانے حسینؑ گئے۔

جب اکبرؑ کی لاش اُٹھانے حسینؑ گئے تو وہ وقت اس لیے بہت سخت تھا کہ حسینؑ اس لاش کو کیسے اُٹھائیں جسے ظالموں کی تلواروں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ حسینؑ اُٹھاتے ہیں، سر سنبھالتے ہیں تو پیر نہیں سنبھلتے ہیں۔ ہاتھ سنبھالتے ہیں تو سینہ نہیں سنبھلتا ہے۔ جسمِ علی اکبرؑ ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ مقاتل میں، کتابوں میں ملتا ہے کہ دو مرتبہ فاتحِ خیبرؑ کے بیٹے نے اپنے جوان کی لاش اٹھائی اور یہ چاہا کہ کسی طرح گھوڑے پر رکھ دوں تاکہ میں اس لاش کو سنبھال کے خیمہ گاہ تک پہونچا دوں۔ لیکن جب لاشِ اکبر نہ سنبھلی تو کربلا کی زمین پر رکھ دی اور ٹوٹی ہوئی کمر جو کہ عباسؑ کے غم میں ٹوٹ چکی تھی، اس کو تھام کے کھڑے ہو گئے۔ خیمہ کا رخ کیا اور کہا: بچّو! چھوٹے چھوٹے بچّو آؤ۔ تمھارے بھائی اکبر کی لاش مجھ سے نہیں اٹھتی۔ چھوٹے چھوٹے بچے خیمے سے نکلے، کیسے نکلے اللہ ہی بہتر جانتا ہے، مگر نکل کے کسی نے علی اکبرؑ کا ہاتھ پکڑا، کسی نے پیر سنبھالے اور حسینؑ لاشِ اکبرؑ لے کر آئے۔

اہلِ حرم میں کہرام ہے۔ سکینہؑ بار بار پوچھتی ہیں کہ اب مجھے کلیجے سے کون لگائے گا؟ نہ چچا رہے، نہ بھیا رہے۔ زینبؑ پوچھتی ہیں کہ میرے لال! اب خیمے کی حفاظت کون کرے گا۔؟

ایک مرتبہ حسینؑ اہلِ حرم سے رخصت ہو کر کربلا کے میدان میں گئے اور جانے کے بعد آواز دی: "ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا" کوئی میرا مددگار ہے؟ میں تفصیل عرض کرنا نہیں چاہتا، مجھے آگے بڑھنا ہے۔ اس کے بعد جب کہیں سے جواب نہ آیا تو حسینؑ نے اپنے چاہنے والوں کو پکارنا شروع کیا "حبیب، بریر، ہلال، زہیر، عبّاس، اکبر! ارے یہ حسینؑ تمھیں پکار رہا ہے میرے شیرو! میری آواز پر آواز دو" اور حسینؑ روئے۔ کہا: موت نے تمھیں

مجبور کر دیا ہے، ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ حسینؑ پکارے اور تم آواز نہ دو۔

حسینؑ پکار رہے تھے، آوازِ نصرت بلند کر رہے تھے کہ ایک مرتبہ خیمے سے رونے کی آواز آنے لگی۔ جب خیمہ سے رونے کی آواز آنے لگی تو حسینؑ نے گھوڑا موڑ دیا، درِ خیمہ پر آئے اور کہا:

" زینبؑ! کیوں رو رہی ہو۔ ابھی تو تمہارا بھائی زندہ ہے۔"

کہا: " بھیّا! جب آپ نے کربلا کے میدان میں کہا: ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا کوئی ہے میری مدد کرنے والا؟ تو کوئی نہ تھا۔ بیمار بستر سے اٹھا ہم لوگوں نے بیمار کو بٹھالیا، اور اتنی دیر میں ہم نے دیکھا کہ وہ پیاسے اصغرؑ جنھوں نے آنکھ تک نہ کھولی تھی، وہ ایک مرتبہ اُچھلے اور اپنے کو گہوارہ سے باہر گرا دیا۔"

اللہ اللہ حسینؑ اتنے بے کس ہیں، اتنے بے سہارا ہیں کہ جھولوں سے بچے نکل رہے ہیں ان کی مدد کے لیے۔ حسینؑ نے کہا: بہن لاؤ میرے اصغرؑ کو لے آؤ۔ زینبؑ ساتھ ساتھ آئیں اور گود میں لیے ہوئے ربابؑ اپنے لعل کو لائیں ــــ میں کبھی متفق نہیں ہوتا ہوں اس بات سے کہ اگر کوئی یہ کہہ دے کہ ربابؑ نہیں سمجھی تھیں ... کربلا میں کوئی ایسا نہ تھا جو بغیر سوچے سمجھے آیا ہو ــــ تو ذرا سوچیے جب ربابؑ لے کر چلی ہیں تو آخری مرتبہ اپنے بچّہ کو دیکھ رہی ہیں اور کیا کہہ رہی ہوں گی؟ یہی کہہ رہی ہوں گی کہ لعل اب تم زندہ نہیں آؤ گے۔ مگر جاؤ باپ کے ہاتھوں پر اپنی ماں کے دودھ کا حق ادا کر دو۔ حسینؑ نے دیکھا، کہا: ربابؑ لاؤ اپنے بچے کو دے دو، میں دشمن کے سامنے جاتا ہوں اور اس بچّے کی پیاس بتا کے پانی مانگتا ہوں، شاید پانی مل جائے۔ حسینؑ لے کر چلے ایک بلندی پر آنے کے بعد گھوڑے سے اُترے، عبا کا دامن ہٹایا، اصغرؑ کو ہاتھوں پر اٹھایا۔ ہونٹ سوکھ گئے ہیں،

پپڑیاں پڑی ہوئی ہیں، زبان سوکھ گئی ہے آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں ہر طرف سے سب نشان بتا رہے ہیں کہ بچہ پیاسا ہے۔ اپنے ہاتھوں پر لیا، کہا: دیکھو! یہ چھ مہینے کا بچہ ہے اس کی ماں کا دودھ خشک ہوگیا۔ اس کو ایک قطرہ پانی نہیں ملا ہے اس نے کئی دن سے آنکھیں نہیں کھولی ہیں، ایسا کرو تم اس کو ایک گھونٹ پانی پلا دو، تم خود آکر پلا دو۔

جب شام کے لشکر میں کوئی آگے نہیں بڑھا حسینؑ کی آواز پر لبیک کہنے کے لیے، اصغرؑ کو پانی پلانے کے لیے، ایک مرتبہ حسینؑ نے اصغرؑ کی طرف دیکھا، کہا: بیٹا! تم میرے بیٹے ہو۔ میں نے تمھاری پیاس بیان کردی۔ بس تم بھی اپنی پیاس بیان کردو۔

ننھے بچے نے اپنے جسم کی پوری طاقت کو سمیٹا، گردن اٹھائی، شام کے لشکر کو دیکھا اور چھوٹی سی زبان سوکھے ہونٹوں پر پھیرنا شروع کردی۔ بے زبان اصغرؑ بے شیر اصغرؑ، کم سن اصغرؑ سوکھی زبان ہونٹوں پر پھرا کے کہہ رہے تھے، دیکھو میرا بابا سچا ہے۔ میں پیاسا ہوں۔

کیا کسی ذاکر کے بیان سے کوئی مجمع رو سکتا ہے جیسا وہ مجمع رویا ہے جو شام کے دشمن لشکر کا تھا۔ لیکن کیوں؟ اس لیے کہ کوئی ذاکر مجلس نہیں پڑھ رہا تھا حسینؑ کے ہاتھوں پر اصغرؑ اپنی پیاس بیان کر رہے تھے۔ ایک ایک سپاہی چیخ مار کر رونے لگا، سارا یزید کا لشکر رونے لگا تو پسر سعدؔ ڈرا کہیں ایسا نہ ہو اس لشکر کا دل بدل جائے، یہ حسینؑ کے ساتھ ہو جائے۔ اس نے آواز دی ــــــــ

حرملہ! کیا دیکھ رہے ہو؟ کہیں ایسا نہ ہو جیتی ہوئی بازی بدل جائے لہٰذا حرملہ تم جلدی کرو، اصغرؑ کے گلے پر تیر مارو تاکہ حسینؑ کی بات کٹ جائے۔

ظالم حرملہؑ نے کاندھے سے کمان اتاری، تین پھل کا تیر ۔ اس کی چوڑائی کہیں زیادہ تھی اصغرؑ کے گلے سے ۔ اس نے اصغرؑ کے گلے کا نشانہ لے لیا ۔

ادھر حسینؑ آسمان کی طرف نگاہ بلند کرکے مناجات کر رہے تھے :

"اے کریم ! یہ تیرا بندہ حسینؑ تیرا شکر گزار ہے کہ تو نے ہر ہدیہ قبول کر لیا، بچپن کے دوست حبیبؑ کو قبول کر لیا، زہیرؑ و مسلمؑ کو قبول کر لیا، میرے نوجوان اکبرؑ کو قبول کر لیا، میرے شیر عباسؑ کو قبول کر لیا۔ اے میرے کریم ! یہ میرا ننھا سا ہدیہ ہے یہ میرا چھوٹا سا ہدیہ ہے ۔ اے کریم ! تو اسے بھی قبول کر لے ۔"

حسینؑ قبول ہونے کی دعا مانگ رہے تھے ۔ ادھر تیر آکر لگا، تین پھل کا تیر اصغرؑ کے گلے پر لگا مگر اتنی طاقت سے لگا کہ بچہ پلٹ گیا اور جب بچہ پلٹا تو تیر گلے سے نکل کے حسینؑ کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ حسینؑ نے جو دیکھا تو اصغرؑ کے گلے پر تیر تھا اور اصغر مسکرا رہے تھے ۔ شاید دنیا سے کہہ کے جا رہے تھے بابا ! گواہ رہیئے گا، سب بچے روتے ہیں مگر آپ کا بچہ رویا نہیں ، ربابؑ کا بچہ رویا نہیں فاطمہؑ کا پوتا رویا نہیں ، زینبؑ کا بھتیجہ رویا نہیں ۔ اور حسینؑ کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا ۔ حسینؑ نے کہا :

" خدا تیرا شکر کہ تو نے یہ ننھا سا ہدیہ قبول کر لیا ۔ پالنے والے ! تیرا شکر اور احسان کہ تو نے یہ ننھا سا ہدیہ بھی قبول کر لیا ۔"

بس ! اس کے بعد جو حسینؑ نے امتحان دیا ہے وہ بڑا سخت امتحان تھا۔ اب حسینؑ کا کام کیا تھا کہ اس تیر کو نکال لیں جو اصغرؑ کے گلے میں ہے ۔ ذرا تصور کیجیے کہ حسینؑ ایک بلندی پر کھڑے ہیں، ان کے ہاتھ پر اصغرؑ ہیں، سر بازو کی طرف ہے، تیر گلے سے گزر کر بازو میں پیوست ہے ۔ اب حسینؑ ایک ہاتھ سے میت

سنبھالے ہیں، دوسرے ہاتھ سے تیر کھینچنا چاہتے ہیں۔ تین پھل کا تیر! اے میرے مولا جب آپ تیر کو کھینچ رہے تھے تو لاش کو کیسے سنبھالے تھے۔ لاش سنبھالے تھے تو دل کیسے سنبھالے تھے' میں سوچ نہیں سکا۔ جب تک مولا آپ کے بازو سے تیر نکلتا رہا آپ نے تیر نکال لیا، لیکن جب اصغرؑ کی ننھی سی گردن سے تیر نکالنے لگے کیسے آپ نے دل سنبھالا۔ میرا دل کہتا ہے ارے نجف سے علیؑ آ گئے ہوں گے حسینؑ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا ہوگا۔ اے میرے لعل، اے میرے لعل! خیبر کا دَرا کھاڑنا مشکل نہ تھا، اصغرؑ کے گلے سے تیر نکالنا مشکل ہے۔

حسینؑ نے تیر نکال لیا، امتحان کا حق ادا کر دیا۔ اصغرؑ کے گلے سے تھوڑا تھوڑا خون نکلنے لگا ـــ میں نے دو روایتیں پڑھی ہیں' ایک روایت یہ ہے جو عام طور پر پڑھی جاتی ہے کہ حسینؑ نے چلّو لگا دیا۔ جب چلّو بھر جاتا تھا تو حسینؑ اپنے چہرے پر مل لیتے تھے۔ میں نے جو دوسری روایت پڑھی ہے میرا دل دُکھتا ہے کہ شاید یہی ہوا ہوگا کہ جب چلّو میں خون بھر جاتا تھا تو حسینؑ اس خون کو اصغرؑ کی میّت پر ملتے تھے۔ میرے مولا! یہ آپ اصغرؑ کے گلے کے خون کو اصغرؑ پر کیوں مل رہے ہیں۔ کہا: میں اپنے بچے سے کہہ رہا ہوں کہ لعل! میں تجھے پانی تو نہیں پلا سکا مگر تیرے خون سے تجھے غسل دے رہا ہوں۔

اب اس سے مشکل مرحلہ تھا۔ لاش علی اصغرؑ کلیجے سے لگائے ہوئے حسینؑ خیمے کی طرف بڑھے۔ ایک مرتبہ خیال ہوا کیسے آواز دوں؟ پیچھے ہٹ آئے۔ پھر آگے بڑھے، پھر سوچا زینبؑ آئے گی، ربابؑ آئے گی کیسے اصغرؑ کو دیکھے گی' پھر پیچھے ہٹ آئے۔ کبھی آگے بڑھے کبھی پیچھے ہٹے۔ صبح جب آپ اعمال کریں گے تو اس کی بھی تقلید کریں گے۔ تھوڑی دیر بعد جب آگے بڑھے تو آواز دی۔ ربابؑ آؤ! اپنے

مجلس

۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا

صلوات

عزادارانِ مظلوم کربلا!

آج کا دن ہم آپ سب جانتے ہیں مصیبت کا دن ہے، غم کا دن ہے ماتم کا دن ہے، رونے اور سر و سینہ پیٹنے کا دن ہے، جس کے لیے رسُول اس دن سے پہلے بھی روئے اور اس دن کے بعد بھی روئے۔ کچھ تذکرے ذہنوں میں باقی رہیں اس لیے میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جناب اُمّ المومنین امّ سلمہ یہ بیان فرماتی ہیں کہ پیغمبرؐ میرے حجرے میں تھے، لیٹ کر آرام فرما رہے تھے اور یہ کہا تھا کہ امِ سلمہ! کسی کو نہ آنے دینا۔ فرماتی ہیں تھوڑی دیر میں حسینؑ آ گئے۔ حسینؑ نے دروازہ کھول کے اپنے نانا کے پاس جانا چاہا۔ میں نے روکا تو حسینؑ کی اور میری آواز نبیؐ کے کان میں پہونچی۔ نبیؐ نے آواز دی:

"اُمِ سلمہ! حسینؑ کو آنے دو۔"

حسینؑ گئے اور رسولؐ نے انھیں اپنے سینے پر لٹا لیا۔

اُمّ سلمہ فرماتی ہیں کہ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ نبیؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ نواسا سینے پر ہے اور نانا رو رہے ہیں۔ کہتی ہیں کہ میں نے ایک عجیب و غریب بات یہ بھی دیکھی کہ نبیؐ کی مٹھی میں کوئی چیز ہے جسے بار بار سونگھتے ہیں اور جب سونگھتے ہیں تو آنسو بڑی بے تابی سے بہنا شروع ہو جاتے ہیں۔

اُمّ سلمہ کہتی ہیں کہ میں حجرے میں آئی اور میں نے گذارش کی کہ حضورؐ! میں نے تو دُنیا میں یہ دیکھا ہے کہ جب بچّے اپنے بزرگوں کے پاس آتے ہیں تو بزرگ خوش ہو جاتے ہیں۔ یہ آپ حسینؑ کے آنے پر رو کیوں رہے ہیں؟

فرمایا: اُمّ سلمہ! تم ٹھیک کہتی ہو۔ جب میرا نواسہ آیا میں نے اسے سینے پر لٹایا تو میں بہت خوش تھا کہ جبرئیلؑ آئے اور جبرئیل نے آکر قدرت کا پیغام سنایا کہ نبیؐ! تم کو اپنے نواسے سے بہت محبّت ہے؟ میں نے کہا: بے شک محبّت ہے۔

کہا: کیا تم پسند کرتے ہو کہ یہ دین کی حفاظت کے لیے کربلا کے میدان میں بھوکا، پیاسا اپنے سارے ساتھیوں سمیت شہید کیا جائے؟

نبیؐ نے کہا: بے شک راضی ہوں اور اس کے بعد جبرئیلؑ میرے پاس دیر تک بیٹھے رہے۔ میرے بچّے کے مصائب بیان کرتے رہے۔ پیاس کیسی ہوگی، بھوک کیسی ہوگی، دھوپ کیسی ہوگی، بے کسی کیسی ہوگی، شہادتیں کیسی ہوں گی، بچے کیسے شہید ہوں گے، نوجوان کیسے شہید ہوں گے، جوان کیسے شہید ہوں گے، بوڑھے کیسے شہید ہوں گے۔ مجھے یہ بھی بتلایا کہ لاشیں بے گور و کفن رہیں گی، لاشیں پامال بھی کی جائیں گی۔ یہ بھی بتایا کہ حسینؑ کے بعد ان کے اہلِ حرم کو قیدی بنایا جائے گا درباروں اور بازاروں میں لے جایا جائے گا۔

اے اُمِّ سلمہ! جب جبرئیلؑ بیان کرتے جا رہے تھے تو میں رونا جا رہا تھا اور میں دیر تک جب روتا رہا جبرئیل بیان کرتے رہے۔ بیان کرتے کرتے جبرئیل چپ ہو گئے میں روتا رہا تو جبرئیل نے کہا: حضورؐ! کیا آپ پسند کریں گے کہ آپ اس زمین کو دیکھیں جس زمین پر آپ کا نواسہ شہید ہونے والا ہے؟

کہا: ہاں جبرئیل! مجھے خوشی ہوگی، مجھے اس میں کیف محسوس ہوگا کہ میں اپنے لعل کی قتل گاہ کو دیکھوں ـــــ ایک مرتبہ جبرئیل نے ہاتھ اٹھا کے اشارہ کیا۔ ساری زمینیں نیچی ہو گئیں اور کربلا کی زمین اونچی ہو گئی۔ کہا: حضورؐ دیکھیے وہ جگہ ہے جہاں آپ کا بیٹا اپنے سارے کنبے وقبیلے کو لے کے قربانیاں پیش کرے گا۔ اس کے بعد نبیؐ فرماتے ہیں کہ جبرئیلؑ نے مجھ سے کہا کہ حضورؐ! اگر آپ پسند فرمائیں تو میں اس زمین میں سے کچھ مٹی اُٹھا کے آپ کی خدمت میں پیش کروں جس مٹی میں آگے چل کر آپ کا اور آپ کے بچّے کا لہو شامل ہونے والا ہے۔ اے ام سلمہ! جو تم میری مٹھی میں مٹّی دیکھ رہی ہو یہ مٹی وہ مٹی ہے جو مجھے جبرئیلؑ نے حسینؑ کی قتل گاہ کی زمین سے اٹھا کر لا کے دی ہے اور اے ام سلمہ! زمینِ کربلا کی خصوصیت یہ ہے، جہاں پر حسینؑ شہید ہونے والے ہیں اس جگہ کی خصوصیت یہ ہے کہ جب کبھی اس مٹی کو سونگھا جائے گا تو آدمی بے تحاشا روئے گا، بے قرار ہو کے روئے گا۔ تم نے ابھی مجھے دیکھا ہے کہ جب میں سونگھتا ہوں اس مٹی کو تو آنسو بہنا شروع ہو جاتے ہیں۔

حسینؑ سینے پر ہیں، نانا رو رہے ہیں، نواسے کے مصائب بیان کر رہے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جبرئیل بیان کر رہے تھے نبیؐ سن رہے تھے، اب نبیؐ بیان کر رہے ہیں ام سلمہ سُن رہی ہیں ـــ پہلے جبرئیل سنا رہے تھے، نبیؐ سُن رہے تھے اور دونوں رو رہے تھے، اب نبی سُنا رہے ہیں ام سلمہ اور نبیؐ رو رہے ہیں ـــــ

روتے روتے آپ نے فرمایا: "ام سلمہ! میں یہ مٹی تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ اس کو حفاظت کے ساتھ رکھنا اور اتنا یاد رکھنا کہ جب تک یہ مٹی مٹی رہے گی سمجھنا میرالعل حسینؑ زندہ ہے اور جس دن یہ مٹی خون ہو جائے سمجھنا کہ میرالعل مارڈالا گیا۔"

جناب ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے ساری زندگی اس مٹی کو اپنے پاس حفاظت سے رکھا۔ نبیؐ کی وفات کے بعد ـــــ نبیؐ کی شہادت وانتقال کے پچاس سال کے بعد واقعہ کربلا پیش آیا۔

جناب ام المومنین امّ سلمہ یہ کہتی ہیں کہ پورے پچاس سال کے درمیان میں نے کبھی خواب میں نبیؐ کے انتقال کے بعد نبیؐ کو نہیں دیکھا تھا ـــــ میں آپ کے سامنے جو روایت بیان کر رہا ہوں یہ کوئی اختلافی روایت نہیں ہے، یہ وہ تذکرے ہیں جن کو سارے علمائے اسلام نے لکھا ہے۔ لکھتے ہیں وہ کہ حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کو خواب میں مَیں دکھائی دوں تو اسے خواب نہ سمجھنا وہ میری زیارت ہوتی ہے، وہ میں ہوتا ہوں، میری گفتگو میری ہی گفتگو ہوتی ہے تو ام المومنین ام سلمہ کہتی ہیں کہ نبیؐ کے انتقال کو پچاس سال ہو گئے تھے۔ اس ۵۰ سال کے عرصے میں مَیں نے نبیؐ کو کبھی خواب میں نہیں دیکھا تھا لیکن جب حسینؑ سن ساٹھ ہجری کو ۲۸ رجب کو یا ۳ شعبان کو مکّہ گئے اور مکّہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے اور کوفہ سے کربلا پہونچے تو سن اکسٹھ ہجری شروع ہوا، محرم کا چاند نکلا۔ دس محرم ہوئی۔ میں عصر کے قریب ذرا سو گئی۔ اب جو میں سو گئی تو میں نے خواب میں دیکھا۔ کیا دیکھا؟ نبیؐ کو دیکھا۔ پچاس سال تک نہیں دیکھا تھا انتقال کے بعد، آج دیکھا تو کیسے دیکھا؟ ننگے سر ہیں نبیؐ، سر پر عمامہ نہیں ہے۔ سر پر خاک پڑی ہوئی ہے۔ خاک کو چہرے پر ملے ہوئے ہیں۔ آپ کا گریبان کھلا ہوا ہے،

سینے پر بھی تھوڑی سی خاک پڑی ہوئی ہے اور آپ کے ہاتھ میں ایک شیشہ ہے جس میں تازہ تازہ لال لال خون جمع ہے۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے پیغمبر کو جب اس حال میں دیکھا تو بے چین ہو کر سوال کیا:

"یا رسول اللہ! میں آپ کو کس حال میں دیکھ رہی ہوں؟ آپ بغیر عمامہ کے کیوں ہیں آپ کا گریبان کیوں کھلا ہے۔ یہ آپ رو کیوں رہے ہیں۔ آپ یہ غم و ماتم کیوں کر رہے ہیں۔ یہ آپ کے چہرے پر خاک کیوں لگی ہے۔؟"

فرمایا: ام سلمہ! تمہیں معلوم نہیں میں کربلا سے آرہا ہوں۔ میرا لعل حسینؑ تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کر دیا گیا۔ اے ام سلمہ! میں نے ایک ایک شہید کو رخصت ہوتے دیکھا۔ اے ام سلمہ! میں نے ایک ایک شہید کو لڑتے دیکھا، اے ام سلمہ! میں نے ایک ایک شہید کو گرتے دیکھا۔ ام سلمہ! میں نے ایک ایک شہید کو دم توڑتے دیکھا۔ ام سلمہ! میں نے ایک ایک شہید کے سرہانے اپنے حسینؑ کو آتے دیکھا، روتے دیکھا۔ مگر ام سلمہ جب میرا لعل ذبح ہو رہا تھا کوئی سرہانے نہ تھا۔ ہاں! میں موجود تھا، علیؑ موجود تھے، فاطمہؑ موجود تھیں، حسنؑ موجود تھے انبیاءؑ، موجود تھے، ملائکہؑ موجود تھے۔ حسینؑ حق بندگی ادا کر رہے تھے اور معبود دیکھ رہا تھا۔ ام سلمہ! یہ جو تم شیشے میں خون دیکھ رہی ہو اس میں میں نے ہر شہید کا تھوڑا تھوڑا خون جمع کیا ہے۔

اجرکم علی اللہ

میں آپ کی خدمت میں کچھ اور تذکرے اس لیے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ میرے بچوں، جوانوں، بیٹیوں کے ذہنوں میں یہ روایتیں محفوظ رہیں جنھیں سارے علمائے اسلام نے متفقہ طور پر لکھا ہے۔ اس میں ایک تذکرہ میں اس لیے بھی

سنانا چاہتا ہوں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنی کتاب غُنْیَۃُ الطَّالبین میں یہ لکھا ہے کہ جب حسینؑ شہید ہوگئے عاشور کے دن دس محرم کو سن اکسٹھ ہجری کو حسینؑ شہید ہوگئے تو اللہ نے آسمان سے ستّر ہزار ملائکہ اُتارے۔ وہ مَلک جن کا کام ساری زندگی صرف عبادت کرنا ہے، وہ مَلک جو ایک سکنڈ کے لیے عبادتِ خدا چھوڑ کر الگ نہیں ہوسکتا ہے، وہ مَلک اللہ کے حکم اور اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرسکتا ہے۔ ستّر ہزار ملائکہ اللہ نے آسمانوں سے اُتارے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی نے لکھا ہے کہ یہ ستّر ہزار ملائکہ قیامت تک قبرِ حسینؑ کا طواف کرتے رہیں گے، قبرِ حسینؑ کے چاروں طرف گھومتے رہیں گے اور کیسے گھومتے رہیں گے؟ ان کے سر و سینہ پر خاک ملی ہوگی اور یہ قیامت تک حسینؑ پر روتے رہیں گے۔

اللہ نے یہ ستّر ہزار ملائکہ نہیں اُتارے ہیں، یہ دُنیا کو بتایا ہے کہ دیکھو حُسینؑ کا غم ایسی عبادت ہے کہ میرا وہ مَلک جو صرف عبادت کے لیے پیدا ہوا ہے جو صرف عبادت میں مصروف رہتا ہے، اس کو میں نے آسمانوں سے اُتارا ہے۔ اپنی تسبیح کے بجائے، اپنی تحمید کے بجائے، اپنی تحلیل کے بجائے، اپنے تذکرے کے بجائے میں نے ان سے کہا ہے کہ یہ سب بھی عبادت ہے اور میرے حسینؑ کی قبر کا طواف بھی عبادت ہے، ان پر رونا بھی عبادت ہے، ان کے غم میں غمگین رہنا، غمگین چہرہ بنانا، غمگین لباس پہننا بھی عبادت ہے۔

میں آپ کے سامنے ایک تیسرا تذکرہ اور کرنا چاہتا ہوں اور اس کے بعد تھوڑا سا تذکرہ عاشور کے دن کا کرکے اس مجلس کو تمام کرنا چاہتا ہوں۔ تیسرا تذکرہ یہ ہے کہ امیر المومنینؑ جب صفین جارہے تھے تو صفین جاتے ہوئے آپ زمینِ کربلا سے گزرے۔ آپ اس وقت کو یاد کریں، جب حسینؑ رسولؐ کے سینے پر تھے اور

حسینؑ مدینے میں تھے، کربلا دُور تھی، حسینؑ چھوٹے تھے۔ اور اس صُورت حال پر آپ نظر رکھیں کہ جب صفین کی لڑائی کے لیے کوفہ سے روانہ ہو کر امیر المومنین کربلا کی زمین پر پہونچے تو کہا: رُک جاؤ، رُک جاؤ۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں میری اولاد قتل ہوگی، یہ وہ جگہ ہے جہاں اُن کے خیمے لگائے جائیں گے، یہ وہ جگہ ہے جہاں ان کی قبریں بنائی جائیں گی اور وہ ساری تفصیل بیان کرنے کے بعد نبیؐ کا یہ جانشین اور ہم اور آپ کے امامِ اوّل و مولا زمین پر بیٹھ گئے اور اتنا روئے، اتنا روئے کہ آنسو زمین پر گرتے جاتے تھے ان سے زمین تر ہو گئی۔ روتے روتے ایک مرتبہ حسینؑ کی طرف دیکھا اور فرمایا میرے لعل! ایک دن تم کو یہاں اپنی قربانی ادا کرنا ہوگی۔ اس دن میں نہیں ہوں گا۔

کس کی زبان میں دم ہے جو یہ بتا سکے کہ کیسے بے چین ہو کے باپ نے حسینؑ کو رُخصت کیا ہوگا کہ میں اس وقت آئندہ اس زمین پر تم کو قربانی پیش کرنے کے لیے رخصت کر رہا ہوں۔ پھر مولاؑ چلے گئے، صفین چلے گئے۔ یہ تین تذکرے ہیں آپ کے ذہنوں میں چھوڑ کے بیان کرنا چاہتا ہوں کہ وہ دن آگیا جو کبھی نبیؐ نے بیان کیا تھا وہ دن آگیا جو کبھی علیؑ نے بیان کیا تھا۔ وہ دن آگیا جس کی رات کو رات بھر حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے عبادت خدا میں بسر کیا تھا۔ عاشور کی صبح ہوئی۔

ابھی حسینؑ اور ان کے ساتھی نماز میں مصروف تھے، وظیفے میں مصروف تھے دُعاؤں میں مصروف تھے کہ ایک مرتبہ دُشمن کی طرف سے تیر آنا شروع ہو گئے۔ دُشمن نے جنگ چھیڑ دی۔ جب زیادہ تیر ہوئے تو حسینؑ نے ہاتھ اٹھا کے کہا:

"پالنے والے! تیرا بندہ آج حاضر ہے۔ مجھے توفیق دے دے کہ میں تیری راہ میں قربانیوں کا حق ادا کر سکوں۔"

حسینؑ اٹھ کھڑے ہوئے، اکبرؑ اٹھ کھڑے ہوئے، عبّاسؑ اُٹھ کھڑے ہوئے

اصحابِ حسینؑ اُٹھ کھڑے ہوئے، اعزّا اُٹھ کھڑے ہوئے، بنی ہاشم اُٹھ کھڑے ہوئے اور حسینؑ نے اس مشکل موقع پر بھی نظم وضبط کا پیغام دیا۔ کیسے پیغام دیا؟ چھوٹا سا لشکر، پیاسا لشکر جس میں کچھ بوڑھے اور وہ بھی ۹۴ سال کے بوڑھے، کچھ جوان اور کچھ کم سن، اتنے کم سن کہ گھوڑے پر خود سوار نہیں ہو سکتے، گود میں لے کے سوار کیے جاتے ہیں۔ اتنا مختصر سا لشکر تھا لیکن حسینؑ نے اس کو مرتّب کیا، کیسے مرتب کیا۔ ایک حصہ میمنہ قرار دیا، داہنا حصّہ قرار دیا۔ ایک بایاں حصہ قرار دیا۔ ایک پر حبیب کو مقرر کیا، ایک پر زہیر کو مقرر کیا۔ درمیان میں قلبِ لشکر قرار دیا اور اس کا علم عباسؑ علمدار کو دیا اور خود عباسؑ کے علم کے نیچے کھڑے ہو گئے۔

یہ پیاسے ہیں۔ یہ جان دینے والے ہیں۔ یہ قربانیاں پیش کرنے والے ہیں لیکن انھوں نے کہا، اس آخری موقع پر بھی ہم سے سیکھو کہ تنظیم کسے کہتے ہیں۔ دشمن کی طرف سے جب حسینؑ کی طرف تیروں کی بارش شروع ہوئی، ایک مرتبہ اصحاب آگے بڑھ آئے۔ اصحاب میں کچھ پیدل تھے اور کچھ سوار تھے۔ جو سوار تھے وہ آگے کھڑے ہو گئے اور وہ گھوڑوں سے گھوڑوں کو ملا کے کھڑے ہو گئے اور جو پیدل تھے وہ ان کے پیچھے زمین پر اپنے اپنے گھٹنے ٹیک کے، اپنے شانے سے شانہ ملا کے کھڑے ہو گئے۔ ہاں دنیا میں حفاظت کی جاتی ہے تو پتھروں کی دیوار سے حفاظت کی جاتی ہے، لوہے سے حفاظت کی جاتی ہے۔ لیکن کربلا میں حسینؑ کے اصحاب حسینؑ کی اور بنی ہاشم کی، اہلبیتؑ کی حفاظت کر رہے تھے اپنے جسموں کے ذریعے۔ یہ کیوں کیا تھا؟ یہ اس لیے کیا تھا کہ حبیبؓ نے زہیرؓ کو آواز دی، زہیر نے بریر کو آواز دی، بریر نے ہلال کو آواز دی، ہلال نے مسلم ابنِ عوسجہ کو آواز دی۔ ایک صحابی نے دوسرے صحابی کو آواز دی ــــ "جس دن کے ہم منتظر تھے وہ آگیا ہے۔ دشمن حسینؑ کی جان لینا

چاہتا ہے۔ شیرو! اس طرح جسم سے جسم ملا کے کھڑے ہو جاؤ کہ میدان سے کوئی آنے والا تیر ہمارے درمیان سے نکل کے حسینؑ کے خیموں تک نہ جا سکے۔" تیر پھینکنے والا ہزاروں کا لشکر تیر پھینکتے پھینکتے تھک گیا، لیکن حسینؑ کے پر پیاسے صحابی، یہ پیاسے ساتھی اپنی قربانیوں کے پیش کرنے میں نہیں تھکے۔ جب تیروں کا تانتا رک گیا تو آپ نے اطمینان کی سانس لی۔ اسی وقت لوگوں نے دیکھا کہ ایک خیمے سے ایک کنیز نکلی اور وہ ایک شخص کے سرہانے بیٹھ کے رونے لگی۔ امامؑ نے پوچھا: "یہ کس کے سرہانے رو رہی ہے۔ کون ہے؟"

کہا: مولا! تیر کھاتے کھاتے آپ کے بوڑھے صحابی مسلم بن عوسجہ زمین پر آ گئے ہیں، یہ ان کی کنیز ہے جو اپنے آقا پر رو رہی ہے۔

حسینؑ آئے۔ زمین پر بیٹھے۔ مسلم کا سر اٹھایا، اپنی گود میں رکھا۔ کہا: مسلم! کیا حال ہے؟

کہا: آقا! اس سے بہتر حال کیا ہو گا۔ اپنا فریضہ ادا کر چکا، اپنا حق جو ادا کرنا چاہتا تھا، ادا کر چکا۔ اس سے زیادہ میری منزل کیا ہو گی کہ میرا سر آپ جیسے معصوم کی گود میں ہے اور کچھ معصومین میرے استقبال کے لیے کھڑے ہیں۔

عزیزو! مسلم کے قریب حبیب ابن مظاہر آئے اور کہا: خیموں میں تمھارے بیوی بچے موجود ہیں اگر کوئی وصیت کرنا چاہتے ہو تو وصیت کر جاؤ۔ یہ کہتے کہتے حبیب رونے لگے کہ میں بھی تمھارے پیچھے پیچھے تھوڑی دیر میں آ رہا ہوں۔

مسلم بن عوسجہ کا وقت نازک ہو چکا تھا۔ زبان پورے طور پر کام نہیں کر رہی تھی، سانس اکھڑ چکی تھی۔ ایک مرتبہ آنکھ کے اشارے سے حسینؑ کی طرف دیکھا اور کہا:

"اُوْصِيْكَ بِحَقِّ الْاِمَامِ۔"

اے حبیب! ایک وصیت یہ ہے کہ جب تک میں زندہ رہا مولا کی حفاظت

کرتا رہا، جب تک تم زندہ رہنا میرے مولا پر آنچ نہ آنے دینا۔ نہ بیٹے کے لیے کوئی وصیت کی، نہ بیوی کے لیے کوئی وصیت کی۔

حسینؑ اپنے چاہنے والے کی لاش پر رو رہے تھے کہ ایک چھوٹا سا بچّہ جس کی کمر میں تلوار بندھی ہوئی تھی، خیمہ سے نکلا۔ خیمہ میں کوئی پیچھے کھڑا تھا، اسے سلام کیا۔ حسینؑ کو عجیب وغریب محبت کی نگاہ سے دیکھا اور ایک مرتبہ دشمن کی فوج کی طرف چلنے لگا۔ حسینؑ نے کہا: یہ بچہ کہاں جاتا ہے اسے واپس لاؤ۔

اصحاب اُسے محبت سے لائے۔ اللہ اللہ میں جب کبھی سوچتا ہوں کہ میرا مولا جب اس بچّے کو واپس لانے کے لیے کہے تو اصحاب محبت سے لائیں، لیکن جب مولا کی لاش سے سکینہؑ لپٹی ہوئی تھی تو لوگوں نے طمانچے مارے، تازیانے لگائے۔

بچّہ قریب آیا، حسینؑ کے پاس آیا۔ کہا: "بیٹا! تم کس کی نشانی ہو۔ تم کس کے بیٹے ہو۔ کون ہے تمھارا باپ؟" اس نے چھوٹے چھوٹے ہاتھ جوڑ کے کہا:

"مولا! یہ جس کی لاش آپ کے سامنے ہے، جس کا سر آپ کی گود میں ہے اس کا بیٹا ہوں۔"

حسینؑ نے کہا: میرے کلیجے سے لگ جاؤ۔ ابھی تمھارے باپ نے شہادت پائی ہے۔ خیمہ میں تمھاری ماں موجود ہے۔ جاؤ خیمے میں واپس جاؤ تاکہ تمھاری بیوہ ہونے والی ماں تمھارے سہارے زندگی کے دن گزارے۔

بچّہ ابھی سر جھکائے کھڑا ہی تھا کہ خیمہ کا پردہ اُٹھا کے سر پر چادر ڈال کے ایک خاتون نکلی اور اس نے کہا: مولا! مسلم شہید ہوئے وہ ان کی قربانی ہے، میں عورت ہوں، ہم پر سے جہاد ساقط ہے۔ یہ بچّہ میرا ہے میں نے اسے بھیجا ہے اسے جانے دیجئے تاکہ یہ میرا ہدیہ قبول ہو جائے، میں شہزادیؑ کونینؑ کے سامنے

سُرخرو ہو جاؤں ...!"

اَجرُکُم عَلَی اللہ

میں مجلس کو تمام کرنا چاہتا ہوں۔ میری بہنو! میری بیٹیو! میرے بزرگو! میرے نوجوانو! آج غم کا دن ہے، آج ماتم کا دن ہے۔ آج ہمیں حقِ ماتم ادا کرنا چاہیئے۔ میں تمام تفصیلات چھوڑ کے اس مرحلے پر آنا چاہتا ہوں جو اہلِ حرم کے لیے سب سے زیادہ سخت مرحلہ تھا۔ جب تک عباسؑ کے مرنے کی خبر آئی، علی اکبرؑ کا جنازہ آیا جب تک اصغرؑ دفن کیے گئے، جب تک اصحاب کی لاشیں آتی رہیں عورتوں نے خیموں میں بیٹھنے والی عورتوں نے اپنا دل سنبھالے رکھا۔ ہم نہ روئیں گے، ہم غم نہ کریں گے۔ اللہ ہمارے امام کو سلامت رکھے، اللہ ہمارے امام کو صحیح سلامت رکھے مگر جب علی اصغر کو دفنا کے حسین درِ خیمہ پر آئے اور آنے کے بعد آپ نے اپنی بہن سے کہا: بہن! میں جانتا ہوں میری شہادت کے بعد میرے جسم سے لباس اُتارا جائے گا تم مجھے پرانا لباس لا کے دے دو تاکہ میں اسے پھاڑ کے پہن لوں۔ میرا لباس جب لوٹا جائے یہ پرانے کپڑے باقی رہ جائیں۔

زینبؑ نے لا کے بھائی کو یہ پرانے کپڑے نہیں دیئے، یہ بہن نے زندگی میں بھائی کو کفن پہنایا۔ حسینؑ نے لباس تبدیل کیا، لباس تبدیل کرنے کے بعد خیمے میں آئے، اس کے بعد کہا: بچو! یہ حسینؑ مرنے جا رہا ہے، یہ حسینؑ گلا کٹانے جا رہا ہے اور تم کو یہ پیغام دینے آیا ہوں کہ میں تیار ہو گیا ہوں شہادت کے لیے بچو! تم تیار ہو جاؤ طمانچے کھانے کے لیے۔ بیبیو! تم تیار ہو جاؤ تازیانوں کی اذیت برداشت کرنے کے لیے۔ اے غیرتِ بنی ہاشم! تیار ہو جاؤ کہ تم کو بغیر چادر کے گرفتار کر کے محلوں میں لے جایا جائے گا۔ اور اس کے بعد حسینؑ نے زینبؑ سے

کہا: بہن میرے ساتھ آؤ، میں اپنے بیٹے سید سجادؑ سے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔ سید سجادؑ کے پاس آئے۔ سید سجادؑ غش میں آنکھیں بند کیے لیٹے ہوئے تھے۔ شہزادی زینبؑ بیٹھ گئیں۔ آپ نے سید سجادؑ کے چہرے پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔ بیمار نے آنکھیں کھولیں، پھوپھی کے چہرے کو جھکا ہوا دیکھا۔ پوچھا:

پھوپھی اماں خیریت ہے؟

پھوپھی کیا خیریت بتلائے۔ وہ پھوپھی کیا خیریت بتلائے جو جانتی ہے کہ اب خیموں میں کوئی زندہ نہیں ہے۔ حسینؑ آگے بڑھے اور بڑھتے ہی زینبؑ نے کہا:

"بیٹا! تمھارے باپ تم سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔"

بڑی التجا کے ساتھ کہا: "پھوپھی اماں! ذرا مجھے سہارا دے دیجیے کہ میں اپنے بستر پر اُٹھ کر بیٹھ جاؤں۔"

کیوں انسانو! ہم نہ روئیں اس کے لیے جو عاشور کے دن اتنا کمزور تھا کہ وہ بستر پر اُٹھ کر بیٹھ بھی نہ سکتا تھا، اسے گیارہ محرم کو طوق پہنا دیا گیا، ہتھکڑیاں ڈالی گئیں، بیڑیاں ڈال دی گئیں، اونٹ کی ننگی پیٹھ پر بٹھا کے اسے باندھ دیا گیا۔

مختصر طور پر آپ سنیں۔ حسینؑ قریب آئے اور کہا: بیٹا میں تم کو رخصت کرنے کے لیے آیا ہوں۔ سید سجادؑ نے حسینؑ کو دیکھا، سر سے پیر تک زخمی دیکھا، جسم حسینؑ میں لگے ہوئے تیر دیکھے، کہا:

بابا! میرا بھائی علی اکبرؑ کہاں ہے؟ میرا چچا عباسؑ کہاں ہے؟ آپ کے اصحاب کہاں ہیں؟

کہا: بیٹا! سب حقِ شجاعت ادا کر چکے، سب حقِ وفا ادا کر چکے، سب حقِ نصرت ادا کر چکے۔ بس اب مردوں میں ایک میں زندہ ہوں، ایک تم زندہ ہو

اور سید سجّاد! میں تم سے یہ کہنے آیا ہوں کہ جو مصیبتیں میں نے دیکھی ہیں وہ تو تم نے بھی دیکھی ہیں لیکن جو میں نے نہیں دیکھی ہیں اے میرے بیٹے تم کو وہ مصیبتیں دیکھنا پڑیں گی دیکھو! میں ابھی سکینہؑ کو چھوڑ کے جارہا ہوں، تم کو اس کے چہرے پر طمانچوں کے نشان دیکھنا پڑیں گے، تمھارے سرہانے زینبؑ بیٹھی ہیں تم کو انھیں رسّی میں بندھا ہوا دیکھنا پڑے گا۔

اے سیدِ سجّادؑ! میں تم کو ابھی خیمے میں چھوڑ کے جارہا ہوں، تھوڑی دیر میں تم کو خیموں میں آگ دیکھنا پڑے گی۔ اے میرے لعل صبر کرنا، بددُعا نہ کرنا، قربانی کی منزلوں سے گزر جانا۔ سید سجادؑ نے کہا: بابا جایئے۔ میں آپ کا بیٹا ہوں، آپ کی وصیتوں پر عمل کروں گا اور دُنیا کو بتاؤں گا کہ صبر کیسے کیا جاتا ہے۔

حسینؑ چلے اور جب حسینؑ چلنے لگے تو سارے بچے حسینؑ کو رخصت کرنے کے لیے چلے، ساری بیبیاں رخصت کرنے کے لیے چلیں۔ درِ خیمہ پر رُک کے حسینؑ مُڑے حسینؑ، اصحاب کی بیواؤں اور بچوں کو، بنی ہاشم کی بیواؤں اور بچوں کو، سارے عزیزوں کو، سارے احباب کی عورتوں اور بچوں کو ایک مرتبہ حسینؑ نے آواز دی:

خدا حافظ و ناصر! میں رخصت ہو رہا ہوں۔ فضّہ سلام، سکینہؑ سلام، زینبؑ سلام، ام کلثومؑ سلام، ربابؑ خدا کے حوالے۔ یہ کہہ کے حسینؑ چلے، باہر نکلے گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے تھے، کوئی سوار کرنے والا نہ تھا۔ زینبؑ قریب آئیں، بھائی کا بازو پکڑا، حسینؑ کو سوار کیا۔ حسینؑ چلے۔ جب چلے تو چاہتے تھے گھوڑے کو آگے بڑھائیں لیکن گھوڑا رک گیا، اس نے اپنے سر کے اشارے سے مولا سے کہا:

"میرے قدم کی طرف دیکھیے"۔ اب جو حسینؑ نے دیکھا، ننھی سکینہؑ گھوڑے کے پیروں سے لپٹی ہوئی ہے۔ میں بابا کو نہ جانے دوں گی۔ میں بابا کو نہ جانے

دوں گی ـــــ میں بابا کو نہ جانے دوں گی ـــــ" حسینؑ اتر پڑے، ننھی بچی کو اُٹھایا سینے سے لگایا، اس کے کان میں اللہ جانے کیا کہا کہ سکینہؑ نے کہا:

"بابا! آپ جایئے، اب میں نہ روکوں گی، آپ جایئے۔ اب میں نہ روکوں گی میں آپ کے بعد طمانچے بھی کھاؤں گی، میں آپ کے بعد تازیانے بھی کھاؤں گی، میں آپ کے بعد اونٹوں سے گر گر بھی پڑوں گی، میں عالمِ غربت میں جان بھی دے دوں گی۔ میں سب وعدہ کرتی ہوں اور صبر کے ساتھ ساری منزلیں طے کرلوں گی۔ اے بابا! کیا ممکن ہے کہ چلتے چلتے آخری مرتبہ کلیجے سے لگا کے آپ مجھے لپٹا کے پیار کرلیں، تاکہ جب میں طمانچے کھاؤں، جب میں تازیانے کھاؤں، جب میں زحمتیں جھیلوں تو مجھے یہ آپ کی محبت سہارا دے سکے۔

حسینؑ نے بچّی کو لپٹا کے پیار کیا، زمین پر اُتار دیا۔ گھوڑے پر بیٹھے: بچّی نے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اٹھائے۔ بابا جایئے خدا حافظ و ناصر۔ اب سکینہؑ آپ کو نہیں روکے گی۔

حسینؑ کربلا کے میدان میں آئے، جہاد شروع کیا۔ فوجوں پر حملہ شروع کیا حملے کا یہ عالم تھا کہ دائیں طرف حملہ کرتے تھے لشکر دُور تک بھاگتا تھا، بائیں طرف حملہ کرتے تھے لشکر دُور تک بھاگتا تھا۔ رُک جاتے تھے۔ لشکر پلٹ کے آتا تھا تو حملہ کرتے تھے، آواز دیتے تھے۔ تم نے میرے بھائی کو مار ڈالا۔ تم نے میرے بھتیجے کو مار ڈالا۔ تم نے میرے بچے کو مار ڈالا۔ یہ حسینؑ تمہارے سامنے موجود ہے میرا سر کاٹنا چاہتے ہو ـــ آؤ! ـــ کون ہے جو میرے سامنے آتا ہے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ حسینؑ تلوار نیام میں رکھ لیتے تھے اور گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے جاتے تھے، دو دو سپاہیوں کو اُن کے گھوڑوں سے اُٹھاتے تھے

سر سے سر ٹکراتے تھے، لاشوں کو زمین پر پھینک دیتے تھے ـــــ

ـــــ پہچانو! میں حیدرؑ کرّار کا فرزند ہوں۔

ـــــ پہچانو! میں نواسۂ رسولؐ ہوں۔

ـــــ پہچانو! میں نے فاطمہؑ کا دودھ پیا ہے۔

ـــــ پہچانو! میں عباسؑ علمدار کا امام ہوں۔

ـــــ پہچانو! میں اکبرؑ کا باپ ہوں۔

ـــــ پہچانو! میں قاسمؑ کا چچا ہوں۔

ـــــ پہچانو! میں حبیبؑ کا امام ہوں۔

لشکر سے صدائیں بلند ہوتی تھیں ـــــ فرزند رسولؐ! الامان۔ الامان! ـــــ حسینؑ کہتے تھے: امان مانگتے ہو؟! تم نے میرے بچوں کو امان نہیں دی ـــــ امان مانگتے ہو! میری شہادت کے بعد میرے اہل حرم کو امان نہیں دو گے۔

حملہ کرتے کرتے، خون بہتے بہتے، زخم کھاتے کھاتے حسینؑ اتنے زخمی ہو گئے، اتنے مجبور ہو گئے، اتنے کمزور ہو گئے کہ اب تلوار نہیں چلتی، اب نیزہ نہیں سنبھلتا۔ اب حسینؑ گھوڑے پر نہیں سنبھلتے۔ جب گھوڑے نے محسوس کیا اب حسینؑ ڈگمگا رہے ہیں، ایک مرتبہ وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ مولا! میں اس لیے بیٹھے جاتا ہوں کہ کم سے کم فاصلہ کم ہو جائے گا۔ آخری مرتبہ حسینؑ گھوڑے پر ڈگمگائے اور جب چلے زمین کی طرف تو کہتے ہوئے چلے:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ رِضًا بِقَضَآئِہٖ وَتَسْلِیْمًا لِاَمْرِہٖ

ادھر سے ہاتف غیبی آواز دے رہا تھا:

یَآ اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝

حسینؑ زمین پر آ گئے۔ ایک شخص تھا جو حسینؑ پر تلوار چلانا چاہتا تھا حسینؑ کا ایک بھتیجہ امام حسنؑ کا بیٹا عبداللہؑ اس نے دیکھ لیا، دوڑ کے آیا۔ تم میرے چچا پر تلوار مارو گے؟ جب تک بچہ دوڑ کے پہونچے پہونچے، ظالم تلوار اونچی کر چکا تھا۔ بچے نے اپنے دونوں ہاتھوں پر روکا، دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ بچہ کٹے ہوئے ہاتھوں کو لے کے حسینؑ کی گود میں بیٹھ گیا، حسینؑ کے لیے بیٹھنا مشکل تھا وہ بیٹھ گئے۔ اور ایک ظالم نے عبداللہ بن حسنؑ کے تیر مارا۔ ذرا سوچیئے! چھ مہینے کے اصغرؑ کی لاش کو سنبھال لینا پھر بھی آسان تھا لیکن یہ چودہ سال کے بھتیجے کو تڑپتا ہوا سنبھالنا بہت مشکل کام حسینؑ کے لیے تھا، جو ابھی گھوڑے سے گرے ہیں۔

عبداللہ نے دم توڑا۔ چچا نے بھتیجے کی میت برابر میں رکھ دی۔ تھوڑی دیر کے بعد شمر ملعون آیا، جب شمر آیا تو حسینؑ نے کہا ــــ صاحبِ روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ حسینؑ نے کہا: رُک جا۔ اتنی دیر رک جا، مجھے میراثِ شہادت اپنے باپ سے ملی ہے اور میرا باپ نماز پڑھتے ہوئے شہید ہوا ہے۔ تو میں چاہتا ہوں کہ نماز پڑھتے ہوئے شہید ہو جاؤں۔

حسینؑ نے دو رکعت نماز شروع کی۔ سجدے میں سر تھا کہ شمر ملعون نے خنجر چلانا شروع کر دیا ــــ زمینِ کربلا میں زلزلے آنے لگے۔ آفتاب کو گہن لگ گیا ــــ آسمان سُرخ ہو گیا، آسمان سے خون کی بارش ہونے لگی۔ سید سجادؑ کو زینبؑ نے جگایا: اے بیٹا۔ ذرا دیکھو یہ حشر کا سامان کیسا ہے؟

پھوپھی اماں! میرا باپ ذبح ہو گیا۔ کان میں آواز آ رہی ہے: حُسینؑ

قتل کر دیے گئے۔ حسینؑ شہید کر دیے گئے۔ حسینؑ ذبح کر دیے گئے۔ زمین کربلا میں آثارِ ماتم پیدا ہیں۔ بیبیاں سمٹیں کہ زینبؑ کو پُرسہ دیں۔ زینبؑ نے چاہا کہ سیّد سجّادؑ کو پرسہ دیں۔ اتنی دیر میں بیچین سکینہؑ ایک ایک سے پوچھ رہی تھی :

اماں! میرے بابا کا حال بتاؤ۔ پھوپھی اماں! میرے بابا کا حال بتاؤ کہ اتنی دیر میں ذوالجناح جو حسینؑ کا گھوڑا تھا وہ خیمہ کے پاس آیا۔ اس نے جیسے ہی آواز بلند کی، سکینہ گرتی پڑتی ہوئی نکلی ــــ آؤ آؤ بیبیو! میرا بابا آ گیا۔ میرے بابا کا گھوڑا بول رہا ہے ــــ لیکن بچی نے جو جا کر دیکھا تو زین خالی ہے۔ گھوڑے کی لگامیں کٹی ہوئی ہیں۔ ارے وہ سکینہؑ جس نے تھوڑی دیر پہلے اسی گھوڑے کے پیروں سے لپٹ کر کہا تھا: میں بابا کو نہ جانے دوں گی، وہ گھوڑے سے پھر لپٹ گئی۔ اے گھوڑے تیرا سوار کہاں ہے؟ اب بتا دے مجھے اپنے سینے پر کون سُلائے گا۔؟

سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ.

مجلس

۱۱

شامِ غریباں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آج کی شام کو انسانی تاریخ کبھی بھول نہیں سکتی ہے۔ عاشور کی شام شامِ غریباں کہلاتی ہے یعنی غریبوں کی شام۔ کیوں ہے یہ غریبوں کی شام؟ اس لیے کہ ایسے غریب جو آج شام کو کربلا میں جمع تھے، ویسے غریب زمانے میں کبھی جمع نہیں ہوئے۔ دنیا میں وہ غریب کہلاتا ہے جس کے پاس کھانے کو نہیں ہوتا ہے۔ یہ وہ غریب ہیں جنھوں نے چار دن سے پانی بھی نہیں پیا ہے۔

لیکن عزادارانِ مظلومِ کربلا! میں ذکرِ مصائب کے ساتھ ساتھ چند منٹ آپ کے لینا چاہتا ہوں۔ اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے کہ کربلا میں جتنی مصیبتیں ایک ساتھ جمع ہوگئیں ایسی مصیبتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہوجاتیں۔ لیکن صرف مصیبتوں کا جمع ہونا یہ اتنی اہمیت نہیں رکھتا ہے جتنی اہمیت اس بات کی ہے کہ جو مصیبتیں آئی ہیں اور جن پر آئی ہیں ان کی لاعلمی میں نہیں آئی ہیں۔

واقعۂ کربلا کا ایک امتیاز اور خصوصی امتیاز یہ ہے کہ یہ وہ واقعہ ہے کہ جب سے

زمین پر جناب آدمؑ آئے اللہ ہر ایک سے اس ہونے والے واقعہ کا تذکرہ کرتا رہا۔ دنیا میں کسی واقعہ کا تذکرہ ہوتا ہے تو واقعہ کے ہو جانے کے بعد ہوتا ہے۔ لیکن واقعۂ کربلا وہ واقعہ ہے جس کا تذکرہ ہونے سے پہلے ہو رہا ہے۔ جناب آدمؑ دعا مانگ رہے ہیں نبیؐ کے نام کا واسطہ، علیؑ کے نام کا واسطہ، فاطمہؑ کے نام کا واسطہ، حسنؑ کے نام کا واسطہ اور جیسے ہی حسینؑ کے نام کا واسطہ ان کی زبان پر آیا ویسے ہی آدم کا دل غمگین ہو گیا پوچھا: جبرئیل! یہ کون ہیں جن کا نام لیتے ہی میرا دل غمگین ہو گیا۔

جبرئیلؑ نے کہا: آپ کی اولاد میں جو آخری نبیؐ ہوگا ان کا چھوٹا نواسہ ہے اور جو اس طرح دین کو بچانے کے لیے کربلا میں قربان ہوگا۔

جناب نوحؑ کو طوفان میں بچانے والی کشتی چلانے سے پہلے کشتی کی حفاظت کے لیے پانچ کیلیں دی جاتی ہیں کہ لو، ان کو کشتی میں لگا دو، ٹھونک دو اپنی کشتی میں تاکہ بڑی سے بڑی موج کے باوجود بھی کشتی محفوظ رہے۔ جناب نوحؑ ان کیلوں کو اپنی کشتی میں لگانا شروع کرتے ہیں اور ایک ایک کیل ایک ایک نام سے منسوب ہے یہ نبیؐ کے نام کی کیل ہے، یہ علیؑ کے نام کی، یہ فاطمہؑ کے نام کی ہے، یہ حسنؑ کے نام کی ہے اور آخر میں جب وہ حسینؑ کے نام کی کیل اپنی کشتی میں لگاتے ہیں تو وہ کیل جو لوہے کی تھی، جو فولاد کی تھی' اس کیل کے سر پر ایک آنسو جیسی کوئی چیز دکھائی دینے لگتی ہے۔ نوحؑ کہتے ہیں یہ پانی کیسا اس کے سر پر نظر آرہا ہے۔؟ یہ آنسو اس کے ماتھے پر کیسے نظر آرہا ہے۔؟

جبرئیل کہتے ہیں: یہ جس کے نام کی کیل ہے اس کے مصائب کی تاثیر ہے۔

تو میں آپ کے سامنے اس ذکر کو دیر تک نہیں پیش کرنا چاہتا ہوں بلکہ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ واقعہ کربلا وہ واقعہ ہے کہ دنیا کی عام رفتار کے برخلاف اس

واقعہ کا خدا نے واقعہ سے پہلے اعلان کیا، تذکرہ کیا، ایک ایک نبیؑ سے کیا اور جو بھی نبی گزرا کربلا کی زمین سے گزرا، وہ حسینؑ پر رو کے گزرا۔ اس واقعہ کربلا کا ایک مخصوص امتیاز ہے۔

اب میں ایک منٹ کے لیے آپ کی توجہ حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ واقعہ سے پہلے آدمؑ کو واقعہ معلوم، انبیاؑ کو واقعہ معلوم، حسینؑ کے بزرگوں کو واقعہ معلوم، اور خود امام حسینؑ کو بھی معلوم۔

حسینؑ جو کربلا میں اللہ کا دین بچانے کے لیے اور انسانوں کے لیے ہدایت کا سامان فراہم کرنے کے لیے قربانیاں دے رہے ہیں تو ان قربانیوں کو حسینؑ دے رہے ہیں مگر حسینؑ کی ان قربانیوں کا وعدہ نبیؐ کر رہے ہیں، حسینؑ کی ان قربانیوں کا وعدہ علیؑ کر رہے ہیں، حسینؑ کی ان قربانیوں کا وعدہ فاطمہؑ کر رہی ہیں، حسینؑ کی ان قربانیوں کا وعدہ حسنؑ کر رہے ہیں۔

پالنے والے! یہ تو ان سے وعدہ کیوں لے رہا ہے؟

کہا: یہ وعدہ اس لیے لے رہا ہوں کہ جب حسینؑ قربانیاں دیں تو نبیؐ بھی اس میں شریک رہیں، علیؑ بھی اس میں شریک رہیں، فاطمہؑ بھی اس میں شریک رہیں، حسنؑ بھی اس میں شریک رہیں۔

میں نے کہا: یہ تو دنیا سے جا چکے ہوں گے، یہ کیسے شریک ہوں گے؟

کہا: واقعہ سے پہلے ان کا اس بات پر راضی ہونا کہ ہمارا لعل، ہمارا بیٹا، ہمارا بھائی کربلا کے میدان میں بھوکا اور پیاسا شہید ہو، یہ اس قربانی سے کہیں سخت قربانی ہے جو کربلا میں حسینؑ دیں گے۔

میں نے کہا: پروردگار! مجھے سمجھا دے کیسے؟ حسینؑ نے تو قربانیاں دی ہیں

انھوں نے تولاشیں اٹھائی ہیں۔ لیکن نبیؐ کے لیے یہ قربانی کیسے عظیم قربانی ہوجائے گی؟

کہا: اس تاریخ کو پڑھو، اس واقعہ کو پڑھو جب اسمٰعیلؑ کو لے کے میرے نام پر ابراہیمؑ ذبح کرنے کے لیے جارہے ہیں۔ روک کے ابراہیمؑ سے پوچھ لو کہ ابراہیمؑ! کون سا امتحان سخت ہے، اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کو ذبح کرنا زیادہ سخت ہے، یا اپنے ہاتھ سے اپنے گلے پر چھری پھیر لینا سخت ہے؟ تو ابراہیمؑ کا جواب ہوگا: ایک نہیں، اگر ستر مرتبہ میں گلے پر چھری پھیر لوں اور اپنے کو راہِ خدا میں شہید کر دوں تو یہ میرے لیے آسان ہے، لیکن نوجوان بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا یہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہے۔

تو جب ابراہیمؑ نے کہا: اپنا گلا کٹا دینا آسان ہے لیکن اپنے فرزند کی قربانی کو گوارا کرنا اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ تو پہچانیے حسینؑ کا قربان ہوجانا بڑا کارنامہ ہے لیکن نبیؐ کا راضی ہوجانا، بزرگوں کا راضی ہوجانا۔ یہ ان کی قربانیوں سے بڑی قربانی ہے اسی لیے میں آپ کے سامنے ایک لفظ کہنا چاہتا ہوں: امامؑ نے جب اپنی قربانی پیش کی ہے خدا کی راہ میں وہ اتنا سخت امتحان نہ تھا جب اکبرؑ کو اپنے ہاتھوں پر لائے تھے، جب اصغرؑ کو اپنے ہاتھوں پر لائے تھے۔ جب اکبرؑ کے کلیجے سے نیزے کا پھل نکالا تھا۔ جب عباسؑ کو رخصت کر رہے تھے۔ یہ قربانیاں حسینؑ کی اس قربانی سے کہیں زیادہ سخت تھیں جب اپنے گلے کو انھوں نے خنجر کے لیے پیش کیا تھا۔

میں آپ کی خدمت میں جو گذارش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ کیا بات ہے واقعہ کربلا میں کہ جب سے زمین پر جناب آدمؑ آئے اس کے بعد انبیاء آئے تو خدا اس واقعہ کو سناتا آیا اور یہاں تک سناتا آیا کہ جب پیغمبرؐ کا زمانہ آگیا، سب نے مل کر حسینؑ کی قربانی کا وعدہ کیا اور حسینؑ جب چلے ـــــ میں نے ایک جملہ کہا تھا

اس کو پھر دوبارہ آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کربلا میں جو مصیبتیں جمع ہوئی ہیں، یہ مصیبتیں اچانک نہیں آگئیں، ناواقفیت اور عدم علم میں نہیں آگئیں بلکہ سب کو معلوم تھا کہ یہ مصیبتیں آنے والی ہیں۔

میں آپ کی خدمت میں تذکرے کو یہاں سے یاد دلانا چاہتا ہوں جب جناب امام حسینؑ مدینہ سے رخصت ہونے والے تھے تو جناب ام المومنین ام سلمہ آئیں اور فرمایا: لعل! میں نے سنا ہے تم مدینہ چھوڑ کے جا رہے ہو؟

کہا: ہاں نانی میں مدینہ چھوڑ کے جا رہا ہوں۔

کہا: بیٹا کہاں جا رہے ہو؟

کہا: عراق جا رہا ہوں۔

کہا: کہیں جاؤ مگر عراق نہ جاؤ۔

کہا: نانی! آپ یہ کیوں کہہ رہی ہیں؟

کہا: لعل! میں نے تمہارے نانا سے سنا ہے کہ میرا لعل حسینؑ عراق میں قتل ہوگا، لہٰذا کہیں جاؤ مگر عراق نہ جاؤ۔

تو جناب امام حسینؑ نے کہا: نانی اماں! اب وقت وہ ہے کہ اللہ کی مشیت نے طے کیا ہے، اللہ کے قضا و قدر نے طے کیا ہے کہ میں دین اور ہدایت کے سامان کو قیامت تک کے لیے انسانوں کے حوالے کرنے کے لیے اور بچانے کے لیے کربلا میں اس طرح بھوکا پیاسا شہید ہو جاؤں کہ خدا مجھے دیکھنا چاہتا ہے، حقیقتوں کو دیکھنا چاہتا ہے، ہماری لاشوں کو بے گور و کفن دیکھنا چاہتا ہے، ہمارے اہل و عیال کو قیدی دیکھنا چاہتا ہے ___ تو نانی! ہم اللہ کے فیصلے کے مطابق روانہ ہو رہے ہیں۔ ام سلمہ روئیں۔ کہا: بیٹا! اب میں نہ روکوں گی۔ بیٹا جاؤ۔! جب

قضا و قدر الٰہی یہی ہے کہ دین بچنے کے لیے، سامانِ ہدایت فراہم رہنے کے لیے تم کو قربانیاں دینا ہیں تو میں کیسے روک سکتی ہوں۔

میں نے آپ کے سامنے انھیں مجلسوں میں ایک دن تذکرہ کیا تھا کہ امامؑ نے خواب دیکھ کے فرمایا کہ ہم موت کی طرف جا رہے ہیں۔ جناب زینبؑ فرماتی ہیں کہ میں راتوں کو، دنوں کو کسی غیبی آواز کو سنتی رہی جو یہ کہتی کہ یہ قافلہ موت کی طرف جا رہا ہے یہ جانے والے اپنے قدموں سے اپنی قبروں کی طرف جا رہے ہیں، اپنی قتل گاہ کی طرف جا رہے ہیں ـــــ تو مجھے بس اتنا کہنا ہے کہ آخر میں شبِ عاشور خود حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کہا کہ کل کوئی بچے گا نہیں، جتنے ہیں سب قتل ہو جائیں گے۔

تو میں سارے تذکرے کو سمیٹ کر دو جملے عرض کرنا چاہتا ہوں، واقعہ اتنا اہم ہے کہ جب سے آدم پیدا ہوئے ہیں تب سے اس کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ حسینؑ کربلا میں جاننے کے بعد، علم ہونے کے بعد، اپنے ساتھیوں کو واقف کرانے کے بعد قربانیاں دینے کے لیے آ رہے ہیں۔

تیسرا جملہ بھی مجھے یہیں عرض کر لینے دیجیے وہ یہ کہ دُنیا میں، پوری تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں گزرا ہے جس کی اتنی عظیم الشان یادگار منائی جا رہی ہو جیسی یادگار حسینؑ کی شہادت کی منائی جا رہی ہے۔ حسینؑ کو شہید ہوئے صدیاں گزر گئی ہیں، وہ ۶۱ھ میں شہید ہوئے۔ آج چودہ صدیاں ہونے والی ہیں لیکن کمی نہیں ہے حسینؑ کی یادگار میں۔ حسینؑ کی یادگاریں بڑھتی جا رہی ہیں۔ پروانے دنیا میں پھیلتے جا رہے ہیں جہاں مجلسیں نہیں ہوتی تھیں وہاں ہو رہی ہیں، جہاں جلوس نہیں نکلتے تھے وہاں بھی نکلنے لگے ہیں۔

میں اپنے محترم سننے والوں سے یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ آخر اس واقعہ میں اتنی اہمیت کیوں ہے کہ خدا ہمیشہ سے واقعہ سنا رہا ہے۔ اس واقعہ میں اتنی اہمیت کیوں ہے کہ آج پوری دنیا میں اس کی یادگار تازہ کی جا رہی ہے۔ میں اپنی ایک مجلس آپ کو یاد دلاؤں جس میں میں نے کہا تھا کہ حسینؑ جب شہید ہوئے ہیں تو آفتاب کو گہن لگ گیا ہے، آسمان سے خون برسا ہے، آسمان سرخ ہو گیا ہے، زمینِ کربلا میں زلزلے کے جھٹکے پیدا ہو گئے ہیں۔

نبیؐ کا انتقال ہوتا ہے یہ آثار پیدا نہیں ہوتے ـــــ علیؑ کا جنازہ اٹھتا ہے یہ آثار پیدا نہیں ہوتے ـــــ فاطمہؑ انتقال کرتی ہیں یہ آثار پیدا نہیں ہوتے۔ سیدِ سجادؑ نے انتقال کیا یہ آثار پیدا نہیں ہوئے۔ امام حسن عسکریؑ تک جتنے ہمارے امام شہید ہوئے، یہ آثار نہیں پیدا ہوئے۔ تو اللہ نے اتنے عظیم آثار پیدا کر کے بتایا کہ اس قربانی کی اہمیت کو پہچانو۔ میرے نبیؐ کی شہادت پر، میرے علیؑ کی شہادت پر میں نے حکم نہیں دیا کہ آسمان سرخ ہو جائے تاکہ دنیا پہچانے حسینؑ کا غم زمین تک نہیں ہے حسینؑ کا غم آسمان تک ہے۔ حسینؑ کا غم زمانے اور مکان کے ساتھ محدود نہیں ہے حسینؑ کا غم آفاقی ہے۔

تو اب میں پھر اپنے بیان کیے ہوئے حصوں کو سمیٹنا چاہتا ہوں۔ اتنا اہم ہے واقعہ کربلا کہ آدمؑ سے لے کے آج تک تذکرہ ہو رہا ہے۔ کبھی معصوموں نے تذکرہ کیا۔ کبھی بزرگوں نے تذکرہ کیا، کبھی خدا نے تذکرہ کیا، کبھی خود حسینؑ نے تذکرہ کیا، اور بعد میں دنیا والے حسینؑ کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ اور جو کچھ ہوا سب جلتے ہوئے ہوا؛ تو اب مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے کتنا عظیم ہے یہ واقعہ۔ تو جتنا عظیم ہے یہ واقعہ اتنا ہی عظیم ہے وہ سبب وہ مقصد جس کے لیے یہ واقعہ ہوا ہے۔ اتنا ہی عظیم ہے وہ مقصد

جس کے لیے یہ عظیم قربانیاں دی گئیں ۔ اتنا عظیم واقعہ چھوٹی وجہ کے لیے نہیں پیش آسکتا ہے۔ لوگوں سے آپ پوچھیں ۔ ایک ہی جواب ملے گا کہ یزید دین مٹانا چاہتا تھا حسینؑ سے بیعت لینا چاہتا تھا، حسینؑ بیعت نہیں کر رہے تھے لہٰذا یہ واقعہ پیش آیا۔ تو میں آپ کی خدمت میں سارے بیان کا نچوڑ پیش کرنا چاہتا ہوں :

واقعہ کربلا یزید کی وجہ سے پیش آیا تو یزید کیسے پیدا ہوا ؟

ایک جملہ، اہم ترین جملہ، بھرپور توجہ کے قابل جملہ، نہ بھلائے جانے کے قابل جملہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں یہ سوچنا پڑے گا کہ یزید نہ پیدا ہوا ہوتا تو حسینؑ کو قربانیاں نہ دینا پڑتیں ۔ آخر یزید کیسے پیدا ہوا ؟

میں پوری تاریخ کا سینہ چیر کے ایک جملہ میں پوری تاریخ کا خلاصہ کیے دیتا ہوں جب نبیؐ نے مسلمان سوسائٹی پیدا کی، دین پیش کیا اور پابند دین سوسائٹی پیدا کی تو اس میں جس شخص نے سب سے پہلے دین کی پابندی چھوڑی تھی اگر سوسائٹی نے اسے ٹوکا ہوتا کہ تم دین کی پابندی کیوں چھوڑ رہے ہو، تو دوسرے میں ہمت نہ پیدا ہوتی دین کی پابندی چھوڑنے کی۔ اور اگر دین کی پابندی چھوڑنے کا سلسلہ نہ شروع ہوتا تو پھر یزید نہ پیدا ہوتا ۔

معلوم ہوا یزید نہیں پیدا ہوا، نبیؐ کے پچاس سال کے بعد یزید کو پیدا کیا اس پہلی قانون شکنی نے، اس پہلے اسلام کے حکم چھوڑ دینے نے، جہاں سے سوسائٹی میں ہمت پیدا ہوئی کہ اسلام کو مانا بھی جائے اور اسلام کے احکام کو چھوڑ بھی دیا جائے معلوم یہ ہوا کہ اگر دین کے ماننے والوں نے دین کو چھوڑنے پر رضامندی اور خاموشی نہ اختیار کی ہوتی تو یزید نہ پیدا ہوتا اور حسینؑ کو قربانیاں نہ دینا پڑتیں ۔

اب میں اپنے بیان کو اس مرحلہ پر لانا چاہتا ہوں جس کا تذکرہ میں نے دل کی

مجلس میں بھی کہا تھا کہ علی اصغرؑ کو دفن کرنے کے بعد حسینؑ کربلا کے میدان میں آئے اور آنے کے بعد کہا:

"ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا ؟"

کوئی ہے جو میری مدد کو آئے ؟

اے میرے مولا! اے میرے مولا! اب آپ مدد کے لیے کیا کریں گے بُلا کے؟ اصغرؑ زندہ نہیں ہیں۔ اکبرؑ زندہ نہیں ہیں۔ قاسمؑ زندہ نہیں ہیں ــــ میں عام انسانوں سے پوچھنا چاہتا ہوں، حسینؑ کو امام کی حیثیت سے تو ہم بعد میں سوچیں گے لیکن آپ ذرا سوچیں کہ جس انسان کے سارے عزیز، سارے دوست مار ڈالے گئے ہوں کیا ایسا انسان زندہ رہنا چاہتا؟ نہیں! نہیں رہنا چاہتا۔ تو میرے مولا تو بدرجہ اولیٰ ایسوں کی شہادت کے بعد زندہ نہیں رہنا چاہتے۔

اگر آپ مولا ہی کی زبان سے سننا چاہتے ہیں تو میں آپ کو وہ جگہ یاد دلاؤں جب حبیب ابنِ مظاہرؑ نے پکارا ہے تو حسینؑ یہ کہتے ہوئے چلے کہ حبیب! تیرے جیسے دوستوں کے بعد اب میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ جب علی اکبرؑ نے پکارا تو حسینؑ یہ کہتے چلے: میرے بیٹے، میرے بیٹے! اب تیرے جیسے بیٹوں کے مرجانے کے بعد اس دُنیا پر خاک ہے۔ جو حبیبؑ کے بعد زندہ نہیں رہنا چاہتا، جو اکبرؑ کے بعد زندہ نہیں رہنا چاہتا وہ مدد کے لیے کیوں پُکار رہا ہے؟

مولا! آپ کو کیا مدد چاہیئے۔ کس کے لیے چاہیئے؟ اگر آپ مدد اپنے لیے مانگتے ہیں تو آپ تو اب زندہ نہیں رہنا چاہتے ہیں۔ کوئی بھی انسان اس مرحلے پر زندہ نہیں رہنا چاہتا ہے جو آپ کا مرحلہ اور موقع ہے۔ اور پھر میرے مولا اگر آپ مددگار کو اس لیے پُکار رہے ہیں کہ زینبؑ کے پردے کی حفاظت کرنے والا پیدا ہو جائے تو

جب ابنِ عباس کہہ رہے تھے کہ عورتوں کو نہ لے جائیے۔ جناب ام سلمہ نے کہا تھا نہ جائیے، عورتوں کو نہ لے جائیے۔ توآپ نے کہا تھا: اللہ چاہتا ہے کہ ان کو راہِ دین میں قیدی دیکھے۔ توآپ شہید ہونے کے لیے آئے ہیں، ان کو قیدی ہونے کے لیے راہ اسلام میں پیش کرنے کے لیے لائے ہیں؛ توآپ مدد کے لیے کس کو آواز دے رہے ہیں؟ کہا: سنو! میں کربلا کے میدان میں آیا ہوں، اپنا گلا کٹانے آیا ہوں، اصغرؑ کو قربان کرنے آیا ہوں، اکبرؑ کو قربان کرنے آیا ہوں، اعزا کو قربان کرنے آیا ہوں، اپنے بعد اہلِ بیتؑ کو قیدی بننے کے لیے پیش کرنے آیا ہوں، لیکن یہ سب میں دین کو بچانے کے لیے کرنے آیا ہوں، تو میں جو مدد کی آواز دے رہا ہوں ——

هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا

میں اپنے گلے کے لیے آواز نہیں دے رہا ہوں، زینبؑ کی چادر کے لیے آواز نہیں دے رہا ہوں، میں سکینہؑ کو طمانچے سے بچانے کے لیے آواز نہیں دے رہا ہوں بلکہ میری آواز ہے کہ دین کے لیے مددگار کوئی ہے کہ نہیں؟

میں نے کہا: ہاں میرے مولا۔ کربلا میں آپ آوازیں دے چکے ہیں کوئی آپ کی آواز پر آواز دینے والا نہیں۔ آپ نے خود کہا، سارے اعزا و اقربا کو پکارکے، کہ حسینؑ تم کو آواز دے رہا ہے۔ تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ پھر آپ نے خود ہی جواب دیا: موت نے تمھیں مجبور کر دیا ہے ورنہ حسینؑ پکارتا اور تم جواب نہ دیتے یہ ممکن نہیں ہے۔ تو میرے مولا! اب اگر آپ بلانا بھی چاہتے ہیں تو یہاں کون ہے؟

کہا: سنو! جو کربلا میں موجود ہیں میں انھیں آواز نہیں دے رہا ہوں میں تو قیامت تک جتنے حسینی پیدا ہونے والے ہیں ہر حسینی کو آواز دے رہا ہوں —— اور سنو! میری آواز نسلوں تک پہونچے گی۔ میری آواز صدیوں تک پہونچے گی ——

میری آواز ساری دُنیا کے کونے کونے تک پہونچے گی۔!

میں نے پوچھا: میرے مولا! وہ کیسے؟

کہا: ایک میرے جد تھے جناب ابراہیمؑ۔ جن کے لیے تم کو قرآن کی تفسیر میں یہ ملے گا کہ جب انھوں نے حج کے لیے آواز دی ہے تو نسلوں تک جناب ابراہیم کی آواز پہونچی ہے اور نسلوں میں جس نے ہاں کہی ہے لبیک کہی ہے وہ پیدا ہو کر حج کرنے کے لیے جاتا ہے ___ تو جو ایک بیٹے کو قربان کرے اگر اس کی آواز نسلوں تک پہونچتی ہے تو جس نے سارا کنبہ قربان کر دیا ہے اس حسینؑ کی آواز کیا کربلا میں رُک جائے گی؟

تو میرے مولا کیسے پکار رہے ہیں؟ مجھے پکار رہے ہیں، آپ کو پکار رہے ہیں۔ میرے مولا ایک ایک نوجوان کو پکار رہے ہیں، میری ایک ایک بیٹی کو پکار رہے ہیں، میری ایک ایک بہن کو پکار رہے ہیں، میرے ایک ایک بھائی کو پکار رہے ہیں۔ دیکھو! میں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا دین بچانے کے لیے۔ مجھے تمھاری مدد چاہیے جب تک دنیا میں یزیدیت باقی ہے یعنی دین کی عدم پابندی ہے تب تک تم دین کی پابندی کرنا، تاکہ تم میرے مددگاروں میں شامل ہو جاؤ۔

بس یہ وہ عظیم مقصد ہے جس کے لیے یہ عظیم قربانیاں خدا نے قبول کی ہیں، حسینؑ نے دی ہیں، حسینؑ کے بزرگوں نے وعدہ کیا ہے۔

میں نے جو کچھ کہنا چاہا تھا، آپ کے سامنے مکمل کر دیا۔ جائیے، بہت سے آنے والے ہیں جو دُور دُور سے آئے ہیں۔ جو جانے والے ہیں خدا آپ کو پوری سلامتی کے ساتھ آپ کے گھروں تک پہونچا دے۔ آپ کے بچے جو آپ کے ساتھ آئے ہیں خدا کرے وہ بھی بخیر و عافیت، صحیح و سالم اپنے اپنے گھر پہونچ جائیں۔ جائیے اپنے

اہل و عیال کو لے کر جایئے۔ لیکن اتنا یاد رکھیے گا کہ آج کی رات یعنی ۱۱ محرم کی رات کو سید سجادؑ زمین پر جو قافلہ لیے بیٹھے ہوئے ہیں اس قافلہ سے آواز آرہی ہے جب تک دین پایا جاتا ہے اور دین کی عدم پابندی پائی جاتی ہے اگر تم حسینی ہو تو حسینؑ کی مدد کرو اور مدد یہی ہے کہ خود دین کی پابندی اختیار کرو اور دوسروں کو پابندِ دین بناؤ تاکہ خونِ شہداء رائیگاں نہ جانے پائے۔ اور خون شہداء کے ساتھ ساتھ قیدیوں اور اسیروں کی آنکھوں سے جو بےکسی کے عالم میں آنسو بہے ہیں وہ رائیگاں نہ جانے پائیں۔

میں نے آپ کے سامنے بات مکمل کر دی ہے۔ ہمارا آپ کا فریضہ ہے کہ دس دن کی مجلس پر اکتفا نہ کریں۔ شام غریباں کی مجلس سے جا کے یہ نہ سوچیں کہ ہم نے غم کا حق ادا کر دیا، ہم نے حسینؑ کا ماتم کر لیا ــــ نہیں! ہمارے کان میں رات بھر آواز آئے گی۔ سکینہؑ کے رونے کی آواز آئے گی۔ زینبؑ کی آواز آئے گی۔ سید سجادؑ کے سجدۂ شکر کی آواز آئے گی۔ ان آوازوں کو ہمیں ساری زندگی یاد رکھنا چاہیئے اور ساری زندگی سننا چاہیے۔

اگر ہم عزادار ہیں، اگر ہم حسینی ہیں، اور بیشک ہیں، الحمدللہ ہیں تو ہمارا فریضہ ہے کہ ہم ایک قدم اور آگے بڑھیں تاکہ دین کی پابندی کے لیے ایک ایسی سوسائٹی بنالیں جس کے ذریعہ دین محفوظ ہو جائے۔

میں آپ کے سامنے اب کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ جلتے خیمے آواز دے رہے ہیں زندگیوں میں اُجالا پیدا کرو۔ جلتے خیمے آواز دے رہے ہیں اپنی فیملیوں میں دین کی تعلیم کا اُجالا پیدا کرو۔

میں تقریر ختم کرتے ہوئے، مجلسِ شامِ غریباں کو مکمل کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بڑا ہنگامہ خیز تھا وہ وقت جب حسینؑ شہید ہوئے ہیں۔ آپ اس مجلس میں تشریف فرما

ہیں لیکن ایک بات میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ صبح یہیں میں نے مجلس پڑھی تھی آپ بھوکے تھے، آپ پیاسے تھے۔ لیکن میرے بھائیو، میرے بچّو، میرے بیٹو! بتایئے کیا آپ اب بھی بھوکے ہیں، آپ اب بھی پیاسے ہیں ــــ نہیں! فاقہ شکنی ہو چکی ہے۔ مومنین نے بڑے اہتمام کے ساتھ ایک ایک کو بار بار پوچھا ہے ــــ پانی چاہیے، کھانا چاہیئے؟

اللہ! کربلا میں سکینہؑ سے پوچھنے والا کوئی نہیں ہے، زینبؑ کے سامنے بچّوں کی فاقہ شکنی کا سامان لانے والا کوئی نہیں ہے ــــ آؤ آؤ! ان غریبوں کو یاد کریں جن کی یہ شام ہے۔ جن کی یہ شام شامِ غریباں کہلاتی ہے۔ جتنے بھی مجلسوں میں آئے ہیں، خدا کرے شاد رہیں، آباد رہیں، اپنے گھروں کو واپس جائیں۔ مگر اتنا یاد رکھیے گا ربابؑ کی گود خالی ہو گئی ہے۔ حسینؑ کے خیمے جل چکے ہیں، سید سجادؑ کے پاس بستر نہیں ہے۔

صاحبِ سرور المومنین نے یہ لکھا ہے کہ حسینؑ کے خیمے میں ایک بچّی تھی جس کا نام رقیہ تھا۔ یہ بچّی اپنے باپ سے بہت محبّت کرتی تھی اور باپ بھی اپنی بچی سے بے پناہ محبّت کرتا تھا۔ باپ نے یہ دستور بنایا تھا، یہ روزمرّہ کا طریقہ بنایا تھا کہ جب عصر کا وقت ہوتا تھا تو باپ اپنے سارے کام چھوڑ کے اپنی بیٹی سے ملنے آتا تھا اس کو کلیجے سے لگاتا تھا تو ننھی بچی چھوٹی بچی عادی ہو گئی تھی جب عصر کا وقت آنے لگتا تھا تو وہ باپ کے انتظار میں مصلّے بچھا دیتی تھی، مصلّے کے پاس بیٹھی رہتی تھی ــــ میرا بابا آئے گا، مجھے اٹھائے گا، کلیجے سے لگائے گا اور پیار کرے گا۔ ۲ محرم کو قافلہ کربلا میں ٹھہرا باپ اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے آیا ــــ ۳ محرم کو پانی بالکل بند ہو گیا مگر باپ اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے آیا۔ ۴ محرم کو

سے بزرگوں کی پیاس شروع ہوگئی تھی مگر، محرم سے بچہ بچہ پیاسا تھا۔ چھوٹے بڑے سب پیاسے تھے لیکن باپ اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے آیا۔ ۹ محرم کو جب یزید کا لشکر رات بھر کے لیے جنگ ملتوی کرکے واپس جارہا تھا تو یہ باپ اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے آیا۔

لیکن عاشور کے دن عصر کے وقت یہ کم سن بچی، یہ بھولی بچی مصلّے بچھائے ہوئے اپنے باپ کا انتظار کررہی ہے۔ وقت گزرتا جارہا ہے۔ باپ نہیں آرہا ہے۔ بچی کبھی بیٹھ جاتی ہے۔ کبھی کھڑی ہوجاتی ہے کبھی ماں کے پاس جاتی ہے۔

اماں۔ اماں! بابا کیوں نہیں آئے؟ اور جب بچی یہ پوچھتی ہے تو ماں رونے لگتی ہے اور جب ماں رونے لگتی ہے تو بچی کہتی ہے: اماں! میں ہمیشہ باپ کو پوچھا کرتی تھی تم روتی نہیں تھیں۔ آج تم کیوں رورہی ہو؟ ماں اس کم سن بچی کو کیسے بتائے کہ اب تیرا باپ آنے والا نہیں ہے۔

بچی کی بیتابی بڑھتی جاتی ہے۔ میں جذبات کی ترجمانی کررہا ہوں۔ بار بار کہتی ہے بابا مجھ سے ناراض ہوگئے ہیں بابا کو بلادو میں آئندہ ان کو ناراض نہ ہونے دونگی ماں آنسو پونچھتی ہے۔ بچی پوچھتی ہے بابا کب آئیں گے؟ اتنی دیر میں خیمے کا پردہ اٹھا۔ بچی سمجھی میرا باپ آیا ہے۔ مگر شمر ملعون آیا تھا ــــ اور بچی نے بغیر دیکھے کہا: بابا! تم نے آنے میں دیر کردی ــــ ظالم نے بچی کو کھینچا، طمانچے مارے اور خیمے کے باہر کردیا۔

ننھی سی بچی کربلا کے میدان میں دوڑ رہی ہے: بابا!۔ بابا!۔ بابا! ــــ ارے تم کہاں ہو؟ ارے تم کہاں ہو۔ ظالم ہمیں طمانچے مار رہے ہیں۔ بابا تم کہاں ہو ظالم ہمیں طمانچے مار رہے ہیں۔ ہمارا خیمہ لوٹ رہے ہیں ــ ہماری ماں کے سر سے

چادر چھین رہے ہیں۔ ارے بابا تم کہاں ہو ....؟

ماں دوڑی ہوئی آئی۔ ارے بیٹی! تیرا باپ اب نہیں آئے گا۔ وہ راہِ خدا میں شہید ہو گیا ــــــ

اَجُرُکُمُ عَلَی اللہ ... اَجُرُکُمُ عَلَی اللہ

بس مجھے مجلس ختم کرنے میں کچھ دیر نہیں ہے لیکن شامِ غریباں سال بھر کے بعد ہی آنے والی ہے لہٰذا میری بیٹیو! ماتم کرو۔ میری بہنو! روؤ۔ میرے نوجوانو! اپنے اپنے غم کا حق ادا کرو۔ ہم آپ مل کے غم کا حق ادا کریں۔

شام ہوئی۔ کیسے شام ہوئی؟ کل شام ہوئی تھی سب پیاسے تھے ــــ مگر اکبرؑ بھی تھے، عباسؑ بھی تھے۔ خیمے بھی تھے ــــ آج شام ہوئی تو جلتی زمین پر سب بیٹھے ہیں ــــ میں ایک منظر سنانا چاہتا ہوں اور اسی پر مجلس تمام کر دینا چاہتا ہوں، اس سے آگے کچھ بھی پڑھنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔

عزیزو! ذرا سنو۔ میں نے ابھی آپ کے سامنے ایک جملہ کہا ہے اس کی تشریح کرنا چاہتا ہوں کہ ۷ محرم سے پانی بند ہو گیا تھا ــــ جب ۷ محرم سے پانی آنا بند ہو گیا تھا تو سکینہؑ کو چاہے پانی مل گیا ہو مگر ربابؑ نے یہ سوچ کے پانی پینا چھوڑ دیا تھا کہ پانی اب نہیں آرہا ہے تو میں پیوں کہ بچوں کو پلاؤں۔ ساتویں کو سب پیاسے تھے۔ میں نے آپ کو سنایا ہے کہ ساتویں دن بریر نے آکر پسرِ سعد سے کہا تھا:

"میں حسین کے خیموں سے آرہا ہوں، بچے اتنے پیاسے ہیں کہ اگر ان کو پانی نہ ملا تو یہ مر جائیں گے" ــــ

اللہ! ان بچوں نے سات کا دن گزارا، آٹھ کا دن گزارا ــــ نو کا دن گزارا دس کی رات گزاری اور دس کا دن گزارا ــــ دو جملے سن لیجئے ــــ پیاس ایسی تھی کہ

کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ حسینؑ کے بعض ساتھیوں کی زبانیں اتنی سُوکھ چکی تھیں کہ وہ اشاروں سے بات کرتے تھے۔ وہ زبان سے الفاظ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ پیاس کتنی شدید تھی کہ اپنی شہادت سے پہلے حسینؑ نے بیان فرمایا ہے کہ جب میں آسمان کی طرف نگاہ اُٹھاتا ہوں تو مجھے پوری فضا میں دُھواں بھرا نظر آرہا ہے۔ پیاس اتنی پیاس تھی کہ نو محرم کو خیمے کے اندر جناب سکینہؑ داخل ہوتی ہیں تو یہ دیکھتی ہیں کہ میری پھوپھی زینبؑ مجھے غور سے دیکھ رہی ہیں۔ لیکن جب میں نے کہا پھوپھی اماں میں ہوں۔ کہا: بیٹی سکینہ تم ہو؟۔ تو مجھے حیرت ہوئی کہ پیاس نے میری پھوپھی کی آنکھ اور نظر پر اتنا اثر ڈالا ہے کہ خیمے کے اندر اندھیرے میں جب تک میری آواز نہیں سُن لی میری پھوپھی مجھے پہچان نہیں سکیں۔

ذرا سوچنے کی بات ہے، جو سات کو اتنے پیاسے تھے وہ آٹھ کو کتنے پیاسے ہوں گے، وہ نو کو کتنے پیاسے ہوں گے، وہ دس کو کتنے پیاسے ہوں گے ـــــ اور اب مجھے ایک جملہ کہنے دیجئے ـــ جو شہید ہو گیا اس کی پیاس ختم ہو گئی، لیکن جو زندہ تھے ان کی پیاس باقی ہے۔ جب شامِ غریباں آئی تو سکینہؑ کی پیاس باقی تھی۔ حُسینؑ کی پیاس ختم ہو چکی تھی وہ کوثر کے کنارے پہونچ چکے تھے۔ عباسؑ کی پیاس ختم ہو چکی تھی، ام کلثومؑ کی پیاس باقی تھی۔ اکبرؑ کی پیاس ختم ہو چکی تھی، ربابؑ کی پیاس باقی تھی۔ ارے چھوٹے چھوٹے بچے پیاسے تھے۔

بس عزیزو! مجھے ایک جملہ سُنانا ہے۔ انسانوں کا دل رکھنے والو! سنو اولاد والو! سنو۔ــــ آخری فقرہ سنیئے ـــ میں نے جتنی کتابیں پڑھی ہیں ان میں مجھے یہ ملا ہے، یہ بچے روتے تھے اور رو رو کے پانی مانگتے تھے۔ العطش العطش ہائے پیاس، ہائے پیاس۔ اتنی آوازیں لگائی ہیں ان بچوں نے کہ شام کا لشکر

ان بچّوں کی آواز سنتا تھا۔

کلیجہ تھام لو سننے والو! کلیجہ تھام لو۔ ساتویں کو دن بھر بچّوں نے رو رو کے پانی مانگا، آٹھویں کو دن بھر، رات بھر بچّوں نے رو رو کے پانی مانگا۔ نویں کو رات اور دن کو بچّوں نے رو رو کے پانی مانگا۔ عاشور کے دن پانی مانگتے تھے بچے۔ عبّاسؑ سے پانی مانگتے تھے، حسینؑ سے پانی مانگا، اصحاب سے پانی مانگا، بریر سے پانی مانگا۔ لیکن جب میں نے کتابیں پڑھیں تو آج گیارہ محرّم کی رات جب آئی تو جو چھوٹے چھوٹے بچّے باقی تھے وہ پیاسے تھے مگر ماؤں کی گود میں بیٹھے تھے۔ ماؤں کے برابر بیٹھے تھے اب کوئی پانی نہیں مانگ رہا تھا۔

ارے میں یتیموں کے قریب گیا تاریخ میں، اور میں نے کہا: بچّو! کیا پانی مل گیا؟ کہا، پانی تو نہیں ملا۔ میں نے کہا: پھر؟ اب مانگتے کیوں نہیں ہو؟

کہا: اتنے طمانچے کھائے ہیں، اتنے طمانچے کھائے ہیں کہ اب پانی نہ مانگیں گے ورنہ پھر شمرؔ لعین طمانچے مارنے کے لیے آجائے گا۔

سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ۚ

فہرست مجالس



بانیٔ تنظیم خطیب اعظم

مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ

TANZEEMUL MAKATIB
GOLAGANJ, LUCKNOW, 226018 U.P., INDIA
Ph. 0522 6565982, 2615115,2628923, 2618194
Email: makatib.makatib@gmail.com, makatib@makatib.net
Website: www.makatib.net